حالاتِ زندگی

حکیم الامت

مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمتہ اللہ علیہ

پی ایچ ڈی مقالہ
میسور یونیورسٹی ہندوستان

محقق شیخ بلال احمد صدیقی

نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار خان روڈ گجرات

حالاتِ زندگی

حکیم الامت

مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمتہ اللہ علیہ

از

محقق شیخ بلال احمد صدیقی

پی ایچ ڈی مقالہ

میسور یونیورسٹی ہندوستان

ناشر: نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار خان روڈ گجرات

کتاب: سوانح حیات حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی"

مصنفین: (۱) مولانا مولوی نذیر احمد نعیمی قادری

(۲) قاضی عبدالنبی کوکب

(۳) شیخ بلال احمد صدیقی

ناشر: نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات

کمپوزنگ: دانیال کمپوزنگ سینٹر، گارڈن ٹاؤن، لاہور

تعداد: گیارہ سو

سال اشاعت: ۲۰۰۴ء

ہدیہ:

تقسیم کار:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور

فہرست

سوانح عمری حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قادری بدایونی

مرتبہ

مولانا مولوی نذیر احمد نعیمی قادری

دیباچہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۰ اَمَّا بَعْد

حضرت حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوانحِ عمری اس سے پہلے حضرت علامہ مفکرِ اہل سنت قاضی عبدالنبی کوکب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرتب فرمائی۔ مگر اس میں چند کمیاں رہ گئی تھیں اس لئے میرا ارادہ اس وقت سے تھا کہ میں حضرت حکیم اُلامّت بدایونی کی سوانح عمری مرتب کروں اور یہ سعادت حاصل کروں مگر اس میں دیر اس لئے ہوتی رہی کہ میں چاہتا تھا کہ اگرچہ یہ سوانح عمری مختصر ہو مگر ٹھوس حقائق پر مبنی ہو جس کے لیے مجھ کو حضرت صاحب زادہ والاشان مفتیِ اسلام اقتدار احمد خان کی خدمات حاصل کرنی پڑیں اس کے علاوہ حضرت کے شاگردوں مریدوں اور ہم عصر علماء اور عقیدت مندوں سے تحریری رابطہ قائم کرنا پڑا اور جس نے جو کچھ مجھ کو لکھ کر بھیجا بعینہٖ میں نے اس میں شامل کیا۔ علامہ کوکب صاحب مرحوم کی تصنیف شدہ کتاب ''حیاتِ سالک'' میں مندرجہ ذیل کمیاں کمزوریاں ہیں۔ (۱) اس میں تاریخات اکثر غلط ہیں (۲) اس میں بلاضرورت اختصار ہے (۳) اس میں زیادہ تر وہی واقعات ہیں جو کوکب صاحب سے متعلق ہیں یا جو حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کی زبان مبارک سے خود سنے بہر کیف ہم اہلسنت پر علامہ کوکب صاحب مرحوم کا بڑا احسان ہے کہ انہوں نے جلد از جلد چالیسویں سے پہلے ہی وہ کتاب چھاپ کر اہل سنت کے سامنے پیش کر دی، اتنی جلدی کتاب مرتب کر دینا یہ ان کا ہی کارنامہ اور حصہ ہے۔ اس زیرِ نظر مرتبہ کتاب کو بالکل صحیح تر بنانے کے لیے حضرت صاحبزادہ صاحب مفتی اقتدار احمد خان مدظلہ العالی کو ۱۹۷۶ء میں ہندوستان کا دورہ کرنا پڑا صاحبزادہ صاحب قبلہ نے اس سوانح

عمری میں تمام تاریخیں، حضرت حکیم الامت کی بڑی ہمشیرہ اپنی پھوپھی صاحبہ واحد نور بیگم اور حضرت علیہ الرّحمتہ کے چھوٹے بہنوئی اپنے چھوٹے پھوپھا صاحب مولانا محمد حیات خان صاحب سے پوچھ کر لکھی ہیں اور پھر صاحبزادہ صاحب نے انہی دنوں مراد آباد شریف، پیلی بھیت، بریلی شریف میں متعدد بزرگوں سے مل کر حضرت حکیم الامت علیہ الرحمتہ کے متعلق تاریخوار معلومات فراہم کیں۔ میں نے اس کتاب میں وہی کچھ لکھا ہے جو ان بزرگوں کے تحریری فرمودات مجھ کو صاحبزادہ صاحب نے مہیا فرمائے اس کے علاوہ بھی میں نے کوئی بات اپنی طرف سے بلا تحقیق اور بلا تحریر شامل نہ کی اس کتاب کی تالیف میں میرے ساتھ چند دیگر بزرگوں نے بھی بہت تعاون فرمایا۔ گویا کہ اس اعتبار سے یہ کتاب چند مؤلفین کی محنت و ترتیب کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ جل مجدہ ہماری اس محنت و محبت عقیدت کو قبول فرمائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ایک شکریہ ہے اور شکر ادا کرنا نعمت کا چرچہ کرنا ہے جس کا حکم قرآن مجید نے عطا فرمایا اور قرآن مجید کا ہر حکم عبادتِ الٰہی ہے۔

سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ الله

مرتّب و مؤلف

سگِ باوفا دربارِ حکیم الامت

بندۂ ناچیز مولوی نذیر احمد نعیمی

اسلام کے مُفکّر اور مُفسّر اعظم
حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ ان شہسواران اسلام میں ہیں جن پر قوم مسلم کو ہمیشہ فخر رہا۔ آپ کی ذات والا صفات اپنے وقت کی ان مقتدر ہستیوں میں سے تھی جن کو قوم کی پیشوائی اور نباضِ امت ہونے کا سہرا سجتا ہے۔ آپ عقل عرفانی، علمِ ایمانی اور معرفت روحانی کے امام تھے آپ نے اپنی ساری زندگی دین اسلام کی اپنے قلم و زبان تفکر و تدبر سے ایسی خدمت فرمائی کہ رہتی دنیا تک عوام وخواص اس سے فیض یاب ہوتے رہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو عمل وفکری زندگی آئندہ نسلوں کے لیے ایک نمونہ اسلامی رہے گی۔ حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ اپنے خاندانی اعتبار سے والد کی طرف سے یوسف زئی پٹھان شجرۂ نسب حضرت بنیامین ابن یعقوب علیہ السّلام تک پہنچتا ہے اور والدہ کی طرف سے قریشی خاندان سے تھے۔ آپ کا دھدیال اور ننھیال دونوں طرف علمی گھرانے تھے۔ آپ کی پرورش انتہائی مہذب اور علمی ماحول میں ہوئی آپ کے پانچویں دادا حضرت امام علی خان علیہ الرحمۃ گردیزی افغانستان سے ہجرت کر کے یوپی (اترزدیش) کے شہر ضلع بدایون کی ایک بستی اجھیانی میں مقیم ہوئے۔ آپ کے دادا محترم مولانا منور خان علیہ الرحمۃ اپنے علاقے کے معززین میں شمار ہوتے تھے فارسی اپنی وطنی مادری زبان ہونے کے علاوہ آپ فارسی کے زبردست عالم تھے حضرت حکیم الامت کے والد محترم مولانا محمد یار خان علیہ الرحمۃ اپنے وقت کے چند عالم دین عابد وزاہد شب زندہ دار بزرگوں میں شمار ہوتے تھے آپ نے اس دور میں اپنے اہتمام سے اپنے علاقہ میں ایک شاندار مسجد تعمیر فرمائی اور پھر تا عمر اس کی امامت خطابت فی سبیل اللہ بلا معاوضہ فرمائی۔ وہاں لوگوں کی

غربت کا یہ حال تھا کہ مسجد کے پانی کا انتظام بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔ لوگ دور دور سے گھڑوں کے ذریعے مسجد کا پانی بھرتے جو کافی مشقت و مصیبت کا باعث تھا۔ آپ نے مسلمانوں کی اس تکلیف کو دیکھتے ہوئے اپنی زوجہ سے فرمایا کہ اب وقت ہے اگر کچھ آخرت کا سرمایہ جمع کرنا چاہتی ہو تو اپنا زیور بیچ کر مسجد میں کنواں بنوا دو اس اللہ کی نیک بندی نے ایک منٹ کی دیر نہ لگائی اور اپنا سارا زیور اپنے معزز خاوند کو دیدیا اس زیور کی قیمت میں رب تعالیٰ نے اتنی برکت عطا کی کہ کنویں کے علاوہ پوری وضوگاہ بھی تعمیر ہوگئی آپ کو مسجد سے والہانہ عشق تھا۔

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان اپنے والدین کے پانچ بہنوں کے ساتھ اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ کے والد محترم نے چوتھی بیٹی پیدا ہونے پر بارگاہِ ربُّ العزت میں دعا مانگتے ہوئے منت عرض کی کہ یا اللہ اگر مجھ کو بیٹا عطا ہو تو میں اس کو دین اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گا۔ آپ کی یہ منت قبول ہوئی اور مولیٰ تعالیٰ نے یہ فرزندِ نرینہ عطا فرمایا۔ والد محترم نے اپنی منت کے مطابق کبھی بھی اپنے اس اکلوتے بیٹے سے دنیا کا کام نہ لیا بلکہ ہر طرح اسلام کی خدمت کے لیے تیار کیا۔ آپ کی ولادت اسلامی سال کے پانچویں مہینے جمادی الاول کی چار تاریخ بروز جمعرات سن ہجری ۱۳۱۴ھ اور اس سن عیسوی ۱۸۹۴ء ماہ مارچ کی پہلی تاریخ بوقت فجر ہوئی۔ آپ کی حیات طیبہ کا پورا نقشہ حسب ذیل ہے آپ نے اپنی تعلیم پانچ مدرسوں میں مکمل فرمائی (۱) گھر میں اپنے والد سے (۲) بدایوں شہر کے دارالعلوم سے (۳) ہندوستان کے ایک پرانے شہر مینڈھو پور سے (۴) مراد آباد شریف سے (۵) میرٹھ۔ آپ نے چالیس علوم حاصل کیے جن میں سے تیس درسِ نظامی کے علوم اساتذہ سے اور دس علوم خود کتب بینی سے حاصل ہوئے۔ شاعری میں آپ کا تخلص سالک بدایونی تھا۔ آپ کو مفتی کا لقب اساتذہ کی طرف سے ملا اور ۱۹۵۷ء میں حاشیہ قرآن مجید لکھنے پر ملک کے نامور علماء کرام اور تحریک پاکستان کے حامی جید علماء کی تنظیم نے حکیم الامت کا لقب عطا فرمایا جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ پیر سید معصوم شاہ صاحب نوشاہی، سید ابو کمال

برق نوشاہی، شیخ القرآن ابوالحقائق علامہ پیر عبدالغفور ہزاروی، شیخ الحدیث حضرت قبلہ مولانا سردار احمد صاحب، حضرت قبلہ غزالی زماں مولانا سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب، حضرت قبلہ سید محمد حسین شاہ ابن سید پیر علی پوری، حضرت سید قبلہ سید بابو جی گولڑہ شریف، حضرت قبلہ قاری احمد حسین رہتکی خطیب اعظم عیدگاہ گجرات رحمتہ اللہ علیہ نے پیر و مرشد اور استاذ گرامی صدرالافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمتہ نے آپ کے علمِ میراث کا ایک عظیم فتوٰی لکھنے پر آپ کو مفتی اسلام کا لقب عطا فرمایا۔ آپ اپنی عمر کے تین سال گیارہ ماہ اور ایک دن کے تھے تو آپ کی بسم اللہ شریف ہوئی یعنی تعلیم شروع ہوئی۔ بدایون شریف کے ایک بڑے بزرگ عبدالقدیر میاں صاحب علیہ الرحمتہ نے آپ کی بسم اللہ شریف کی تعلیم مکمل فرمائی اس وقت موسم بہار کی پہلی بارش ہلکی ہلکی ہو رہی تھی۔ پیر کا دن بوقت نماز ظہر آپ نے قرآن مجید اور فارسی مکمل کورس اور عربی کی ابتدائی کتب کی تعلیم گھر پر ہی اپنے والد محترم سے حاصل کی آپ اپنی عمر کے ساتویں سال بدایون کے مدرسے میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے تین مدرسوں میں تعلیم مکمل فرمائی آپ نے پہلا فتوٰی ۱۹۱۲ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں لکھا۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور اس وقت آخری سال کے طالب علم تھے۔ یہ فتوٰی بارہ ربیع الاول کو اپنے استاد اور پیر مرشد حضرت صدرالافاضل کی خدمت عالیہ میں پیش کیا جو بہت پسند فرمایا گیا اور اسی دن جامعہ کا مفتی دارالعلوم بنایا گیا۔

آپ کے معمولات

حضرت مفتی احمد یار خان رحمتہ اللہ علیہ قادری سلسلہ میں اپنے استاذ گرامی کے ہاتھ پر بیعت تھے اور سلسلہ بیعت کچھوچھ شریف انڈیا بھارت سے جا ملتا ہے۔ آپ وقت کے بہت پابند اور قدردان تھے ہر کام اس طرح وقت اور پابندی سے کرتے کہ لوگ آپ کے چلنے پھرنے سے گھڑیاں ملاتے۔ آپ کی روزمرہ زندگی تہجد کی نماز سے شروع ہوتی۔ بارہ رکعت نفل، وتر پھر دو نفل بیٹھ کر پڑھتے۔ باقی تمام نوافل کھڑے ہو کر

پڑھتے۔ ہمیشہ وضو کے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتے پانچ وقت مسجد میں نماز باجماعت ادا فرماتے۔ نماز باجماعت کے عاشق تھے۔ سفر حضر میں اپنے ساتھ تلامذہ میں سے کم ازکم دو آدمی جماعت کے لیے ساتھ رکھتے۔ آپ نے سات مرتبہ حج بیت اللہ ادا فرمایا۔

آپ کی مرغوبات (پسندیدہ چیزیں) تلاوت قرآن مجید، مطالعہ حدیث آپ فرمایا کرتے تھے کہ تلاوت سے روح کی قوت اور مطالعہ احادیث سے قوت کشف بڑھتی ہے۔ دیگر کتب میں کشف المحجوب اور ذکر خیر (تذکرہ توکل شاہ صاحب انبالوی) دلائل الخیرات شریف کا ورد۔ شخصیات میں، اعلیٰ حضرت امام بریلوی، غذاؤں میں، آم پلاؤ کباب، عطریات میں گلاب اور صندل، آپ دراز قد بھرا ہوا جسم، جسم پر بال نہ تھے۔ پانچ فٹ نو انچ قد تھا۔ سفیدی مائل سرخ رنگ، چہرہ وجیہ، گھنی داڑھی چار انگل مطابق شرع، مخصوص لباس شلوار قمیص کبھی کبھی اچکن شیروانی عمامہ اکثر کبھی ٹوپی بھی۔ آپ کی اولاد میں پانچ بیٹیاں دو بیٹے شامل ہیں۔ آپ کی تصنیفات تقریباً پانچ سو ہے۔ جس میں سے کچھ ہندوستان یا پاکستان تقسیم ملک کے وقت ہندوستان میں ضائع ہو گئیں کچھ ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ مطبوعات میں تفسیر نعیمی، مراۃ شرح مشکوٰۃ شریف، جاءَ الحق، علم القرآن، شانِ حبیب الرحمٰن۔ مشہور زمانہ ہیں۔ آپ کی وفات تین رمضان المبارک بروز اتوار بعد نماز ظہر ۱۳۹۱ھ بمطابق ۱۹۷۱ء کو ہوئی۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک چوبیس اکتوبر کو گجرات میں منایا جاتا ہے۔

عارف بدیوانی حضرت حکیم الامت بدیوانی مفتی احمد یار خان سالک کا سوانحی خاکہ

۱.	ولادت اجھیانی، ضلع بدیوان (یوپی) گیارہ شوال	۱۸۹۴ء	۱۳۱۴ھ	جمعرات
۲.	ختم قرآن مجید ناظرہ بعمر پانچ سال	۱۸۹۹ء	۱۳۱۹ھ	جمعرات
۳.	پہلا وعظ بعمر دس سال	۱۹۰۴ء	۱۳۲۴ھ	جمعرات

۴.	پہلی تصنیف حاشیہ صدرا (فلسفہ سولہ سال)	۱۹۱۰ء	۱۳۳۰ھ	ختم بروز پیر
۵.	دوسری تصنیف علم میراث بعمر سترہ سال عمر	۱۹۱۱ء	۱۳۳۱ھ	آٹھ دن میں
۶.	دستار فضیلت بعمر انیس سال	۱۹۱۴ء	۱۳۳۴ھ	بروز بدھ
۷.	مسندِ دارالافتا کی ذمہ داری بعمر انیس سال	۱۹۱۴ء	۱۳۳۴ھ	اتوار
۸.	ازدواجی زندگی کا آغاز بعمر بیس سال	۱۹۱۴ء	۱۳۳۴ھ	جمعہ
۹.	پہلے صاحبزادے کی ولادت، بیالیس سال عمر	۱۹۳۴ء	۱۳۵۶ھ	ہفتہ
۱۰.	شرف بیعت بعمر بیالیس سال	۱۹۳۴ء	۱۳۵۶ھ	پیر
۱۱.	پہلا حج بعمر تتالیس سال	۱۹۳۷ء	۱۳۵۷ھ	حج اکبر (جمعہ)
۱۲.	مفتی اعظم کا لقب اور تخلص سالک	۱۹۴۲ء	۱۳۳۲ھ	جمعرات
۱۳.	حکیم الامت کا لقب بعمر اٹھاون سال	۱۹۵۲ء	۱۳۷۲ھ	جمعرات
۱۴.	دوسرے صاحبزادے کی ولادت بعمر ۴۵ سال	۱۹۳۹ء	۱۳۵۹ھ	اتوار
۱۵.	گجرات پنجاب میں آمد	۱۹۳۳ء	۱۳۵۳ھ	
۱۶.	قائداعظم کی حمایت کیلئے مسلم لیگ میں شرکت	۱۹۴۵ء	۱۳۶۵ھ	
۱۷.	تفسیر نعیمی کی ابتداء جاءالحق کی مکمل تصنیف	۱۹۵۴ء	۱۳۶۵ھ	
۱۸.	مدرسہ غوثیہ نعیمیہ کی بنا گجرات پنجاب میں	۱۹۵۳ء	۱۳۷۳ھ	
۱۹.	دوسرا حج ہندوستان سے بمبئی جدہ	۱۹۵۳ء	۱۳۷۳ھ	
۲۰.	اشراح بخاری کی تصنیف ابتدا (عربی)	۱۹۵۹ء	۱۳۷۹ھ	
۲۱.	قیام مدینہ منورہ (تقریباً دو سال)	۱۹۶۷ء	۱۳۸۷ھ	
۲۲.	حاشیہ تفسیری نورالعرفان کی ابتداء	۱۹۵۷ء	۱۳۷۶ھ	
۲۳.	بنارس کانفرنس میں شرکت (مسلم لیگ کی حمایت	۱۹۴۵ء	۱۳۶۵ھ	
۲۴.	آپ کا ایک مناظرہ (مرزا غلام کے ایک خلیفہ سے (پاکستان گجرات میں)	۱۹۴۸ء	۱۳۶۸ھ	
۲۵.	وصال شریف	۱۹۷۱ء	۱۳۹۱ھ	۳ رمضان بروز اتوار
۲۶.	آپ کا پہلا مناظرہ بعمر سولہ سال، ایک مشہور آریہ پنڈت سے مناظرہ اور ایک گھنٹے میں پنڈت کی شکست فاش	۱۹۱۰ء	۱۳۹۱ھ	

وہ علوم جو حضرت حکیم الامت نے اساتذہ سے حاصل کئے

۱.	قرآن مجید باترجمہ	۲.	علم تجوید	۳.	فارسی گرائمر
۴.	فارسی ادب وتاریخ	۵.	عربی علم صرف	۶.	عربی علم نحو
۷.	عربی فقہ	۸.	عربی اصول فقہ	۹.	علم منطق
۱۰.	علم فلسفہ	۱۱.	علم میراث	۱۲.	علم تفسیر
۱۳.	علم اصول تفسیر	۱۴.	علم حدیث مقدسہ	۱۵.	علم اصول حدیث
۱۶.	علم اسماء الرجال	۱۷.	علم توقیت	۱۸.	علم جفر
۱۹.	علم رمل	۲۰.	علم تعویذات عملیات	۲۱.	علم مکاشفہ (روحانی تصوف)
۲۲.	علم فتویٰ نویسی	۲۳.	علم مناظرہ	۲۴.	علم عقائد
۲۵.	علم تصوف	۲۶.	علم ادب عربی	۲۷.	علم طب
۲۸.	علم کلام	۲۹.	علم بلاغت	۳۰.	علم الاشعار

وہ علم جو حضرت نے خود کتب بینی سے حاصل کئے

۳۱.	انگریزی زبان	۳۲.	سائنس اور تجربات	۳۳.	علم الحروف
۳۴.	علم جغرافیہ	۳۵.	علم الوفق	۳۶.	علم ھیئت
۳۷.	علم تکسیر	۳۸.	علم سلوک	۳۹.	علم نعت
۴۰.	علم حساب، جنتری وغیرہ (علم الہندسہ)				

حضرت حکیم الامت نے جن مظامین پر تصنیفات فرمائیں

۱.	علم تفسیر قرآن میں	تفسیر نعیمی و نور العرفان
۲.	علم شرح حدیث میں	مراۃ شرح مشکوٰۃ و نشراحِ بخاری
۳.	علم میراث میں	علم میراث
۴.	علم فقہ میں	فتاویٰ نعیمیہ
۵.	علم منطق میں	حاشیہ حمداللہ
۶.	علم فلسفہ میں	حاشیہ صدرا
۷.	علم اسماء الرجال میں	ترجمہ اکمال
۸.	علم عملیات تعویذات میں	رسالہ تصوف
۹.	نظمیات میں	دیوان سالک
۱۰.	علم توقیت میں	نقشہ اوقات صوم صلوٰۃ

حضرت حکیم الامت نے جن کے رد میں تصانیف فرمائیں

۱.	رد دیوبندیت (وہابیت)	جاء الحق اول
۲.	رد غیر مقلدین (وہابیت)	جاء الحق دوئم
۳.	رد عیسائیت	یسوع کی پیشگوئیاں
۴.	رد آریہ	آریہ پر چار حرف (ل ع ن ت)
۵.	رد شیعت	امیر معاویہ پر ایک نظر
۶.	رد مرزائیت	مرزائی سے نکاح حرام ہے (ایک فتویٰ)
۷.	رد سائنس	سکونِ زمین پر ایک وسیع فتویٰ

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمتہ
کے چند مشہور زمانہ تلامذہ

ا۔مولانا آلِ حسن صاحب سنبھل مراد آباد، ۲۔الشاہ محمد عارف اللہ صاحب قادری میرٹھی، ۳۔قاری احمد حسین صاحب رُہتکی، ۴۔جناب سید محمود شاہ صاحب گجرات، ۵۔جناب سید حمید شاہ صاحب، ۶۔خطیب اہلِ سنت سید حامد علی شاہ صاحب گجرات، ۷۔جناب پیر طریقت حاجی احمد شاہ صاحب، ۸۔قبلہ محترم مفتی وقارالدین صاحب چاٹگام مشرقی پاکستان، ۹۔ جناب سید عبدالغنی شاہ صاحب، ۱۰۔ حافظ سید علی صاحب، ۱۱۔جناب صاحبزادہ سید مسعود الحسن صاحب چورہ شریف، ۱۲۔ حافظ سید غنی صاحب، ۱۳۔جناب زادہ سید ایوب علی شاہ صاحب چورہ شریف، ۱۴۔جناب سید حامد علی صاحب چورہ شریف، ۱۵۔ جناب سید ارشاد حسین صاحب چورہ شریف سبور، ۱۶۔ جناب مفکر اہلسنت قاضی عبدالنبی کوکب صاحب لاہور، ۱۷۔سید محمد شاہ صاحب کڑیانوالہ ضلع گجرات، ۱۸۔سید فضل شاہ صاحب گجرات، ۱۹۔ ماسٹر محمد عارف صاحب گجرات، ۲۰۔شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام علی اکاڑوی صاحب، ۲۱۔ چراغ اہل سنت حضرت قبلہ حافظ محمد بشیر صاحب حافظ آباد، ۲۲۔ حضرت شیخ القرآن حافظ الحدیث سید جلال الدین شاہ صاحب بھکی شریف، ۲۳۔حضرت قبلہ مدرس اعظم مولانا محمد نواز صاحب بھکی شریف، ۲۴۔پیر طریقت پیر محمد اسلم صاحب نعیمی قادری مراڑیاں شریف، ۲۵۔مفتی ء اعظم پاکستان جناب قبلہ مفتی محمد حسین نعیمی صاحب جامعہ نعیمیہ لاہور، اس کے علاوہ تقریباً تین ہزار علماء اکرام آپ کے شاگرد ہیں جن میں سے اکثر دنیا کے مختلف ملکوں میں خدمات دین انجام دے رہے ہیں۔ حضرت حکیم الامت نے برصغیر کے مختلف شہروں میں تقریباً پانچ مدرسے بنائے اور گیارہ مدارس میں درس تدریس کا کام سرانجام دیا۔

حضرت حکیم الامت اور تحریک پاکستان

حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کو قائد اعظم محمد علی جناح صاحب سے بہت محبت تھی آپ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ مسلم لیگ کو پاکستان بلکہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کی اساس اور بنیاد قرار دیتے تھے۔ جب آپ کے استاد اور پیر مرشد نے قائد اعظم کی حمایت میں بنارس کانفرنس منعقد فرمائی تو آپ اپنے استاد کے شانہ بشانہ رہے اور گجرات سے مختلف وفود بنارس بھیجتے رہے جن میں سے ایک وفد سید محمود شاہ صاحب کی سرکردگی میں اور آخری وفد خود لے کر گئے۔ پاکستان کی ووٹنگ کے دن آپ گجرات سے اپنے وطن صرف ایک اپنے ووٹ کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ اپنے وطن اجھیانی پہنچے تو ووٹنگ بند ہونے میں صرف ایک منٹ باقی رہ گیا تھا آپ دوڑتے ہوئے قریبی پولنگ اسٹیشن پہنچے عملاً پولنگ اسٹیشن بند ہو چکا تھا مگر ایک منٹ کا وقت باقی تھا لہٰذا آپ کے ووٹ کے لیے عملے نے اپنا بستہ کھولا مہر نکال کر آپ کا ووٹ ڈلوایا اور پھر سب اٹھ کھڑے ہوئے اور گنتی کے لیے پولنگ اسٹیشن کے دروازے بند کر دیئے گئے اس طرح پورے ملک میں گویا آپ کا ووٹ آخری تھا۔ حسن اتفاق، اجھیانی شہر میں مسلم لیگ گیارہ ہزار گیارہ ووٹوں سے جیتی یعنی گیارھواں ووٹ آپ کا تھا۔

حضرت حکیم الامت کی کشمیر سے محبت

آپ کی قلبی اور دلی خواہش تھی کہ ہندوؤں کے قبضے سے وادیٔ کشمیر مکمل طور پر آزاد ہو اس خواہش میں آپ خود بھی مجاہدین میں شامل ہونے کی تمنا کرتے تھے۔ جب پٹھانوں نے کشمیر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے پٹھانوں کی مہمان نوازی کے علاوہ ایک بندوق

بھی ان سے خریدی غلام حسین یگانوالہ مرحوم نے آپ کے لیے ایک شاندار بندوق پسند فرمائی جس کی رقم آپ نے تقریباً تین سو روپیہ اپنی ذاتی تنخواہ سے ادا فرمائی حالانکہ اس طرح آپ کو گھریلو اخراجات میں کافی دشواری بھی پیش آئی مگر آپ نے پرواہ نہ کی اور آپ انتہائی شوق وذوق سے مجاہدین کے ٹریننگ اور تربیتی اسکول میں داخل ہو گئے آپ کے ہر جلسے اور جلوس میں یہ نظم ضرور پڑھی جاتی تھی۔ اُٹھ شیر مجاہد ہوش میں آ تعمیرِ خلافت پیدا کر اُس کا ایک شعر اس طرح تھا۔

کشمیر میں جنت بکتی ہے وہ جان کے بدلے ستی ہے
اِس جان کا کیا ہے جانی ہے اس جان کی وقعت پیدا کر

یہ نظم مفتی مختار احمد نعیمی اپنی پیاری آواز میں پڑھتے سناتے تھے۔

حضرت حکیم الامت بدایونی علیہ الرحمتہ کے فرقِ باطلہ سے چند مناظرے

حضرت حکیم الامت علیہ لرحمتہ نے اپنی حیات طیبہ میں تقریباً سات مناظرے باطل فرقوں سے کیے اور باطل کو مکمل مدلل شکست عطا فرمائی اور شکست کی تحریر حاصل کی گئی۔

پہلا مناظرہ: آپ کا پہلا مناظرہ پیلی بھیت کے ایک آریہ پنڈت راؤ برھم چاری سے پیلی بھیت میں ہوا اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ پیلی بھیت میں اس پنڈت نے مسلمانوں کو مناظرے کا چیلنج دیا جب کوئی مقابل نہ آیا تو پیلی بھیت کے مسلمان مراد آباد شریف حضرت سید صدرُ الا فاضل نعیم الدین مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حالات کی نزاکت کا احساس دلایا۔ آپ نے مناظرے کیلئے حضرت مفتی احمد یار خان کا انتخاب فرمایا لوگوں نے عرض کیا حضرت معاملہ نازک ہے وہ پنڈت بوڑھا اور تجربہ کار مناظر ہے۔ آپ

اس چھوٹے طالب علم کو نہ بھیجیں بلکہ آپ خود چلیں، حضرت صدرالافاضل خود بہت بڑے ہر میدان کے فاتح مناظر تھے مگر آپ نے فرمایا انشاء اللہ میرا منتخب آپ کو شرمندہ نہ کرے گا۔ خیر آپ مناظرہ گاہ میں جب پہنچے تو بوڑھے پنڈت نے مذاقاً کہا اس بچے کو میرے مقابل ملا کر یہ ثابت کر دیا کہ تم میں نہ کوئی عالم ہے نہ ذی عقل اس چھوٹے سے طالب علم نے کیا کرنا ہے۔ بجز تم لوگوں کو رسوا کرنے کے آپ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ ہمیشہ ابابیل سے فیل مرواتا ہے پھر کچھ اور باتیں ہوئیں بہرکیف مناظرہ ہوا تو بحمدہ تعالیٰ ایک گھنٹے کے اندر اندر پنڈت مناظر شکست تسلیم کر گیا اور لاجواب ہو کر فرار ہونے لگا۔ مسلمانوں نے پکڑ لیا کہ حسب وعدہ شکست مانو اور تحریر دو۔ اس سے شکست کی تحریر لی گئی جو آج تک مراد آباد میں محفوظ ہے اس جیت سے تقریباً ۱۳ کافر مسلمان ہوئے اور مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی جلسے ہوئے مراد آباد تک جلوس نکالے گئے۔ رسالوں اخباروں میں خبریں چھپیں، یہاں تک کہ دیوبندی حضرات نے مشہور کرنا شروع کر دیا کہ یہ ہمارے مدرسے کا طالب علم ہے۔

دوسرا مناظرہ : امرت سر میں ایک غیر مقلد مولوی ثناء اللہ امرت سری سے ہوا۔ اس مناظرے کے صدر شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی تھے۔ اس میں مد مناظر غیر مقلد کو شکست فاش ہوئی، جس کی تحریر لے لی گئی۔

تیسرا مناظرہ : ایک مرزائی خادم چیمہ وکیل سے ہوا اس مناظرے کو دیکھ کر بہت سے مسلمان جوش عقیدت میں آ کر آپ سے بیعت ہو گئے، اس سے شکست کی تحریر لے لی گئی، جو غالباً لالہ فضل پکا نوالہ کے پاس تھی۔ اس مناظرے سے مسلمانوں کے سر بلند اور چہرے سرخ ہوئے۔ تاریخ گجرات میں یہ مسلمانوں کی عظیم فتح تھی۔

چوتھا مناظرہ : صوفی عبدالرحمٰن صاحب دیوبندی مناظر سے ہوا ان کو بھی شکست ہوئی اور انہوں نے دیوبندیت سے توبہ کر کے تحریری طور پر سنی عقیدہ اختیار کر لیا اور تقریباً

تین سال تک اس پر قائم رہے پھر منحرف ہو گئے مگر شرمندگی سے تاعمر سر نہ اٹھا سکے۔

پانچواں مناظرہ : ان ہی صوفی صاحب کے مشہور شاگرد عنایت اللہ شاہ بخاری دیوبندی خطیب کالری دروازہ گجرات سے لالہ فضل پگانوالہ کے مکان پر صبح سے شام تک ہوا۔اس میں بھی دیوبندی مناظر عنایت اللہ صاحب کو زبردست شکست ہوئی اور انہوں نے تحریراً دیوبندی عقائد کو غلط اور اہل سنت بریلوی عقائد کو حق تسلیم کرتے ہوئے اپنے سنی ہونے دیوبندیت سے تائب ہونے کا اقرار کیا،سنیوں کی یہ فتح عظیم تھی۔اس کی تحریر کا اشتہار بعنوان مناظرہ ''جھگڑے کا خاتمہ'' شائع کیا گیا اور شاہ صاحب کو ایک سنی عالم و خطیب کا لقب دیا گیا تقریباً پندرہ سال تک شاہ صاحب سنی بریلوی عقیدے پر قائم رہے پھر کسی کے ورغلانے سے منحرف ہو گئے اور کہتے پھرے کہ میں اس وقت کم علم تھا اس لیے شکست کھا گیا۔

چھٹا مناظرہ : دیوبندی عالم مولوی غلام خان صاحب سے ضلع چکوال کے کسی علاقہ میں ہوا۔ساتواں مناظرہ ایک شیعہ مناظر سے سیالکوٹ میں ہوا بحمدہ تعالیٰ تمام مناظروں میں اہل سنت کو فتح عظیم حاصل ہوئی آپ کے مناظروں کی خصوصی شان یہ رہی کہ مخالف مناظر شکست دے کر اس سے شکست کی تحریر لے لی گئی۔اس زمانے میں ٹیپ ریکارڈ نہیں تھی ورنہ ریکارڈ کرنا تحریر لینے سے زیادہ آسان ہے اور یقینی مفید۔

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی شاعری

حضرت علیہ الرحمتہ شاعری میں بھی اپنے مرشد محترم سید صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد تھے۔آپ نے باوجود سند یافتہ ہونے کے بہت کم اس طرف

توجہ دی اور آپ کا مکمل مجموعہ کلام صرف دیوان سالک کی شکل میں مطبوعہ ہے آپ کا ایک مجموعہ کلام ہندوستان میں ضائع ہو چکا ہے۔ آپ کے شعری اور نظمیہ کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ نے مقصد کلام و نظمیات کو اصلاح المسلمین اور نصیحت اور دعوت عمل کا پہلو اختیار فرمایا مثلاً ایک شعر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ان کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا رہے ان سے پھرے جہاں پھرا آئی کمی وقار میں

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اپنے مختصر کلام میں بڑے بڑے اختلافی مسئلے حل فرما دیئے مثلاً ایک نظم میں امام عالی مقام سید الشہداء امام حسین کی شانِ اقدس بیان فرماتے ہیں۔

استقامت پہ فدا میں تیری اے دست حسین

نہ گیا ہاتھ میں بے دین کی بیعت کے لیے

کھل گیا اس سے اگر حق پہ نہ ہوتے اصحاب

دستِ حسنین نہ بڑھتا کبھی بیعت کے لیے

یعنی اگر صحابہ کرام معاذ اللہ بقول شیعہ کسی غلطی پر ہوتے تو وہ امام جو سر کٹا دیں یزید پلید کی بیعت نہ کریں۔ انہوں نے صحابہ کی بیعت کیوں کر لی اور ایک جگہ غیر مقلدین کو جواب دیتے ہوئے۔ امام اعظم کے قصیدے میں فرماتے ہیں۔

جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین ہوتے سارے مشرک

بخاری و مسلم ابن ماجہ، امام اعظم ابو حنیفہ

یعنی غیر مقلدین کہتے ہیں کہ تقلید کرنا کسی مجتہد اربعہ کی شرک ہے۔ آپ اس کا عظیم و مدلل جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تقلید شرک ہوتی تو تمام محدثین مشرک ہوتے کیونکہ ہر محدث ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی مجتہد امام کا مقلد ہے اور مشرک سے روایت بھی غیر معتبر ہو جاتی ہیں حالانکہ تمام غیر مقلدین ان ہی محدثین کی کتابیں پڑھتے پڑھاتے ہیں ان پر ایمان لاتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ تقلید شرک نہیں۔ شرک کہنے والے نادان اور کم عقل ہیں۔ اس طرح اور بھی بہت سی مثالیں ہیں غرضیکہ آپ کے ہر ہر شعر میں کوئی نہ کوئی علم و عمل نصیحت و تذکرہ کا پہلو نکلتا ہے۔

حضرت حکیم الامت علیہ الرحمتہ کے تصنیفی شاہکار

ویسے تو آپ کی تمام تصنیفات ہی نہایت مظبوط و مدلّل ہے لیکن بعض تصنیفات نے متبحر علماء ہم زمانہ کو بھی حیرت بدنداں کر دیا ہے جن میں پہلی تصنیف آپ کی تفسیر نعیمی ہے۔ اس میں ہر آیت کے تحت آپ نے حضور غوث پاک کی عقیدت میں گیارہ چیزیں درج کی ہیں۔
۱۔ عربی آیت پاک، ۲۔ لفظی اپنا ترجمہ، ۳۔ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی کا ترجمہ، ۴۔ تعلقاتِ آیٰت، ۵۔ نزول وشانِ نزول، ۶۔ تفسیر نحوی، ۷۔ تفسیر عالمانہ، ۸۔ فوائد آیٰت، ۹۔ آیت سے فقہی مسائل، ۱۰۔ اعتراضات جوابات، ۱۱۔ تفسیر صوفیانہ۔ اس تفسیر کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس کے پارے کو آقاءِ کائنات ﷺ نے پسند فرمایا۔ دوسرا عظیم شرف یہ بھی حاصل ہے کہ اس میں بعض الفاظِ مقدسات خود آقا ﷺ نے ارشاد فرمائے کہ یہ لکھ دو۔ بعض دفعہ خواب میں بعض دفعہ مراقبے میں۔

آپ کی دوسری تصنیف جاء الحق ہے جس کو قبلہ پیر جماعت علی شاہ صاحب، محدث علی پوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرفِ اسم سے نوازا اور فرمایا کہ آپ کی یہ تصنیف تا قیامت باقی رہے گی۔ اس کا کوئی جواب نہ لکھ سکے گا اگر کوئی قلم اٹھائیگا تو باطل ہی ہوگا۔

آپ کی تیسری تصنیف علم القرآن ہے جس کے متعلق ابوالحقائق شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی نے فرمایا کہ یہ حضرت کی تصنیف نہیں بلکہ آپ کی کرامت ہے۔

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان قادری نعیمی بدایونی کا شجرۂ نسب

حکیم الامت کے دو فرزند اور پانچ صاحبزادیاں ہوئیں۔ تیسری صاحبزادی بچپن میں ہی فوت ہوگئی اس لئے خاندان میں چار مشہور و صاحب اولاد ہوئیں۔ بڑے فرزند کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی چھوٹے فرزند کے دو بیٹے ہوئے۔ ۱۔ محمد عبدالقادر، ۲۔ محمد عبدالرزاق، محمد

عبدالقادر کے دو بیٹے ہیں شہریار[1] خان مسعود الحسن خان اور محمد عبدالرزاق کے دو بیٹے حیدر علی خان[1]، طیب[2] علی خان سلسلہ نسب بڑے فرزند سے اس طرح ہے۔

محمد شہریار[1] خان ابن محمد عبدالقادر[2] ابن اقتدار[3] احمد خان ابن حضرت[4] حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ابن مولانا محمد[5] یار خان ابن مولانا منور[6] خان ابن کالے[7] خان عرف منظور[8] علی ابن بشارت[9] علی خان ابن نجابت[10] علی خان ابن امام[11] علی خان ابن احمد[12] علی خان ابن محمود[13] علی خان ابن قاسم[14] علی خان ابن اشرف[15] علی خان ابن عترت[16] علی خان ابن عمدہ[17] علی خان ابن باز[18] خان ابن یوسف[19] خان ابن موسیٰ[20] خان ابن مراد[21] علی خان ابن غیرت[22] خان غزنی ابن (یہ ہیں یوسف زئی پٹھان قبیلے کے جد اعلیٰ) ابن مندے[23] خان ابن سیخے[24] ابن قندار[25] ابن خرشبون[26] یعنی خیرالدین ابن سراین[27] ابن قیس عبدالرشید[28] متوفی ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۱ء ابن عبداللہ[29] ابن عبدالعزیز[30] ابن عبدالرحمن[31] ابن عدین[32] ابن خالد[33] ابن قیس[34] قطان[35] ابن عیص[36] ابن سلول[37] ابن عتبہ ابن نعیم[38] ابن مارع[39] ابن ابوجندر[40] ابن سکندر[41] ذوالقرنین ابن رجمان[42] ابن ایمن[43] ابن مالول[44] ابن شلم[45] ابن صلاح[46] ابن قارو[47] ابن عظیم[48] ابن فہلول[49] ابن کرم[50] ابن محال[51] ابن حذیفہ[52] ابن منہاس[53] ابن عیص[54] (قیس) ابن غلیم[55] (غالم) ابن شموئیل[56] ابن ہارون[57] ابن قمرو[58] ابن لاہی[59] ابن صلیب[60] ابن طلال[61] (طال) ابن لوئی[62] ابن عامیل[63] ابن تارج[64] ابن ارشند[65] ابن ابومندول[66] ابن سالم[67] ابن افغانہ[68] ابن جاہ[69] ابن ارمیاہ (یرمیاہ)[70] ابن ساول[71] ابن قیس[72] ابن مہالل[73] ابن عالم[74] (اغضوع) ابن سروع[75] ابن بینامین[76] (میواہ) ابن یعقوب[77] علیہ السلام ابن اسحاق[78] علیہ السلام ابن ابراہیم[79] خلیل اللہ علیہ السلام ابن تارخ[80] ابن ناخور[81] ابن سروج[82] ابن راعو[83] ابن فالخ[84] ابن عابر[85] ابن ھود[86] علیہ السلام ابن عابر[87] ابن شالخ[88] ابن ابواز[89] ابن فخشاد[90] ابن ابوسام[91] ابن نوح[92] علیہ السلام۔

یوسف زئی پٹھان قبیلے کا یہ نسب نامہ ہم نے چھ جگہ سے جمع کیا ہے ا۔خود حضرت حکیم الامت علیہ الرحمتہ کا مرتبہ قلمی مکتوبہ بر حاشیہ مدارج النبوت جلد اول، ۲۔ تاریخ افغاناں، ۳۔ تاریخ

خورشید جہاں، ۴۔ جامع الخیر، ۵۔ قصص القرآن، ۶۔ تاریخ وادی کچھوچھ صفحہ ۱۰۵۔

حضرت قبلہ کے معمولات

آپ کی ساری زندگی پابندی وقت اور مستقل مزاجی میں مشہور ہے۔ وقت کی قدر کا آپ سب کو حکم فرمایا کرتے تھے۔ آپ خود بھی جس کام کو شروع فرماتے تو وہ اگرچہ تھوڑا ہوتا مگر مسلسل اور وقتِ معینہ پر ہوتا اس کو لوگ آپ کی کرامت کہا کرتے تھے۔ آپ نماز باجماعت کے عاشق تھے چالیس پچاس سال تک مسلسل آپ کو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی آپ کی تکبیر اولیٰ بھی ترک ہوتے نہ دیکھی آپ نے امام صاحب کو حکم دے رکھا تھا کہ کسی کی وجہ سے بھی آدھے منٹ کی تاخیر بھی نہ کی جائے اگرچہ میں خود ہی کیوں نہ ہوں تا کہ مجھ کو نماز کی فکر رہے۔ آپ بعد نماز فجر قرآن مجید اور حدیث پاک کا درس فرمایا کرتے تھے آدھا گھنٹہ قرآن مجید کا اور پندرہ منٹ حدیث پاک کا۔ اس میں کبھی بھی زیادتی یا کمی نہ ہوتی درس قرآن و حدیث عجیب روح پر در محفل ہوتی تھی۔ دس دس میل بلکہ دور دور شہروں سے لوگ یہ درس سننے کیلئے آتے تھے۔ اس کی وسعت علمی کا یہ حال تھا کہ چالیس سال میں ایک قرآن مجید ختم ہوا۔ دوسری مرتبہ شروع ہوا تو گیارھویں سپارے تک پہنچے تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد اشراق کے چھ نفل پڑھتے پھر ناشتہ فرماتے پھر طلبا کو پڑھاتے پھر دو گھنٹہ تصنیف فرماتے پھر دوپہر کا کھانا تناول فرماتے پھر ایک گھنٹہ قیلولہ فرماتے پھر نماز ظہر پھر روزانہ ایک پارہ تلاوت فرماتے پھر تحریر و تصنیف و جوابِ فتاویٰ و خطوطِ احباب میں مشغول ہوتے پھر نماز عصر اور بعد نماز عصر تین میل سیر کی چہل قدمی فرماتے ایک بزرگ کے مزار تک جاتے ہوئے درود تاج شریف اور آتے ہوئے دلائل خیرات شریف پڑھتے ہوئے عین اذان مغرب کے وقت مسجد میں سیدھا قدم رکھتے۔ اس طرح آپ نے تمام عمر یہ ڈیوٹی ادا فرمائی۔ بعد نماز مغرب کھانا تناول فرماتے۔ کتب طلبا مطالعہ فرماتے پھر نماز عشاء مسجد میں اور بعد کے سنت و نوافل گھر میں ادا فرماتے پھر طلبا سے فقہی مسائل پر گیارہ منٹ گفتگو فرماتے پھر آرام فرماتے پھر رات کو دو بجے تہجد پھر اس وقت نوافل کے بعد وتر ادا فرماتے پھر کچھ وظائف پھر ایک گھنٹہ آرام فرماتے پھر نماز فجر کی سنتیں گھر پر ادا فرماتے اور

کچھ وظائف، پھر مسجد جا کر فجر باجماعت اپنے دونوں بیٹوں کو ہر نماز باجماعت کے لیے مسجد میں ساتھ لے کر جاتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ ہر نماز کے وقت مسلمانوں کے گھروں میں عید کی طرح چہل پہل رونق روشنی اور تیاری نماز تلاوت کی آوازیں ہر کمرے سے نکلنی چاہیے۔ جس گھر میں یہ رونق نہ ہو تو وہ گھر مثلِ قبرستان ہے۔ شادی بیاہ اور عید اور میلہ تماشہ، تیوہار کی رونقیں تو کفار بھی کر لیتے ہیں مومن کا تو سب عید میلہ، رونق خوشیاں نماز ہی ہے۔ یہ فرق ہے مومن اور کافر کی رونق میں۔ آپ عشا اور فجر میں چاہتے تھے کہ ہر گھر میں ہر کمرے میں روشنی اور وضو کی تیاری وغیرہ کی چہل پہل ہو۔ اذان سننے کا بہت اہتمام فرماتے جس وقت اذان ہوتی تو سب گھر میں سناٹا چھا جاتا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک سیرت را۔

اب کہاں وہ رونقیں وہ باتیں ترستی ہیں نگاہیں ایسی ہستی کے نظارے کو

کتھے چھپ گیا علم دا او خزانہ محدث مفسر فقیہ زمانہ

نبی پاک دا خاص عاشق دیوانہ فخر اہل سنت دا عالم یگانہ

(اصغر علی اصغر، فیصل آباد)

اے کمالِ عظمتِ اہلِ نظر کی یادگار
تیرے غم میں دامنِ موجِ صبا ہے تار تار
ہر ادا تھی عزت اسلاف کی آئینہ دار
تیرے خال و خد سے تھی شانِ کرامت آشکار
تھی حدیثِ پاک کی رمز آشنا تیری زبان
سینۂ اطہر تیرا گنجینۂ اسرار تھا
گلِ بداماں پھر رہے ہیں عالمِ ارشاد میں
نور چشم حضرت کے مختار و جناب اقتدار

(از مولانا مرتضیٰ صابر نوشاہی)

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی چند کرامات

ا۔ حافظ فضل حسین صاحب استاد ٹیچر، اوٹی، مقام منڈی بھٹیاں تحصیل کھاریاں ضلع گجرات کا بیان ہے کہ قیام پاکستان سے بہت پہلے متحدہ ہندوستان یعنی ۱۹۴۴ء کا زمانہ تھا جب بندہ قرآن مجید حفظ کر چکا تھا تو گجرات شہر میں ایک عالم دین کا علمی شہرہ سنا تو میرے دل میں زیارت وتلمذ کی کشش پیدا ہوئی اور ارادہ کیا کہ اس عاشق رسول مفسر قرآن تبحر عالم حق سے مستفید ہوں اور دریاء علم سے مستفیض ہو جاؤں اور دینی علم حاصل کیا جائے۔ جس مدرسے میں آپ کا قیام اور سلسلۂ تدریس جاری تھا اس کا نام مدرسہ شاہ ولایت تھا۔ ایک انجمن کے تحت تھا اس کی نسبت سے اس کا نام انجمن خدام الصوفیہ اور مسجد حاجی پیر بخش تھا۔ جب میں گجرات پہنچا تو حضرت قبلہ مدِ ظلّہ العالی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ مجھ کو آپ کی تین خصائل حمیدہ نے سخت حیران اور متاثر کیا۔ پہلی آپ کی انتہائی سادگی خیال تھا کہ شاید آپ بہت ٹھاٹھ باٹھ جبہ ودستار میں زرق برق ہوں گے اور عام خطبا کی طرح شان و شوکت دبدبے والے نزاکت پسند ہوں گے مگر دیکھا اس کے برخلاف ایک معمولی چٹائی پر بیٹھے ہوئے جب کہ مدارس میں معمولی اساتذہ بھی سجادوں قالین پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ دوئم آپ کا تقویٰ طہارت پابندیٔ وقت نمازوں کی پابندی جماعت کا عشق سوم آپ کی معاملہ فہمی دیانت داری اور معاملات ولین دین کا کھرا ہونا۔ فی زمانہ یہ بھی کرامات میں شمار ہیں، میری تعلیمی ابتدا تین کتب سے شروع ہوئی ا۔ آمدن نامہ، ۲۔ فارسی کی پہلی کتاب، ۳۔ حکایاتِ لطیف کہ یہی درس نظامی کا ابتدائی کورس (نصاب) ہے اس وقت بڑے طلبا میں ایک حافظ سید علی صاحب قبلہ تھے جو ہم چند چھوٹے ابتدائی طلبا کو پڑھاتے۔ اس طریقے سے حضرت دورانِ تلمیذ ہی تلامذہ کو مدرس بھی بناتے جاتے۔ ہر جمعرات کو ہفتہ وار امتحان حضرت علیہ

الرحمتہ خود لیا کرتے تھے۔ امتحان سخت ہوا کرتا تھا۔ طلبا سے سخت محنت کرائی جاتی تھی۔ بلا امتیاز سب طلبا پر تعلیمی پابندی اور سختی جاری ہوتی تھی۔ غلطی سستی کی سزا میں بھی کسی شاگرد سے کوئی رعایت نہ برتی جاتی۔ اس وقت کے طلبا میں، چورے شریف کے چار صاحبزادگان اور خطیب جامعہ حاجی پیر بخش سید ولایت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کے صاحبزادے سید محمود علی شاہ، حمید علی شاہ، حامد علی شاہ، احمد علی شاہ صاحبان، عبدالغنی شاہ حافظ سید علی، اس وقت کی بڑی کلاس میں جو حضرات زیر تعلیم تھے ان میں چند طلباء بہترین اور علماء ربانین شمار ہوئے وہ یہ تھے۔ ۱۔ حضرت مولانا حافظ سید علی مدرس، ۲۔ حاجی احمد شاہ مدرس، ۳۔ صاحب زادہ مسعود الحسن مدرس و مناظر، ۴۔ قاضی عبدالنبی کوکب مصنف، ۵۔ پیر محمد اسلم آف مراڑیاں۔ واعظِ اسلام، ۶۔ مولانا نذیر حسین صاحب نور پور گجرات، ۷۔ سید محمود شاہ صاحب خطیب پاکستان، ۸۔ سید حامد علی شاہ صاحب خطیب اہل سنت۔ ان سب میں کم عمر طالب علم قاضی عبدالنبی کوکب تھے۔ ان کے والد محترم قاضی عبدالحکیم صاحب خود ہر روز اپنے بیٹے عبدالنبی صاحب کو مدرسے پہنچاتے اور لینے آتے کبھی طلبا کے ساتھ بیٹھ کر تمام وقت اسباق کی سماعت بھی فرماتے کبھی واپس چلے جاتے البتہ صوفی محمد اسلم صاحب کے والدِ محترم حضرت مولانا نیک عالم صاحب علیہ الرحمتہ اپنے صاجبزادے محمد اسلم صاحب کو ساتھ لے کر آتے اور ساتھ بیٹھ کر ہر روز سماعت فرماتے اور اپنے صاحبزادہ کو ساتھ لے جاتے۔ حضرت قبلہ نہایت سفید شفاف لباس اور عمامہ سفید یا عنابی رنگ کا پہنا کرتے باوضو اور خوشبو لگا کر پڑھایا کرتے۔ مسواک کی بہت پابندی فرماتے۔ ہر وضو کے ساتھ ایک منٹ مسواک فرماتے ہمیشہ مدینہ منورہ کی مسواک استعمال فرماتے جو ایک بالشت لمبی اور انگوٹھے برابر موٹی ہوتی۔ آپ کے دانتوں کی چمک سے سامنے کی اشیاء کا عکس سا نظر آتا تھا۔ دیگر اوقات میں آپ کپڑے کی ٹوپی پہنا کرتے۔ اوقات مدرسے کے ابتدائی وقت میں پیر سید

ولایت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ خود مشکوٰۃ شریف کا سبق پڑھا کرتے غالباً جلالین شریف بھی ہوتی تھی۔ حضرت حکیم الامت اوقاتِ مدرسہ کی پابندی اور اسباق کا بہت خیال فرماتے۔ نہ خود تعطیل کرتے نہ کرنے دیتے بجز قانونی چھٹیوں کے بہت ہی کم ناغہ فرماتے۔ تقسیم تعلیم تین وقتوں میں منقسم تھی۔ ا۔ بعد نماز اشراق ایک بجے تک نئے اسباق پچھلا سن کر، ۲۔ بعد نماز ظہر تا اذان عصر تکرار اسباق تمام طلبا کی حاضری ضروری اور آپ خود وظائف وتلاوت میں مصروف رہتے، ۳۔ بعد نماز مغرب تا اذانِ عشا پھر بعد عشاء ایک گھنٹہ مطالعۂ کتب اسباق کے وقت تمام طلبا کے پاس تشریف فرما رہتے ور خود بھی سرسری مطالعہ فرماتے اگرچہ چھوٹی کتب ہوتیں آپ فرمایا کرتے کہ اساتذہ پر مطالعہ لازم ہے اگرچہ کتاب پڑھا پڑھا کر حفظ ہو چکی ہو کہ اس میں خیر و برکت اور شرح قلبی ہے۔ باجماعت نماز کی حاضری ہر طالب علم پر لازمی تھی ترک جماعت پر سزا دی جاتی، تیس تیس سال کے ساتھی کہتے تھے کہ ہم نے حضرت قبلہ کی کبھی تکبیر اولیٰ (تحریمہ) باجماعت کا ترک بھی نہ دیکھا۔ آپ معاملات کے بڑے کھرے تھے تاعمر کسی سے ادھار یا قرض نہ لیا۔ اگر کبھی کسی طالب علم سے سودا منگواتے اور وہ کچھ زیادہ پیسے خرچ کر آتا تو فوراً اپنے بٹوے سے نکال کر اس کو پیسے ادا کر دیتے اگرچہ وہ طالب علم لینے سے انکار کرتا، مدرسے کے چندے کو کبھی ہاتھ نہ لگاتے نہ وصول کرتے اگر کوئی دینے والا آتا تو کمیٹی والوں کے پاس بھیج دیتے۔ آپ کے اوصاف حمیدہ بے شمار ہیں۔ جس میں سادگی کرامت کا نمونہ تھا نمود و نمائش تکبر و غرور کا نام نشان نہ تھا۔ کبھی کسی کی غیبت آپ کے منہ سے نہ سنی گئی۔ آپ میں صبر و تحمل اور خودداری بے مثل تھی۔ آپ اگرچہ اپنے اوقات کار کی تنخواہ لیا کرتے تھے مگر کبھی کسی انجمن نے آپ کو ملازم نہیں سمجھا بلکہ احسان مند رہتے تھے اور اس عقیدت سے آپ کا تقرر ہوتا تھا کہ گویا آپ کا احسان ہے جو آپ نے ہمارے مدرسے اور خطابت کو منظور فرما لیا۔ آپ جتنا عرصہ مدرسہ حاجی پیر بخش سے منسلک

رہے صدر مدرس کی حیثیت سے رہے اس کے علاوہ شیخ التفسیر کا شعبہ آپ کے پاس ہی رہتا تھا۔ آپ ہمیشہ دو شعبے اپنی مرضی اور بلا تنخواہ خود انجام دیتے ایک دارالافتا اور دوسرا روزانہ درس القرآن و حدیث بعد نماز فجر آپ تقریباً بیس سال مدرسہ پیر بخش میں رہے۔ آپ گھر میں بیٹھ کر تصنیفات فرماتے تھے تاکہ مدرسے کے اوقات میں خلل اندازی نہ ہو یہ بھی آپ کی امانت اور دیانت کا ایک حصہ ہے اس کے باوجود جب انجمن کے چند شرپسندوں نے حقوق تصنیف کا مطالبہ کیا تو آپ نے بیک دم انجمن سے علیحدگی اختیار فرمالی اور اپنے گھر میں تدریس کا کام شروع فرمادیا پھر ایک علیحدہ اہالیان شہر کے تعاون سے انجمن خدام الرسول کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا انچارج جنرل سیکریٹری آپ کے ایک مرید حکیم صاحب کو بنایا گیا۔ آپ نے اس وقت واضح فرمایا کہ صرف خطبۂ جمعہ میں آپ کی تنخواہ پر دیا کروں باقی تمام کام یعنی روزانہ صبح کا درس قرآن حکیم اور تصنیفات وغیرہ میرے اپنے منشا اور اختیار اور مرضی کے ہوں گے ان کا انجمن سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ نمعلوم سیکریٹری انجمن کو کیا سمائی کہ ایک مرتبہ آپ ملتان علامہ کاظمی صاحب کے جلسے میں تشریف لے گئے اور آپ نے حسب معمول اعلان فرمادیا کہ دو روز درس بند رہے گا۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو سیکریٹری حکیم صاحب نے ایک نیا رجسٹر تیار کر کے کہا کہ آپ اس پر حاضری لگا دیں اور آئندہ رخصت لے کر آپ کہیں جایا کریں۔ یہ گستاخانہ طرز حضرت کی خودداری پر ضرب اور چیلنج تھا۔ معاہدہ شکنی بھی۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تم دنیادار لوگ اب ہم کو اپنا ملازم سمجھنے لگے ہو۔ ارے ہم تو اپنے آقا حضور رحمۃ للعالمین کے غلام اور سرکار بغداد شہنشاہ تمام ولایت غوث پاک کے ملازم ہیں تم دنیاداروں کو ہم کیا سمجھتے ہیں یہ کہہ کر رجسٹر پر کراس لگا دیا یا پھاڑ دیا اور فرمایا تم اپنا کوئی اور انتظام کرلو اور فرمایا کیا تم کو یاد نہیں کہ میں نے ابتدا میں ہی تم کو آگاہ کر دیا تھا کہ یہ درس میری اپنی طرف سے ہے اس کا ڈیوٹی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس پر

حکیم صاحب نے معافی مانگی لیکن حضرت علیہ الرحمتہ کا دل ان لوگوں سے اچاٹ ہو گیا اور علیحدگی اختیار کر لی پھر آپ نے درس اپنی بیٹھک میں شروع کر دیا اور تا وصال وہیں درس دیا جہاں آج آپ کا مزار ہے۔ آپ کی سادگی منکسر المزاجی اس حد تک تھی کہ آپ ساری عمر اپنے تصنیفی کاغذات قلم دان وغیرہ بھی ایک معمولی تنکوں کی چھوٹی ٹوکری میں رکھتے تھے۔ معمولی چٹائی پر بیٹھتے رہے۔ تو بہت بعد آخری آیام میں مفتی مختار احمد نعیمی آپ کے صاحبزادہ صاحب مرحوم نے آپ کے لیے کرسی گدی والی اور ایک سامنے رکھنے والی میز بنوا دی تھی وہ بھی جبراً تب آپ نے اس کو قبول فرما لیا تھا ورنہ آپ فرمایا کرتے تھے فقیر کو ان تکلفات کی ضرورت کیا ہے یہ بھی آپ کی ظاہری کرامت۔

۲۔ آپ کے ایک دیرینہ دوست حکیم سردار علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے ایک شرارتی پڑوسی نے میری جھوٹی شکایت پولیس تھانے میں کر دی تھانے دار نے مجھے طلب کیا میں بہت ڈرا اور فوراً حضرت قبلہ علیہ الرحمتہ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ مجھے پولیس نے بلایا ہے پتہ نہیں وہ مجھ سے کیا سلوک کرے آپ دعا فرمائیں۔ یہ بعد نماز ظہر کا وقت تھا موسم نیم سردیوں کا تھا دھوپ نکلی ہوئی تھی آپ تلاوت فرما رہے تھے تلاوت بند کر کے مجھ سے مسکرا کر فرمایا حکیم صاحب میری یہ چھتری ہمراہ لے جاؤ اور جاؤ حاضری دے آؤ۔ میں نے عرض کیا سرکار نہ تو گرم دھوپ ہے نہ بارش ہے تو پھر چھتری کیوں لیجاؤں! فرمایا لے جاؤ۔ میں حسب الحکم ایسے ہی بند چھتری لے گیا۔ جب میں تھانے دار صاحب کے پاس حاضر ہوا تو تھانیدار مجھ کو اُٹھ کر ملا اور کرسی پیش کر دی پھر پوچھا کہ بابا جی کیوں آئے ہو۔ میں نے کہا میرا نام حکیم سردار علی ہے وہ کہنے لگا کہ میں نے تم کو نہیں بلایا میں نے کہا میرا نام حکیم سردار علی ہے۔ وہ کہنے لگا اچھا ہاں آپ کے پڑوسی فلاں نے آپ کی شکایت کہ ہے مگر اب ہم آپ سے کچھ پوچھ گچھ نہ کریں گے آپ جاؤ میں نے خدا تعالیٰ کا

شکر کیا اور واپس چل پڑا تو پھر مجھ کو بلایا اور کہا کہ بیٹھو ہم تم کو چائے پلاتے ہیں اور فوراً سپاہی کو پیسے دے کر چائے لانے بھیج دیا میں نے بہت منع کیا مگر وہ نہ مانا اور چائے پلائی بسکٹ کھلائے پھر اٹھ کر وداع کیا میں بہت حیران ہوا کہ پولیس کا تھانیدار نہ جان پہچان نہ واقفیت مگر اس طرح احترام سے ملنا عجیب بات ہے جب کہ میں بحیثیت شکایت کے بلایا گیا ہوں، خیر میں واپس سیدھا حضرت قبلہ کہ خدمت میں حاضر ہوا چھتری واپس کی سب واقعہ سنایا تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ چھتری کا بوجھ تو نہ لگا تب میں اصل راز سمجھا کہ یہ سب میری عزت افزائی حضرت کی چھتری کی کرامت تھی آپ نے فرمایا دو نفل شکرانے کے پڑھو رب تعالیٰ نے لاج اور عزت رکھ لی اور بڑی مصیبت ٹل گئی۔

۳۔ ان ہی حکیم سردار علی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت کئی دفعہ مجھ سے فرمایا کرتے کہ آؤ چلو سیر کرنے چلیں دربار شریف پر حاضری بھی ہوگی فاتحہ بھی یعنی سچی سرکار سائیں کرم الٰہی سرکار کے مزار پر۔ مگر میں کہہ دیا کرتا کہ زردہ کھلاؤ تب جاؤں گا۔ آپ خاموش ہو کر خود اکیلے ہی چلے جاتے یہ آپ کا معمول تھا کہ آپ روزانہ بعد نماز عصر سیر کے لیے وہاں دربار شریف تک جاتے ایک دن پھر فرمایا تو میں چلدیا مگر راستہ بھر میں پہلی رٹ لگائے رہا کہ آج میں نے آپ سے وہاں زردہ کھانا ہے میری اس طفلانہ بات پر آپ مسکراتے رہے اور حسبِ عادت اپنا کوئی وظیفہ بھی پڑھتے رہے۔ جب وہاں پہنچے تو فاتحہ خوانی کی اور مطابق دستور واپسی ہوئی لیکن واپسی پر ذرا آہستہ چلتے رہے (حالانکہ آپ اکثر اتنا تیز چلتے تھے کہ جوان آدمی بھی دوڑ کر آپ کے ساتھ ملتا تھا)۔ جب ہم دونوں کچھ دور نکل آئے تو پیچھے سے ایک شخص نے آواز لگائی حضرت صاحب، حضرت صاحب ہم ٹھیر گئے حضرت نے اس وقت بھی مجھ کو مسکرا کر دیکھا مگر میں کچھ نہ سمجھا۔ وہ شخص پاس آیا اور عرض کی کیا حضرت آپ کو دیر تو رہی ہے مگر تھوڑا وقت دیں واپس میرے گھر تشریف لائیں میں نے فاتحہ ایصال ثواب

دلوائی ہے۔ ہم واپس ہوئے تو بہترین زردہ اور پلاؤ رکھا تھا جس پر اس نے فاتحہ دلوائی حضرت قبلہ نے فاتحہ دی اور فرمایا کہ لو حکیم صاحب تم نے صرف زردہ مانگا تھا ہماری تجی سرکار نے تم کو پلاؤ بھی دے دیا صاحب خانہ کہنے لگا کہ حضور یہ سب پلاؤ زردہ آپ ساتھ لے جائیں مع برتنوں کے حضرت نے مجھ سے فرمایا حکیم صاحب تم لے جاؤ میں نے دونوں پلیٹیں خوشی خوشی اٹھا لیں۔

۴۔ سید نظام علی شاہ صاحب جو آپ کے معزز شاگردوں میں ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت قبلہ کے ساتھ تجی سرکار کے مزار پر سیر کرتے ہوئے جا رہا تھا راستے میں ایک شیعہ رافضی کا مکان تھا وہ در پردہ حضرت کا سخت دشمن تھا اس کو حضرت قبلہ کا روز گزرنا ناگوار لگتا ہوگا۔ اس نے چند خونخوار کتے پالے ہوئے تھے ایک دن اسے کیا سوجھی کہ اس نے دو سخت خونخوار کتے کھلے چھوڑے جب ہم اس کی پگڈنڈی پر چلے تو اس نے اشارہ کیا یا کہ خود دونوں کتے تیزی سے بھاگتے ہوئے ہماری طرف دوڑے اور وہ اپنے گیٹ میں کھڑا ہو ا دیکھ رہا ہے اس نے کتوں کو آواز نہ دی میں اپنے لیے بھی اور قبلہ صاحب کے لیے سخت گھبرایا اور عرض کی یا حضرت اب کیا بنے گا آپ نے فرمایا خاموشی سے بڑھتے رہو۔ جب کتے تقریباً پانچ گز کے فاصلے پر رہ گئے تو اچانک کربناک آواز سے چیختے ہوئے ایک دائیں طرف دوڑ گیا اور ایک بائیں طرف جیسے کہ کسی نے سخت ترین اذیت ناک ضرب لگائی ہو دوسرے دن سنا کہ وہ دونوں کتے اسی تکلیف سے مر گئے تھے۔ میں نے حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات تھی آپ نے فرمایا کہ ہمارے بچانے والے بھی ہمارے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔

۵۔ آپ کے ایک مرید خاص ڈاکٹر انصاری صاحب آج کل کراچی میں مقیم ہیں جب پہلی دفعہ ڈھاکہ سے گجرات پاکستان زیارت کے لیے حضرت مرشد کے پاس حاضر ہوئے تو

حضرت علیہ الرحمتہ اپنی درس گاہ میں مصروف تصنیف تھے اور برلب سڑک دروازہ کھلا تھا ڈاکٹر صاحب نہایت حیرانی کے ساتھ کافی دیر دروازے پر ہی کھڑے رہے آپ کا سامان بھی آپ کے ساتھ ہی تھا۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمتہ اپنے لکھنے میں اتنے مشغول تھے کہ ادھر توجہ نہ فرمائی ہم ڈاکٹر صاحب کو پہچانتے نہ تھے لیکن سامان سفر اندازہ لگا لیا کہ کوئی دور کا مسافر ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہم میں سے ایک صاحب نے اٹھ کر پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں اور کس سے ملنا ہے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا حضرت قبلہ پیر مرشد حکیم الامت سے ملنا ہے حضرت اس وقت کہاں ہیں ہم نے کہا کہ حضرت تو وہ سامنے تشریف فرما ہیں کیا آپ حضرت کو پہچانتے نہیں ہماری اس گفتگو سے حضرت نے اپنا سر اٹھایا اور ڈاکٹر صاحب کو آپ نے اور ڈاکٹر صاحب نے آپ کو پہچان لیا حضرت قبلہ اٹھ کر دروازے تک تشریف لائے ورڈاکٹر صاحب کو ہمراہ اندر لے گئے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ آپ نے حضرت کو پہچانا کیوں نہیں۔ جب کہ بقول آپ کے آپ نے مشرقی پاکستان میں کئی دفعہ زیارت کی بلکہ ایک دن آپ کے گھر بھی حضرت علیہ الرحمتہ مقیم بھی رہے اور آپ وہیں پر حضرت سے بیعت بھی ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ جب میں دروازے پر پہنچا میں نے حضرت کو وہاں موجود نہ پایا جہاں آپ بیٹھے تھے بلکہ اس جگہ میں نے تیز ہرے رنگ کی روشنی دیکھی۔ جس سے میں حیران رہ گیا کہ بوقت سہ پہر دن یہ صرف اس جگہ روشنی کیوں اور کیسے ہے اس روشنی نے حضرت کو چھپایا ہوا تھا۔ جب آپ خود میری طرف متوجہ ہوئے تو وہ روشنی غائب ہوگئی اور آپ مجھ کو نظر آگئے ڈاکٹر صاحب نے یہ بات حضرت صاحب سے بیان کی اور پوچھا کہ یا حضرت یہ کیا بات تھی۔ حضرت قبلہ نے مسکرا کر فرمایا کہ مجھ کو کیا معلوم یہ تو آپ نے دیکھا تھا نہ کہ میں نے" وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب"

۶۔ حضرت محترم شفیع حلوائی اور محمد شریف ٹوپی والی سرکار کا بیان ہے کہ جن دنوں آپ قبلہ

علیہ الرحمۃ مسجد حجاماں میں صبح کا درس دیا کرتے تھے تو ایک دن موسم سرما میں اندر ہال میں درس ہو رہا تھا دروازے سب کھلے تھے اشراق کی دھوپ نکلی ہوئی تھی ہم میں سے بہت سے حضرات نے محسوس کیا اور بنظرِ خود دیکھا کہ باہر آنگن صحنِ مسجد میں بارش ہو رہی ہے اور چند ایک نے آہستہ سرگوشی کی بھی کہ دیکھو دھوپ بھی نکلی ہے اور ہلکی بارش بھی ہو رہی ہے ادھر تقریر درس کی لذتِ بیانی کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک لفظ پر لوگ جھوم رہے تھے سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعرے بلند ہو رہے تھے لیکن جب درس ختم ہوا لوگ باہر نکلے تو آنگن خشک اور آسمان پر بادل کا نام و نشان نہیں ہم بہت سے لوگ پھر حضرت قبلہ کی خدمت میں واپس آئے اور جب حضرت اشراق کے نوافل سے فارغ ہوئے تو ہم نے یہ سب ماجرا عرض کیا حضرت نے فرمایا کہ ہاں ہم نے بھی وہ نور کی بارش دیکھی تھی کیونکہ ہماری نگاہیں اور چہرہ ہی اس طرف تھا۔ ہم نے اسی وقت اندازہ لگالیا تھا کہ آج آقاء کائنات مدینے والی سرکار ﷺ کی توجہ پاک ہمارے درس کی طرف ہے آج کی تقریر کی لذت اسی وجہ سے تھی۔

۷۔ حضرت محترم حافظ سید علی صاحب کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ حضرت قبلہ استاد محترم کی خدمت اقدس میں عرض کیا حضرت آپ روزانہ سائیں کانواں والی سرکار کے مزار پر کیوں حاضری دیتے ہیں گجرات کے وہابی اعتراض کرتے ہیں کہ اتنے بڑے باشرع عالم دین ہو کر ایک بے شرع بے نمازی مجنون و پاگل کی قبر پر روزانہ فاتحہ خوانی کرنے جاتے ہیں جس سے عوام میں اس کے احترام کی گمراہی پھیل رہی ہے حضرت صاحب کے روزانہ وہاں جانے سے لوگ اس کو ولی اللہ سمجھنے لگے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہابیوں کے اعتراض کا کیا ہے یہ بدنصیب تو مدینہ منورہ کی حاضری سے بھی روکتے ہیں بلکہ خود بھی حج کر کے مکہ مکرمہ سے ہی واپس آجاتے ہیں لیکن اگر آپ نے اس اعتراض کا جواب لینا ہے تو ایک دن میرے ساتھ تم بھی مزار پر حاضری دو۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں میں اسی دن تیار ہو گیا۔

دورانِ راہ قبلہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب فاتحہ خوانی کے بعد واپس ہوں گے تو آپ نے نہ کوئی بات کرنی ہے نہ پیچھے مڑ کر دیکھنا ہے بس خاموشی سے درود تاج شریف پڑھتے ہوئے چلے آنا ہے میرے ساتھ ساتھ جب تک میں کوئی بات نہ کروں تم نے نہیں بولنا ہماری اس سیر گاہ کا راستہ کچھ اس طرح ہے کہ حضرت کی مسجد سے لے کر مزار تک تقریباً دو میل کا فاصلہ بنتا ہے بالکل درمیانِ راہ جلالپور روڈ ہے جب ہم واپس آ رہے تھے تو مجھے محسوس ہوا کہ کوئی شخص ہمارے پیچھے پیچھے آ رہا ہے چونکہ مجھے خاموشی کے ساتھ ساتھ مڑ کر نہ دیکھنے کا بھی حکم تھا اس لیے میں یہ نہ جان سکا کہ کون پیچھے آ رہا ہے۔ جس وقت واپسی پر ہم نے سڑک پر قدم رکھا تو وہ آواز آنی بند ہو گئی۔ سڑک عبور کر کے حضرت علیہ الرحمۃ ٹھہر گئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا محسوس کیا میں نے عرض کیا کہ ایسا لگتا تھا جیسے ہمارے پیچھے پیچھے کوئی چلتا آ رہا ہے۔ فرمایا یہ بچی سرکار سائیں کانواں والے تھے روزانہ مجھ کو یہاں تک چھوڑنے آتے ہیں اگر کسی دن میں مزار شریف پر نہ جاؤں تو میرا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

۸۔ انہی حافظ سید علی صاحب کا بیان ہے کہ پھر میں نے بھی سائیں کرم الٰہی یعنی کانواں والی سرکار کے مزار پر اکثر جانا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ اسی طرح دورانِ سیاحت حضرت علیہ الرحمت فرمانے لگے حافظ صاحب تم کو ایک بات بتاؤں کسی سے کہنا نہیں۔ میں نے عرض کیا حضور ارشاد فرمائیں۔ فرمانے لگے کہ میری تقدیری عمر کل گذشتہ ختم ہو چکی ہے۔ آج سے دس دن پہلے میں نے اپنے آقا ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اتنی مہلت اور عطا فرمایئے کہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ والی آیت کی تفسیر لکھ لوں۔ میری یہ التجا منظور ہو گئی اور تین ماہ کی مزید زندگی سرورِ کائنات نے رب تعالیٰ سے دلوا دی ہماری اب یہ زندگی عطیہ ءِ سرکار ہے ﷺ یہ دونوں باتیں حافظ صاحب قبلہ نے ہمیں حضرت کی وفات کے بعد بتائیں۔

حضرت حکیم الامت بدایونی اور آپ کی شاعری

آپ کا تخلص: سالک بدیوانی

دنیا میں ہر زبان کے ہر شاعر کی شاعری کا کچھ مقصد ہوتا ہے کسی نے غزلیات کو اپنایا کسی نے نظمیات کو کسی نے قصائد کو کسی نے مرثیت کو کسی نے نعت کو کسی نے فکریات کو۔ جب اس اعتبار سے حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کی شاعری کو دیکھا جائے تو آپ کی شاعری نعت اور قصائد کے غلاف میں فطری عقل نقلی طریقے پر بہت مختلف فیہ مسائل کا حل کرتی چلی جاتی ہے چنانچہ حمد یہ نظم میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

۱۔ تیرے عشق میں روئے مرغِ سحر تیرا نام ہے مرہم زخمِ جگر
تیرا ورد کرے ہر شجر و حجر سبحان اللہ سبحان اللہ

اس شعر میں آپ نے منطق کا یہ قاعدہ بدلائل قرآنی غلط ثابت کیا کہ ناطق صرف انسان ہے بلکہ مولاءِ رومی کا قول ہی درست ہے کہ

نطق آب نطقِ خاک و نطقِ گلِ
ہست محسوس از حواسِ اہلِ دل

یعنی ہر چیز چرند پرند شجر حجر گفتگو کرتی ہے اس کی دلیل وہ درج ذیل آیت ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

(سورۃ اسریٰ آیت نمبر ۴۴)

۲۔ زمانے نے زمانے میں سخی ایسا نہیں دیکھا
لبوں پر جس کے سائل نے نہیں آتے نہیں دیکھا

اس نعت کے اس شعر میں آپ نے یہ مسئلہ ثابت فرما کہ نبی کریم سے دنیا یا آخرت کی کوئی چیز مانگنا شرک نہیں صحابہ کرام مانگا کرتے تھے اور پایا کرتے تھے کسی نے نبی کریم ﷺ سے

دنیا مانگی اور پائی کسی نے جنت مانگی اور پائی۔ سخی کی سخاوت یا انکار کا سائلوں سے پتہ لگتا ہے صحابہ سائل نبی ﷺ داتا تھے صحابہ ہی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس پر کبھی نہیں ہے نہیں آیا جب بھی کسی نے مانگا آپ نے دیا۔

۳۔ اِسی نعت میں آگے ایک شعر میں تا حیات سلاطین اور اگر حُکّامِ اسلام کو اسوۂ حسنہ اور سیرت النبی سے کامیاب حکمرانی کا طریقہ سکھایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

وہ آقا جو کہ خود کھائے کھجوریں اور غلاموں کو
کھلائے نعمتیں دنیا کی کب ایسا کہیں دیکھا

آج اس اخلاقِ حسنہ اور درس اسلامی کو بھلا دیا گیا کہ امراء عیاشی وتن سازی میں اور غربا بھوکے ننگے۔

۴۔ ایک نعت میں فرماتے ہیں۔

مرقد کی پہلی شب ہے دولھا کے دید کی شب
اس شب پہ عید قرباں اس کا جواب کیسا

اس شعر میں قبر مومن کی کیفیت وحالت کے نقشے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اپنی قبروں کو سنوارنے کی دعوتِ عمل وفکر دی جارہی ہے۔

۵۔ ایک اور نعت میں فرماتے ہیں:

بار ہا جس نے کہا تھا اَنَا بَشَرٌ اس نے
مَنْ رَآنِی بھی کہا تھا مجھے معلوم نہ تھا

یعنی ایمان یہ نہیں کہ نبی کریم کو فقط ظاہراً مانا جائے بلکہ باطنی قوت واختیار وحقیقت کو بھی تسلیم کرنا ایمان ہے یعنی شریعت کے ساتھ طریقت کو بھی مانا جائے تب معرفت ایمانی حاصل کر سکتے ہو۔

۶۔ ایک نعت میں فرماتے ہیں۔

جبریل کی آنکھوں سے پوچھوائے چشمِ حقیقت بیں کہہ تو
انہیں فرش پہ تو نے کیا دیکھا سدرہ سے بڑھے تو کیا پایا

اس شعر میں وہابیوں کے بہت بڑے باطل عقیدے کا رد ہے۔ وہابی اپنی جہالت سے کہتے ہیں کہ معراج میں نبی کریم ﷺ نے جبریل کو دیکھا اور اس جہالت کو بچانے کے لئے سورۂ نجم میں ترجمہ کرتے ہوئے ایسی جاہلانہ توڑ موڑ کرتے ہیں کہ ابلیس ان سے خوش ہو جاتا ہے مگر بات پھر بھی نہیں بنتی اس کو خود بھی محسوس کرتے ہیں، مگر حسد کے جلاپے سے باز نہیں آتے۔ اس شعر میں بتایا جارہا ہے کہ نبی ﷺ کو جبریل علیہ السلام کی زیارت نہ کرائی بلکہ جبریل کو نبی ﷺ کی ایسی جلوہ گری کرائی گئی جو اس سے پہلے نہ کی تھی اور جبریل علیہ السلام اس جلوہ گری کی تاب نہ لا سکے اور پیچھے رہ گئے۔

۷۔ اس نعت میں آگے ایک شعر کے اندر اس وہابیانہ عقیدۂ باطلہ کی وجہ بیان ہورہی ہے کہ

نہیں جلوے میں ان کے یکرا ہی کوئی آقا کہے کوئی بھائی
مومن سمجھا بندہ پرور اندھوں نے محض بندہ پایا

۸۔ ایک نعت میں فرماتے ہیں:

جو ہو مریض لا دوا یا کسی غم میں مبتلا
صبح و شام پڑھے سدا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

اس شعر میں جسمانی، روحانی اور نفسیاتی مریض کا بہترین مجرب علاج بتایا گیا ہے اور فضائل درود شریف، کثرتِ ورد اور اوقات کا بیان ہے کہ صبح و شام کثرت سے درود شریف پڑھے تو ہر تکالیف ختم اِنشاءَ اللہ تعالیٰ۔

۹۔ ترانۂ ولادت کا ایک شعر

پیر کا دن تاریخ ہے بارہ فرش پہ چمکا عرشی تارہ

اس شعر میں عید میلاد کی تاریخ اور دن بتایا گیا۔ اس میں بھی وہابی عقیدے کی تردید ہے وہابی لوگ محض جشنِ میلاد کو روکنے کے لیے کذب بیانی کرتے ہوئے بارہ ربیع الاول کی

ولادت کا انکار کر کے نور بیع الاول کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔

۱۰۔ حضرت نے جو سلام لکھا اس میں بھی تین نقشے کھینچے گئے۔ پہلے اشعار میں غائب کے صیغے قبل ولادت کا، پھر حاضر جسمانی کے صیغے بعد ولادت کا۔ پھر حضورِ قلبی و روحانی کے صیغے مومن کے دل میں، یعنی ۱: وہ، ۲: تم، ۳: آپ۔

۱۱۔ کلمہ شریف والی نظم میں ولادت پاک کا مقصد یعنی دعاءِ خلیل و بشارت مسیح علیہما السلام کا ذکر، ایمان والدین پاک کا تذکرہ اور قبر مومن کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

قصیدہ ولادت میں دلائل حدیث منقولی جشنِ میلاد منانے کا ابدی فائدہ بیان فرمایا گیا ہے۔

اس قصیدے کا ایک شعر تو مشہور زمانہ ہو چکا ہے۔

نثار تیری چہل پہل پر ہزار عیدیں ربیع الاول
سواءِ ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

۱۲۔ بہت سے وہ لوگ جو عیدالفطر و اضحیٰ تو خوشی سے مناتے ہیں مگر عید میلاد کے منکر و گستاخ ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ عید میلاد پر تو ہزاروں عیدیں قربان ہو سکتی ہیں کیونکہ اگر عید میلاد نہ ہوتی تو عالم میں کوئی عید نہ ہوتی۔ عید میلاد کو پوری مخلوق مانتی ہے، ہاں البتہ ابلیس اس کا منکر ہے۔

۱۳۔ قصیدے کا ایک شعر ہے

تبارک اللہ حکومت ان کی زمیں تو کیا شئے ہے آسماں پر
کیا ارشاد سے چاند ٹکڑے چھپا ہوا خود بلا رہے ہیں

اس شعر میں زمین و آسمان پر سلطنت مصطفیٰ کا ذکر ہے دلیل یہ کہ آسمان کا چاند سورج بھی آپ کے قبضے میں ہے اگر حکومت و سلطنت نہیں تو یہ تصرف کیسے ہوا۔

۱۴۔ ایک نعت میں فرماتے ہیں:

انہیں ڈھونڈے کیوں کوئی در بدر وہ ہیں جان سے بھی قریب تر
وہی جب بھی تھے وہی اب بھی ہیں وہ چھپے ہیں پھر بھی چھپے نہیں

تیری ذات میں جو فنا ہوا وہ فنا سے نو کا عدد بنا
جو اسے مٹائے وہ خود مٹے وہ ہے باقی اس کو فنا نہیں

ان اشعار میں علم ا:تصوف، ۲:علم فلسفہ، ۳:علم حساب کا بہت بڑا قاعدہ کلیہ حل فرمادیا۔اس کی وضاحت اصل کتاب دیوانِ سالک میں دیکھئے۔

۱۵۔ ایک نعت میں فرماتے ہیں:

ان کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا رہے
ان سے پھر سے جہاں پھرا آئی کمی وقار میں

اس شعر میں امت کی زبوں حالی قوم مسلم کی پریشانی، مسلمان حکومتوں کی بدنامی کی وجہ اور اس کا علاج بتایا جارہا ہے اور سابقہ دورِ صحابہ وسلاطین صالحین کی حیاتِ طیبہ کا نقشہ کھینچا جارہا ہے۔آج دنیا میں مسلمانوں کی حکومتیں بہت ہیں مگر اسلامی حکومت ایک بھی نہیں۔اسلامی حکومت کا تقاضا ونشان یہ ہے کہ صداقت، حکومت، تجارت، عبادت، عادت سب پر غلامیِ مصطفیٰ کا نقشہ ولباس ہو۔

۱۶۔ ایک نعت میں فرماتے ہیں:

اس پہ گواہ ھُوَ الَّذِیْ شیشۂ حق نما بنی
دیکھ لو جلوۂ نبی شیشۂ چار یار میں

اس شعر میں، سنی وہابی اور شیعہ سنی میں ایک اختلافی مسئلے کا شاندار حل پیش کیا گیا ہے یعنی آیتِ قرآنی سے ثابت ہورہا ہے کہ نبی کی ذات مظہر صفات کبریا ہے اور صدیق وفاروق عثمان وعلی کی ذات مظہر صفاتِ مصطفیٰ ہے۔ذاتِ نبی سے دور رہ کر شانِ رسول اللہ کے

گستاخ بن کر توحید الٰہی کو کوئی نہیں جان سکتا۔ نہ مان سکتا ہے اور چار یار کا منکر نبی کریم ﷺ کو نہیں مان سکتا۔

۱۷۔ ایک نعت میں فرماتے ہیں

باغ رسالت کی ہیں جڑ اور ہیں بہار آخری
مبدا جو گلشن کے بنے وہ منتھی یہی تو ہیں

یعنی نبی کریم ﷺ، نبی اول بھی ہیں، نبی آخری بھی، کُنتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الرُّوحِ وَ الْجَسَدُ بھی نبی کریم ہیں اور خاتم النبین لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ بھی نبی کریم ہی ہیں ﷺ

۱۸۔ ایک نعت میں ارشاد ہے۔

آقاؤں کے آقا سے بندوں کو ہو کیا نسبت
احمق ہے جو کہتا ہے آقا کو بڑا بھائی

اس میں وہابیت کے ایک بڑے حیثانہ عقیدے کا رد ہے یعنی عقل و فطرت کے خلاف ہے نبی کریم ﷺ کو اپنا بھائی کہا جائے۔

۱۹۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔

اللہ کی مرضی سب چاہیں اللہ رضا ان کی چاہے
ہے جنبش لب قانونِ خدا قرآن و خبر کی گواہی ہے

یہ شعر سورۃ وَالضُّحٰی کی ایک آیت اور حدیث حج کی مختصر تفسیر اور جامع مانع شرح ہے۔

۲۰۔ ایک نعت میں فرماتے ہیں۔

وہی موت ہے وہی زندگی جو خدا نصیب کرے مجھے
کہ مرے تو ان ہی کے نام پر جو جئے تو ان پہ نثار ہے

اس شعر میں ہر مسلمان کی زندگی کا نقشہ اور مقصد بتایا گیا ہے۔

۲۱۔ حضرت نے ایک نعت ھندی زبان میں لکھی جس کا ایک شعر اسطرح ہے۔

سیس پہ گٹھڑی ڈگر کٹیلی گھائل مورے پاؤں
پیارے تم ہی سنبھالیو جب ڈگمگ میں ہو جاؤں

اس میں میدانِ محشر کا ہولناک منظر اور سرکار دو جہاں کی شفاعت کا حال پیش کیا گیا ہے۔

۲۲۔ قصیدہ صدیقیہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ثانی اثنین ہیں بو بکر خدا میرا گواہ
حق مقدم کرے پھر کیوں ہوں مؤخر صدیق

آپ نے اپنے اس شعر کا اشارۃ النص بنا کر قرآن مجید کی ایک آیت سے استدلال فرماتے ہوئے شیعہ عقیدے کا زبردست عقلاً نقلاً رد فرما دیا اور مسلک اہلسنت کی تائید کی۔

۲۳۔ قصیدہ فاروقی میں ایک شعر اس طرح ہے۔

عمر کافی نبی کو حَسْبُکَ اللہ سے ہے یہ ثابت ہے
ہے شاہد جس پہ قرآن حضرت فاروق اعظم ہیں

اس شعر میں فاروقِ اعظم کی شان آیت قرآن سے ثابت کی گئی ہے۔

۲۴۔ قصیدہ حیدری میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ولادت اس لئے اللہ کے گھر سے ہوئی ظاہر
کہ وہ اسلام کا قبلہ ہے یہ عرفان کا قبلہ

اس شعر میں شیعوں سنیوں کو ایک بہت بڑے مغالطے سے نکال کر ولادت مولیٰ علی کو صحیح اور سچے انداز میں احادیث و تواریخ کی روشنی میں بیان فرما دیا کہ کعبے کے اندر ولادت نہیں ہوئی بلکہ حالات ولادت اور کیفیات آپ کی والدہ محترمہ کے طواف کرتے ہوئے نمودار ہوئے

اس طرح ظہور ولادت کو کعبے سے نسبت ہوگئی مگر ولادت گھر جا کر ہی ہوئی۔ جب دردزہ شروع ہوا تو والدہ محترمہ نے طواف چھوڑا اور گھر چلی آئیں جو قریب ہی کوہ صفا کے پاس تھا یعنی بیت ابوطالب۔

۲۵۔ قصیدۂ ام المومنین میں شانِ صدیقہؓ ایک شعر میں اس طرح بیان فرمائی۔

دی گواہی تیری پاک عفت کی سورۂ نور نے

مدح کرتا ہے تیری عصمت کی قرآن مجید

۲۶۔ ایک قصیدے میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ اعلیٰ حدیث مقدس کے عقلی استدلال سے بیان فرمائی، فرماتے ہیں۔

جس شکم میں مصطفےٰ ہوں جاگزیں

عرشِ اعظم سے ہے ذیشان آمنہ

۲۷۔ ایک قصیدے میں شانِ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس طرح بیان فرمائی۔

وہ چادر جس کا آنچل چاند وسورج نے نہیں دیکھا

بنے گی حشر میں پردہ گناہگارانِ اُمت کا

یہاں خاتونِ جنت کی پردہ نشینی کا ذکر فرما کر قوم مسلم کی بہو بیٹیوں کو درس نصیحت دیا جارہا ہے۔

۲۸۔ قصیدۂ کربلا میں فرماتے ہیں۔

استقامت پہ فدا میں تیری اے دست حسین

نہ گیا ہاتھ میں بیدین کے بیعت کے لیے

اس دوگانے پہ فدا ساری نمازیں جس میں

دھار حلقوم پہ سرخم ہو عبادت کے لیے

کھل گیا اس سے اگر حق پہ نہ ہوتے اصحاب

دستِ حسنین نہ بڑھتا کبھی بیعت کے لیے

یعنی میدان کربلا کی شہادت عظمیٰ اور قربانی عظیم نے جہاں یہ ثابت کیا کہ یزید پلید فاسق و فاجر اور غلط کار تھا۔ وہاں یہ بھی ثابت کر دیا کہ صدیق و فاروق اور عثمان غنی حق پر تھے اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ تقیہ حرام ہے۔ اگر تقیہ کرنا جائز ہوتا تو کربلا میں امام عالی مقام تقیہ کر کے جان بچا لیتے اور جھوٹی بیعت یزید کر لیتے غرضیکہ ان اشعار میں ایک بہت بڑے شیعہ سنی اختلافی مسئلے اور عقیدے کو عقلی فکری طریقے پر حل فرما دیا شیعوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے جبکہ شیعہ لوگ حسن و حسین کو معصوم مانتے ہیں اور معصوم شخص غلطی کر سکتا ہی نہیں۔ امام حسنؓ و حسینؓ نے امیر معاویہ کی بھی بیعت کر لی تھی مگر یزید کی نہ کی۔ غیر مقلد وہابیوں اور مقلدین اہلسنت کے درمیان ایک بہت بڑا اختلافی عقیدہ ہے وہ یہ کہ اہلسنت مقلدین کہتے ہیں کہ تقلید ائمہ کرنا جائز بلکہ ضروری اور لازم ہے بغیر تقلید گمراہی میں جا سکتا ہے لیکن غیر مقلدین وہابی جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ گناہ بلکہ شرک ہے حضرت سالک بدیوانی نے اپنے قصیدۂ امام اعظم میں ایسا منہ توڑ جواب دیا ہے کہ آج تک کوئی وہابی اس کی تردید نہیں کر سکا۔

۲۹۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین ہوتے سارے مشرک
بخاری، و مسلم ابن ماجہ امام اعظم ابو حنیفہ

یعنی اگر تقلید ائمہ مجتہدین شرک ہوتی تو تمام محدثین مشرک ہوتے کیونکہ ہر محدث کسی نہ کسی امام مجتہد کا مقلد ہے کوئی محدث امام مالک کا، کوئی امام شافعی کا، کوئی امام احمد بن حنبل کا، کوئی امام اعظم کا، اگر معاذ اللہ تقلید کرنا شرک ہو تو مقلد مشرک ہوا اور مشرک سے حدیث لینا گناہ تو سب غیر مقلد بھی غلط ہو گئے کیونکہ وہ ان ہی محدثین کی کتابیں پڑھ کر اہلحدیث بنے پھرتے ہیں۔ خود آپ اپنے جال میں صیاد آ گیا۔

۳۰۔ ایک شعر میں آپ غوث پاک کا حسنی اور ولی اللہ ہونا اس طرح ثابت کرتے ہیں۔
فرماتے ہیں۔

علی کے لاڈلے نور نگاہِ حضرت زہرہ
رسول اللہ کے جانی محی الدین جیلانی

یعنی حضور غوث پاک عبدلقادر جیلانی بغدادی، مولیٰ علی شیر خدا کے لاڈلے اور خاتونِ جنت فاطمہ زہرہ کے نور نظر ہیں اور آقاءِ کائنات حضور اقدس علیہ السلام کے محبوب ہیں۔
روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت حسن سے مولیٰ علی کو زیادہ پیار تھا اور خاتون جنت حضرت حسین کو زیادہ پیار کرتی تھیں۔ اس شعر میں اس بنا پر اشارہ یہ ہے کہ غوث پاک حسنی سید بھی ہیں اور حسینی سید بھی اور نبی کریم ﷺ کے محبوب بھی یعنی ولی اللہ بلکہ ولیوں کے سردار۔

۳۱۔ حضرت حکیم الامت ایک قصیدہ نعیمیہ میں اپنے استاد محترم اور پیر و مرشد صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی کی اس طرح شان بیان فرماتے ہیں۔

کیوں نہ ہوں تم پر تصدق اہلِ دل اہلِ نظر
جانشینِ مرتضیٰ ہو نورِ چشمِ مصطفیٰ

یعنی حضرت مرشد مراد آبادی علیہ الرحمۃ عالم دین بھی ہیں اسی لئے مولیٰ علی کے جانشین ہوئے اور سید بھی ہیں اس لیے نبی کریم ﷺ کے نور چشم فرزند ہوئے۔

۳۲۔ ایک نظمیہ دعا میں اس طرح ایک شعر ہے۔

خزانے سے رب کے جو چاہو سو لو
نبی کی غلامی مگر چاہیئے

اس شعر میں آپ نے وسیلے کا ذکر فرمایا اور وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ کی مختصر تفسیر فرمائی۔
ایک رباعی میں اہلسنت عوام اور مشائخ پیروں کی دین علوم سے غفلت پر اظہار افسوس کرتے ہیں۔

اہلِ سنت بہرِ قوالی و عرس
دیو بندی بہرِ تصنیفات و درس
خرچ سنی بر قبور و خانقاہ
خرچ نجدی بر علوم و درسگاہ

یعنی اے سنی مسلمانو غیر ضروری اور غیر اہم چیزوں میں اپنا سارا وقت اور ساری دولت ختم نہ کرو خدمت اسلام کی بنیادی اور انتہائی اہم ضروری ولازم واجب چیزوں میں بھی اپنا قیمتی وقت اور سرمایہ خرچ کرو کیونکہ یہی علوم دینیہ کی درسگاہیں اور قرآن و حدیث کی شرحیں، تفسیریں اور تصنیفات ایمانیہ ہی سچی تبلیغ اسلام، سنت نبوی اور سرمایہ آخرت ہے اسی میں موجودہ و آئندہ قومِ مسلم کی نسلوں کی فلاحِ دارین ہے باطل قوموں کا مقابلہ اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات علمی تصنیفات اور اعلیٰ سرمایہ سے دیکر ہی عوام مسلمانوں کا دین بچایا جاسکتا ہے باطل قومیں ان اپنی درسگاہوں، تصنیفوں میں ہی اپنا سارا وقت اور سرمایہ خرچ کر کے باطل نظریات و بدعقیدگی پھیلا رہے ہیں جیسے دیوبندی، وہابی اور دیگر فرقِ باطلہ ایمان کا قاتل زہر ان تصنیفات و درسگاہوں کے ذریعے ہی پھیلایا جارہا ہے۔

بابُ النّظمیات

شعراءِ اہلسنّت کے
قصائد اور منقبت
درشانِ حکیمُ الاُمّت بدایونی

اسماءِ گرامی شعراءِ کرام

۱۔ عالی جناب مداحِ اہلسنت اصغر علی اصغر صاحب فیصل آبادی
۲۔ عالی جناب شاعرِ اہلسنت علامہ شیخ بلال احمد صدیقی میسور ہندوستان
۳۔ عالی جناب فاضل جلیل حافظ محمد بشیر ساگری ضلع جہلم
۴۔ عالی جناب شاعرِ اہلسنت ماسٹر عبدالمجید صاحب دینہ
۵۔ عالی جناب قبلہ ماسٹر محمد عارف صاحب عارف گجراتی
۶۔ عالی جناب فاضلِ جلیل حافظ محمد بشیر۔ بشیر ساگروی جہلم
۷۔ عالی جناب قبلہ ثاقب امروہی بھارت
۸۔ عالی جناب قبلہ ثاقب مرادآبادی بھارت

جناب اصغر علی اصغر فیصل آبادی مدظلہٗ منقبت + در شانِ حضرت حکیم الامت رحمتہ اللہ تعالیٰ رحمتہ برموقعہ عرس ۱۹۷۳ء بزبان پنجابی۔

کتھے چھپ گیا علم دا او خزانہ | محدث مفسر فقیہ زمانہ
نبی پاک دا خاص عاشق دیوانہ | فخر اہلسنت دا عالم یگانہ

غزالی وقت دا او رازی وقت دا | او رومی او جامی شیرازی وقت دا
جنے اپنا ہونا ہمیشہ چھپایا | جدے سر تے سی غوثِ اعظم دا سایہ

جنے علم اپنے دا لوہا منایا | کوئی غیر مدِ مقابل نہ آیا
جنے دینِ باطل نوں للکاریا سی | جنے سینہ ہر سنی دا ٹھاریا سی

زمانے تے مشہور تحریر جسدی | نبی پاک سن دے سی تقریر جس دی
زمانے توں وکھری سی تاثیر جس دی | درِ پاک دی خاک اکسیر جس دی

ہے لکھی اے قرآن دی تفسیر جس نے | بدل دتی کنیاں دی تقدیر جس نے

جنے کیتے کنیاں دے روشن نے سینے | جدا جسم ایتھے تے روح اے مدینے
جنوں دید بخشی اے پیارے نبی نے | جنے نور عرفان دے لئے خزینے

کرم جس تے کنیاں اے محبوب باری | لکھی شرحِ مشکوٰۃ و شرحِ بخاری
مرادابادی پیر توں فیض پایا | تعارف شاہ احمد رضا دا کرایا

جنے کوراں نوں پھڑ کے بینا بنایا | جنے اپنا سینہ مدینہ بنایا

اے اصغر میں اہدے قصیدے نہ گاواں | نبی پاک ول جس دی ہے سن نگاہواں

منقبت قصیدہ درشان حکیم الامت بدیوانی منجانب شیخ بلال احمد صدیقی بلالؔ اڑیسوی مقیم میسور

صدا یہ آتی اکثر مزار انور سے
الجھنا ٹھیک نہیں عاشقِ پیغمبر سے

عیاں ہے آج بھی شانِ مقدسِ حضرت
کرم سے لطف سے الفت سے نظر سرور سے

دو حکیم الامت کا ہے عجب عالم
مہک گیا ہے یہ پنجاب مشک و عنبر سے

میرے حکیم الامت کو جاننے والو
وہ ابر بن کے یہ دیکھو کہاں کہاں برسے

حکیم امت احمد کو دیکھنے والو
درِ مزار پہ جاؤ تو دیدۂ تر سے

ابھی کچھ اور اس عاشق کا تذکرہ کیجئے
کہ بھرنے والے ہیں سب جام فیضِ داور سے

یقین جانئے اللہ اس سے راضی ہے
جسے بھی ہو گئی نسبت حضورِ انور سے

صدا یہ گونج اٹھی چار سو بدایوں میں
وہ کون ہے جو نہیں فیضیاب اس در سے

بلال بھی درِ اقدس پہ سر جھکاتا ہے
بلائیں جتنی ہیں سب ٹال لئے میرے سر سے

شیخ بلال احمد بلال صدیقی حبیبی

خطیب الاسلام شاعر اہلسنت خطیب جامعہ مسجد
مکان نمبر ۱۱۹۳ جامعہ منور کے پیچھے اردن روڈ
میسور انڈیا بھارت ہندوستان

از قلم عالی جناب فاضل جلیل حافظ محمد بشیر صاحب آف ساگری ضلع جہلم

دین کے تفہیم کی پہچان احمد یار خان
سلطنتِ علم کا سلطان احمد یار خان

فلسفہ اور فقہ میں جس کا نہیں کوئی جواب
علم تفسیر و شرح کی جان احمد یار خان

فکر آثارِ صحابہ کی رمز سے آشکار
عقل و فہمِ اثر کی تھی شان احمد یار خان

جس نے بحرِ علم سے موتی بکھیرے چار سو
منبر و تدریس کی تھی آن احمد یار خان

بو حنیفہ کے تفقہ کی عیاں جس میں جھلک
ان ادب کے موتیوں کی کان احمد یار خان

امتیاز حق و باطل پر رہی جس کی نظر
اہل حق کے فکر کی پہچان احمد یار خان

مسلک احمد رضا کا چمکتا روشن چراغ
راہ نوردِ شوق کا سامان احمد یار خان

حضرت صدر الافاضل کی مساعی کا ثمر
ان کی شفقت کا ہے نغمہ خوان احمد یار خان

جانبِ منزل تسلسل سے بڑھتے جسکے قدم
قافلہ سالارِ ذی عرفان احمد یار خان

کوئی مانے یا نہ مانے کیا غرض ان سے بشیر
نظم و ضبط و فکر کا ایوان احمد یار خان

ازرشحافِ قلم عالی جناب اہلسنت قبلہ ماسٹر عبدالحمید صاحب دینہ جہلم

شیخ قرآن مفتی احمد یار خان
از بدایوں آمدہ گجرات شہر
از قدومِ میمنت اندر پنجاب
با یزیدِ وقت کامل پیشوا
شبلیِ دوراں محدث نامدار
فرد در حجت مناظر بے ریا
ایں سعادت بہر ایشان کم نماند
آں عقیدۂ اعلیٰ حضرت زندہ کرد
رہنماءِ سہروردی قادری
جامی و رازی و رومی و رضا
حَبّذا چہ ورثہ است اندر جہاں
چوں کسے در مسئلے عاجز شود
حق عطا کرد اعلیٰ بالا دو پسر
اولین مختار احمد خوش بیاں
اقتدار احمد خاں عالم با مراد
فیض بخشد مسندِ عالی مقام
ماسٹر عبدالمجید جہلمی

آں حکیم الامت و تفسیر داں
کرد در منطق معانی لہر بحر
ارضِ پاکستاں ہمہ شد فیضیاب
جانشینِ سجادۂ غوث الورا
بد غزالی دہر عالی ذی وقار
پاسبانِ مسلکِ احمد رضا
علم از حضرت نعیم الدین خواند
سنّت صدر الافاضل تازہ کرد
نقشبندی و نظامی صابری
فکرِ شاں از مفتی صاحب بر ملا
کتب و تفسیر و فتاویٰ بے گماں
از کتاب مفتی صاحب حل کند
یک فقیہ دیگر خطیب پُر اثر
بر زبانش لحن داؤدی رواں
مسندِ اجدادرا توقیر داد
قبلۂ پنجاب مرجع خاص و عام
کرد املا ایں نظم از خرمی

شمع بدخاموش شد۔ اے وائے احمد یار خان، ازقلم عالی جناب ماسٹر محمد عارف صاحب، عارف گجرات۔

یارِ احمد بود احمدِ یار ما ۔۔۔ آں محبِّ سیدِ ابرار ما
عاشقِ زارِ نبی مختار ما ۔۔۔ واصف و مداح احمدِ یار ما
شیخ قرآن بود و ہم شیخ الحدیث ۔۔۔ مدح خوانِ احمد مختار ما
نکتہ سنجِ قولِ حق قولِ رسول ۔۔۔ مولوی و مفتی احمد یار ما
جملہ قرآن ہست در نعتِ رسول ۔۔۔ قولِ حق قولِ نبی سردار ما
در حقیقت ہست قرآن و حدیث ۔۔۔ مصلحِ اعمالِ ما کردارِ ما
روز و شب درِ ذکرِ حق مشغول بود ۔۔۔ خادمِ دیں سید ابرار ما
حب احمد جانِ ایمان جانِ جاں ۔۔۔ برملا می گفت احمد یار ما
حامدِ محبوبِ خالق لم یزل ۔۔۔ حامیِ خلقِ شہِ ابرار ما
علم بے عشقِ محمد ہیچ نیست ۔۔۔ بیگماں شد حِب احمد یار ما
بود چوں مشتاقِ دید مصطفیٰ ۔۔۔ رفت سوئے دلبر خود یار ما
روز یکشنبہ سوئم رمضان بود ۔۔۔ شد بہ جنت قافلہ سالارِ ما
رفتِ از دنیا جہاں تاریک شد ۔۔۔ آہ صدرِ بزمِ پر انوارِ ما
بادلِ پُر دردِ ہر کس گفت آہ ۔۔۔ صد ہزاراں رحم بر سرکارِ ما
آہ در دنیا شود قحط الرجال ۔۔۔ رحم کن یارب بحال زار ما
رفت از دنیا و عارف گفت آہ ۔۔۔ آں محبِّ آقاءِ مختارِ ما

از نتیجۂ فکر جلیل حافظ نبیل، حافظ محمد بشیر حافظ مقام سگری، ضلع جہلم۔

علم قرآن کے علم بردار احمد یار تھے ترجمان جدۃ اَفکار احمد یار تھے
ملتِ بیضا کی رفعت جس کے تھی پیشِ نظر ان کی فکر و نظر کے معمار احمد یار تھے
دین فطرت کے تقاضوں سے جو برگشتہ ہوئے ان فرعونوں کے لیے تلوار احمد یار تھے
جس نے شاہ احمد رضا کی فکر کو روشن کیا کاروان علم کے سالار احمد یار تھے
حفظِ ناموسِ رسالت کے درخشاں باب میں اہلِ حق کی ہمت و للکار احمد یار تھے
حکمۃ دینی پہ بھی جس کی رہی کامل گرفت وہ خطیب پر اثر گفتار احمد یار تھے
جن جواہر میں نعیم الدین کے پرتو کی جھلک ان چمکتے موتیوں کا ہار احمد یار تھے
اپنے تو اپنے ہیں غیروں نے کیا یہ اعتراف نقشِ علم و عمل کے فنکار احمد یار تھے
قوتِ باطل ہوئی ٹکرا کے جس سے پاش پاش دین حق کی آہنی دیوار احمد یار تھے
سنّتِ ختم الرسل کی روشنی کا روز و شب اک چمکتا دمکتا کردار احمد یار تھے
حافظ اپنی محفلوں میں کہتے ہیں اہلِ نظر علم اور انوار کے مینار احمد یار تھے

نتیجۂ فکر عالی جناب ثاقب امروہی کے چند مختلف اشعار

آفریں اے شیرِ پاکستان مفتی احمد یار جامہءِ ظلمت کو تو نے کر دیا ہے تار تار
مفتیءِ اسلام احمد یار دانائے رموز جن کے دل میں موجزن دینی تڑپ ملی پیار
تو نے کر دی تھی چراغ علم کی شمعِ فروز تیرے آگے سوجھتی باطل کو تھی راہِ فرار

از قلم عالی جناب ثاقب مرادآبادی مرحوم

وہ تفسیر نعیمی کی اجاگر روشنی والا وہ جاء الحق والا مصطفٰی کی سلطنت والا
لکھی جس نے شرح مشکوٰۃ کی اور پھر بخاری کی وسیلہ اولیا والا خدا کی رحمتوں والا
دریچہ کھول دی جس نے قرآنی علم پاروں کی وہی درسِ قرآن والا وہ اسرار حکم والا
لکھی شان حبیب اور نعت کی کلیاں کھلا ڈالیں اسلامی زندگی والا ایمانی بندگی والا

مولف
قاضی عبدالنبی کوکب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیاتِ سالک۔ مؤلف حضرت علامہ قاضی عبدالنبی کوکب

نَحْمَدُهٗ تعالیٰ وَ نُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الکریم
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ

دیباچہ...... عرض اول

اس کتاب کی تالیف، کتابت اور طباعت کے مراحل انتہائی عجلت میں طے کئے گئے ہیں۔ ۲۴ اکتوبر کو مفتی صاحب قدس سرہ کے عرس سوم کی مجلس میں سوانح حیات دینے کی تجویز پیش ہوئی اور آج ۲۶، ۲۷ نومبر کو درمیانی شب کو بیٹھا ہوا اس کتاب کے آخری اوراق مرتب کر رہا ہوں۔ خواہش اور مطالبہ یہ ہے کہ کتاب کسی نہ کسی شکل میں چہلم (۴ دسمبر ۱۹۷۱ء) تک شائع ہو چکی ہو اس عجلت میں راحت کا پہلو یہ ہے کہ یہ نقشِ مجمل جیسا کچھ بھی تیار نہ ہو سکا انشاء اللہ العزیز چہلم کے موقع پر طبع ہو کر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔ مگر افسوس کا پہلو یہ ہے کہ اس کتاب کی ساری فصلیں اپنی اپنی جگہ پر تشنہ رہ گئی ہیں۔ موضوع کے ہر گوشے کو چھیڑا گیا ہے مگر دو چار قدم ہی چل کر اسے چھوڑ بھی دیا گیا ہے۔ قارئین سے التماس کرتا ہوں کہ وہ کتاب کی اس مخصوص ہیئت ترکیبی کو پہلے ہی ذہن مین رکھ لیں اور مطالعے کے بعد یہ تجویز فرمائیں کہ آئندہ اس کتاب میں کہاں کہاں کیا کیا تفصیلات مندرج ہونی چاہئیں۔ حکیم الامت مفتی صاحب قدس سرہ کے تلامذہ اور وابستگانِ عقیدت سے میری خصوصی درخواست ہے کہ وہ حکیم الامت مفتی صاحب کے احوال و آثار کے بارے میں وہ تمام تفصیلات مجھ تک پہنچانے کی کوشش فرمائیں جو ان کی ذاتی معلومات سے تعلق رکھتی ہوں۔ حقیقت یہ کہ قبلہ صاحب قدس سرہ کے اثرات و برکات پورے برصغیر

پاک و ہند میں پھیل چکے ہیں اور اس ملک کے ہر حصے میں ان کے عقیدت منداحباب موجود ہیں۔ یہ ساری جماعت تعاون کرے تو مفتی صاحب کی عظیم المرتبت شخصیت پر ان کے شایان شان ایک عظیم کتاب کا معرض تحریر میں آنا کچھ مشکل نہیں رہے گا۔ بہرحال میں نے اللہ کا نام لے کر اس کام کا آغاز کر دیا ہے۔ یہ آغاز اسی موقع پر جلد کر دینا ایک اعتبار سے ضروری بھی تھا۔ ایک بنیاد رکھ دی جائے تو آئندہ عمارت کی تعمیر کا سلسلہ بتدریج جاری رہ سکتا ہے۔ اگر آغاز کرنے میں تاخیر کر دی جاتی تو بہت ممکن تھا کہ یہ عزم و ولولہ بھی ہماری روایتی سستی اور بے حسی کے سرد خانوں میں ٹھٹھر کر رہ جاتا۔ بس اسی بات نے میرے لئے اس عاجلانہ نقشِ مجمل کے پیش کرنے کا جوازِ مہیا کیا ہے۔

ایک عاجلانہ اور انتہائی مختصر تالیف ہونے کے باوجود یہ کتاب اپنی اصل مقصد کے حصول میں انشاءاللہ ناکام نہیں رہے گی۔ اس کتاب کا مولف یہ توجہ دلانا چاہتا ہے کہ علوم دینیہ کی صحیح تعلیم اور دین کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھنے والے لوگوں کے حلقۂ تربیت میں انسانی کردار کو اعلیٰ ترین عظمتیں عطا کرنے والا کیسا زوردار جوہر پایا جاتا ہے۔ اسی جوہر نے غلامی اور زمانے کے تاریک ادوار میں ہماری تہذیب کی شمعیں روشن رکھی ہیں۔ اگر دین کا قائم کردہ یہ تعلیمی و تدریسی ماحول ہمارے ہاں موجود نہ ہوتا تو گذشتہ تین چار صدیوں میں ہماری تہذیب و دیانت کے جملہ آثار کلیتہً محو ہو چکے ہوتے۔ یہ اہل دین کا درسی و تبلیغی نظام تھا جو ایک طرف کروڑوں عامۃ المسلمین میں دینی و ملی حمیت و شعور کے سرمائے کی حفاظت کرتا رہا اور دوسری طرف صدہا گمنام اور دنیوی اعتبار سے بے سروسامان خاندانوں کے افراد کو تربیتِ دینی سے علم و فضل اور سیرت و کردار کے آفتاب و ماہتاب بناتا رہا۔

مذکورہ بالا تاریخی حقیقت کی ایک بہترین مثال اس کتاب کی موضوع شخصیت شیخ التفسیر مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی کی زندگی میں جگمگا رہی ہے۔ حضرت صاحب جس دور میں پیدا ہوئے ہیں اس وقت ان کا خاندان ایک قصبے میں دنیا کے ہر معیار کی رو سے بے سامانی اور

بے نشانی و گمنامی کی محدود زندگی بسر کر رہا تھا۔ ایسے میں اس خاندان سے گیارہ برس کا ایک بچہ وقت کی دینی درسگاہوں میں جا کر شوق و محنت سے علوم دین کی تحصیل میں مصروف ہو جاتا ہے اور چند ہی برس کے بعد وہ فضل و کمال کا قمرِ درخشاں بن کر اپنے خاندان بلکہ پوری ملت کیلئے فخر کا موقع بہم پہنچاتا ہے۔

کردار سازی کا یہ نظام و ماحول اب ایک عرصے سے بالخصوص آزادی کے بعد سے بڑی تیزی کے ساتھ روبہ زوال ہے۔ ہماری تہذیبی تاریخ میں یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کیا اس کی طرف توجہ کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟

دوسری اہم چیز میں نے اس تالیف میں یہ مدنظر رکھی ہے کہ مبالغہ آرائی اور اور القاب پرستی کے راستے سے بچ کر چلنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت صاحب قدس سرہ میرے استاد، محسن اور مربی سب کچھ تھے اور میں نے ان کی عظمتوں کو بہت قریب سے دیکھا بھی اور شدید متاثر بھی تھا۔ اس لئے قبلہ صاحب کی زندگی تحریر کرتے ہوئے میں روایتی اعتقادی کی انتہاؤں کو چھو سکتا تھا مگر میں نے اپنے کو ایک امتحان میں مبتلا پایا اور اس میں کامیابی و سرخروئی کا راستہ میں نے یہی محسوس کیا کی اس کتاب کو ایک ذمہ دار مورخ اور تذکرہ نگار کے احساس کے ساتھ لکھا اور بنایا جائے میری درخواست مذہبی شخصیات پر قلم اٹھانے والوں سے یہ ہوگی کہ وہ اس سلسلے میں میری مثال سے فائدہ اٹھائیں۔

اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں قبلہ صاحب قدس سرہ کے صاحبزادگان اور اہل خانہ نے میرے ساتھ پورا تعاون کیا ہے بعض دیگر احباب نے بھی معاونت فرمائی ہے۔ میں ان سب کا شکر گذار ہوں۔

۸ شوال المکرم ۱۳۹۱ھ — قاضی عبدالغنی کوکب

۲۷ نومبر ۱۹۷۱ء — شعبہ مخطوطات پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

شیخ التفسیر قدس سرہ

(ابتدائی تعارفی مضمون)

یہ مضمون مفتی صاحب قدس سرہ کے وصال سے چند روز بعد روزنامہ مشرق ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۱ء "جاوداں" ۳۱ اکتوبر اور نوائے وقت میں شائع ہوا تھا۔ جسے اکثر احباب نے پسند فرمایا تھا۔ اختصار اور جامعیت کے پیش نظر اس مضمون کو کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔

شیخ التفسیر مفتی احمد یار خان نعیمی، علمائے دین کے اس قافلے کے آخری افراد میں تھے۔ جنہوں نے موجودہ صدی کے نصف اول بلکہ ربع اول کی اکثر عظیم المرتبت دینی ولی شخصیات کو دیکھا۔ قریب ہو کر ان سے فیض یاب ہوئے اور آگے اپنی پوری زندگی اس مشن کی خدمت میں سرگرم رکھی، جو عظیم اسلاف سے ان کی طرف منتقل ہوا تھا۔ مفتی صاحب مرحوم کے وصال سے ہماری ملی تاریخ کا ایک خاص دور سمٹتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ جس دور کی خصوصیت یہ تھی کہ ابھی کچھ لوگ منصب و جاہ کے خیال سے بہت دور، پورے اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ کتاب و سنت کی خدمت میں مشغول تھے اور سلف صالحین کی وراثت کی حفاظت انہی کے طریق کار کے مطابق کیے جا رہے تھے۔

حضرت قبلہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے بچپن میں فاضل بریلوی مولانا شاہ احمد رضا خان مجدِّد کی زیارت کی تھی اور بعد میں ان کے تلامذہ و خلفاء کی درس گاہوں میں انتہائی شوق محنت سے علم دین کی تحصیل کی۔ حضرت صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن اوجھانی (ضلع بدایون) میں اپنے والد مولانا محمد یار خان بدایونی کے پاس ہوئی جو فارسی نصاب اور ابتدائی

دینیات کی تعلیم وتربیت کے نہایت ماہر تعلیم تھے۔ انہوں نے مسلسل پینتالیس سال تک اپنی بستی کی جامع مسجد میں خطابت وامامت اور تبلیغ وتدریس کی خدمات انجام دی تھیں اور گھر پر نصابی تعلیم کے لئے ایک مکتب قائم کر رکھا تھا۔ جس میں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کے بچے بھی تعلیم پاتے تھے۔ حضرت صاحب ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوکر نہایت چھوٹی عمر میں، تحصیل علوم کے لئے وطن سے نکل کھڑے ہوئے اور سالہا سال تک بدایوں اور مینڈھو میں درس نظامی کے اسباق پڑھتے رہے۔ مینڈھو کی درس گاہ میں دیو بندی مکتب فکر کے چند مدرسین پڑھاتے تھے۔ اسی دور میں اپنے کسی عزیز کی ہمراہی میں حضرت صاحب کی مراد آباد والی عظیم درس گاہ جامعہ نعیمیہ (مراد آباد) کے بانی، صدالافاضل مولانا سیّد نعیم الدین مرادآبادی سے ملاقات ہوئی۔ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ بڑے جوہر شناس انسان تھے۔ انہوں نے ہونہار طالب علم کی اعلیٰ تعلیم کیلئے تمام سہولتیں مہیا فرمادیں اور حضرت صاحب کو مرادآباد سے واپس نہ جانے دیا۔ اس وقت کانپور کے علامہ مشاق احمد مرحوم معقولات و ریاضیات کی تدریس میں یکتائے روزگار شمار ہوتے تھے مولانا مرادآبادی نے دقیع مشاہرے پر، موصوف کو مرادآباد جامعہ نعیمیہ میں بلالیا اور مفتی صاحب کی اعلیٰ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد علامہ مشاق احمد میرٹھ تشریف لے گئے تو قبلہ صاحب بھی ان کے شاگرد خاص کی حیثیت سے ان کے ساتھ ہی منتقل ہو گئے۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر معلوم ہوئی ہے کہ تحریک آزادی کے ایک نامور سپاہی، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی مرحوم بھی کانپور، مرادآباد اور میرٹھ میں، علامہ مشاق احمد سے پڑھتے رہے تھے اس طرح علامہ ہزاروی، شیخ التفسیر مفتی احمد یار خان مرحوم ومغفور کے استاد بھائی تھے۔ مفتی صاحب مغفور خود فرمایا کرتے تھے، مرادآباد کا قیام میری زندگی کا ایک اہم موڑ تھا۔ صدر الافاضل مرادآبادی کی شفقت، توجہ خصوصی اور حکیمانہ تربیت نے حضرت

صاحب کی شخصیت پر گہرے اثرات چھوڑے تھے، حصول علم سے فارغ ہو کر حضرت صاحب نے تدریس اور تالیف کے کام سے علمی زندگی آغاز کیا۔ ان کی پہلی تالیف قانون وراثت پر ''علم المیراث'' کے نام سے منظر عام پر آئی۔ تدریس کے فرائض دھوراجی (کاٹھیاواڑ) اور اس کے بعد کچھو چھہ شریف کی خانقاہ عالیہ میں انجام دیتے رہے ۱۹۳۹ء کے لگ بھگ حضرت صاحب مرحوم علیہ الرحمۃ گجرات (پنجاب) میں منتقل ہو گئے۔ جہاں پیر صاحب جماعت علی شاہ کی تبلیغی انجمن خدام الصوفیہ کی گجرات شاخ کے دارالعلوم میں تدریس، تبلیغ اور تصنیف کا کام حضرت حکیم الامت نے شروع فرمایا۔ امیر ملت علی پوری، حضرت صاحب کے علم و فضل اور شوق دینی کی بنا پر ان کے بڑے قدردان تھے۔ جب حضرت صاحب مرحوم نے اپنی معرکہ آرا کتاب ''جاء الحق'' تالیف کی تو پیر صاحب علی پوری کو ازحد خوشی ہوئی انہوں نے پوری کتاب اول تا آخر سنی اور انعام و تبرک خاص سے حضرت صاحب کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

حضرت کے دور میں گجرات علم وفن کے ایک خاص معیار کا حامل تھا۔ پیر ولایت شاہ، قاضی عبدالحکیم (راقم سطور کے والد) مولانا نیک عالم قادری مرحوم اور مولانا عمر بخش گجراتی مرحوم جیسے فقیر منش اور بے لوث اکابر دین و صوفیاء کا بابرکت گروہ موجود تھا۔ حضرت قبلہ نے خود اس عظیم دور میں خوب شوق و محنت سے تعلیم دین کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔ ایک طرف دارالعلوم میں قابل طلباء کی ایک جماعت تیار ہونے لگی اور دوسری طرف قبلہ صاحب نے خطابت جمعہ اور روزانہ درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور تیسری طرف تصنیف و تالیف کے عظیم کام کا آغاز کر دیا۔ دارالافتاء کی خدمات اس پر مستزاد تھیں۔ اسی دور میں قبلہ صاحب نے اپنی مشہور و معروف ''تفسیر نعیمی'' کی تالیف شروع کی۔ جس کی تقریباً آٹھ ضخیم مجلدات طبع ہو چکی ہیں (وفات سے کچھ روز پہلے) گیارہویں پارے کی آیت ''اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ

اللہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ'' کی تفسیر لکھ کراٹھے اور لاہور علاج کیلئے تشریف لائے اس کے بعد اس عظیم مفسر کا قلم ہمیشہ کیلئے رک گیا۔ آپ کی خواہش تھی کہ ان کے بعد ان کے تلامذہ اس تفسیر کو مکمل کریں لیکن کوئی بھی اس عظیم تصنیف کی جراٗت نہ کرسکا اللہ تعالیٰ نے چھوٹے فرزند مفتی اقتدار احمد خان کو ہمت و توفیق بخشی اور وہ آمادہ ہوئے ہیں آئندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

''تفسیر نعیمی''، ''جاءالحق'' اور ''علم المیراث'' کے علاوہ حضرت صاحب نے متعدد دیگر کتب تالیف فرمائیں۔ جن میں ''مواعظ نعیمیہ''، ''شان حبیب الرحمٰن''، ''اسرار الاحکام''، ''سلطنت مصطفٰے'' اور ''اسلامی زندگی'' کے نام بہت نمایاں ہیں۔ موخر الذکر کتاب ''اسلامی زندگی'' میں بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ اسلام کی معاشرتی اور تہذیبی ہدایات جمع کر دیں گئی ہیں مسرفانہ رسوم اور جاہلانہ اطوار کی مذمت کی ہے اور اس کے مقابلے پر بتایا ہے کہ انسان زندگی کے مختلف مراحل میں پیش آنے والے معاملات و تقریبات کےلئے اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟

شیخ التفسیر مفتی احمد یار خان صاحب مرحوم و مغفور تقریباً پچاس برس سے تبلیغی خدمات میں سرگرم کار تھے اور ان کی تقاریر اور تصانیف میں ایک خاص بات یہ تھی کہ ان میں کسی بھی مکتب خیال کیلئے دل آزاری کی کوئی بات نہ ہوتی تھی۔ وہ عقیدتاً سنی تھے مگر ان کا طریق کار مثبت، علمی اور حکیمانہ تھا۔ سرکار رحمۃ للعالمین ﷺ کے ساتھ۔ انہیں والہانہ محبت تھی۔ حضور کا ذکر مبارک آتا، تو ان کی آنکھیں بے اختیار پرنم ہو جاتیں اور آواز بھر جاتی تھی۔ ان کے سامعین اور صحبت میں بیٹھنے والے ہزارہا افراد، ان کے سوز و گداز کی خصوصی کیفیت کو محسوس کرتے۔ رسول مقبولؐ کے ساتھ عشق بے تاب نے ان کی تقریر و تحریر کا ایک مرکز و محور مقرر کر دیا تھا اور وہ یہ تھا۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر باؤ نہ رسیدی، تمام بولہبی است

طبیعت فقیرانہ تھی۔ وضع اور لباس میں انتہائی سادہ اور بے تکلف رہتے تھے۔ تقویٰ اور ورع میں سلف کا نمونہ تھے۔ دل کینہ وآز سے پاک رکھتے۔ تدریس اور تالیف کے علاوہ اپنے وقت کا اکثر حصہ درود پاک پڑھنے میں گذارتے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک گویا ان کی غذا تھی۔ انہوں نے اپنی پچاس سالہ تبلیغی زندگی میں شریعت مصطفوی کی تعلیمات کو عام کیا اور اتباع ومحبت رسول کی موثر تبلیغ وتلقین فرمائی۔

شیخ التفسیر، شوال ۱۳۱۴ھ کو اجھیانی بدایون میں پیدا ہوئے تھے اور ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ (۲۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء) کو گجرات میں فوت اور وہیں مدفون ہوئے ان کی قبران کے ذاتی مکان کے اس کمرے مین بنائی گئی ہے جہاں وہ پچھلے کئی برس درس قرآن دیتے تھے۔

اگرچہ حضرت صاحب مرحوم بنیادی طور پر خالص دینی اور تبلیغی میدان کے آدمی تھے۔ تاہم مختلف مواقع پر ملی وسیاسی تحریکات میں خدمات انجام دیتے رہے۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں انہوں نے اپنے استاد اور مربی صدر الافاضل مراد آبادی کے مسائی تائید، قرارداد پاکستان میں شمولیت کی ۱۹۴۶ء میں جب پاکستان کی تائید کے لئے بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو مفتی صاحب مرحوم، پنجاب کے علماء اور مشائخ کے عظیم وفد میں قائد تھے۔ خضر کے خلاف ایجی ٹیشن کے دور میں حضرت صاحب مرحوم کے تلامذہ اور رفقاء نے بڑا کام کیا تھا۔

خاندانی پس منظر

حضرت صاحب قدس سرہ کے آباؤ اجداد اور خاندانی حالات کے بارے میں زیادہ مفصل معلومات جمع نہیں ہو سکیں[1]۔ ان کا خاندان یوسف زئی پٹھان قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے کچھ افراد غالباً مغل دور میں افغانستان سے آگئے تھے۔ مفتی صاحب کے والد اور دادا سے اوپر، خاندان کے دوسرے بزرگوں کے حالات مجھے معلوم نہیں ہوئے۔ دادا مرحوم منور خان کے بارے میں اتنا معلوم ہے کہ وہ اوجھیانی (بدایونی) کے معزز لوگوں میں شمار ہوتے تھے اور وہ اپنے یہاں کی میونسپل کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ اہل علاقہ اپنے تنازعات کی ثالثی کیلئے ان کی طرف رجوع کرتے۔

مفتی صاحب کے والد ماجد دینداری اور عبادت گذاری کی زندگی کی طرف خصوصی میلان رکھتے تھے۔ ان کا نام محمد یار خان۔ بستی کے لوگ انہیں عالم طور پر ملاجی کہتے تھے۔ انہوں نے اپنے گھر پر فارسی کی ابتدائی نصابی تعلیم کا مکتب قائم کر رکھا تھا، جس میں مسلمانوں کے

۱۔ حضرت صاحب اپنے ذاتی حالات بتانے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ جب کبھی ان سے اس بارے میں کچھ تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی تو بس وہ کوئی ایک آدھ بات بتا کر رہ جاتے۔ یہ مختصر احوال جو یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔ مجھ تک تین ذرائع سے پہنچے ہیں۔ ان میں ایک بڑا حصہ ان معلومات کا ہے جو میں حضرت صاحب سے ان کے ہسپتال کے ایام میں (آخری آپریشن کے موقع پر) براہ راست حاصل کرتا رہا۔ اس کے بعد ان احوال میں دوسرا بڑا حصہ حضرت صاحب کے بڑے صاحبزادے مفتی مختار احمد صاحب کی وساطت سے معلوم ہوا۔ اسی طرح اس سلسلے کی بہت سے باتیں مفتی صاحب کی بڑی ہمشیرہ محترمہ مدظلہا سے بھی منقول ہیں۔

۲۔ اوجھانی ضلع بدایوں (یوپی) کی ایک بستی کا نام ہے۔ مفتی صاحب بتاتے تھے اوجھانی بدایوں شہر سے تقریباً ساڑھے سات میل کی مسافت پہ تھا۔ سہسوان کیلئے بھی اوجھانی کے ریلوے اسٹیشن پر اترنا پڑتا تھا۔

علاوہ ہندو خاندانوں کے بچے بھی پڑھنے کے لئے آتے تھے۔ اس طرح بستی کی ہندو آبادی کی اکثریت ان کی شاگرد بن چکی تھی اور سب لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ بستی کا ایک رئیس لالہ رائے بخت بہادر ان کا شاگرد رہ چکا تھا اور اس کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ اس نے دلی طور پر اسلام قبول کرلیا ہوا تھا اور یہ کہ وہ چھپ چھپا کر نماز بھی پڑھا کرتا تھا۔

مکتب میں تعلیم پانے والے بچوں کے سرپرستوں کی طرف سے استاذ مکرّم کی کچھ خدمت کر دی جاتی تھی۔ اس پر ان کا اور ان کے خاندان کا گذارہ چلتا تھا۔ مکتب کی مصروفیت کے بعد استاذ مکرّم کی دوسری بڑی مصروفیت مسجد کی خدمت تھی۔ انہوں نے اوجھیانی کی جامع مسجد کی امامت، خطابت اور انتظامی امور، سب کچھ اپنے ذمے لے رکھے تھے اور یہ خدمات انہوں نے مسلسل پینتالیس برس تک انجام دیں۔ مسجد کی کسی خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ حتیٰ کہ مختلف مواقع پر بحیثیت امام مسجد انہیں جو کھانے یا کپڑے بھیجے جاتے تھے وہ انہیں قبول ہی نہ کرتے تھے اور ہدایت کر دیتے کہ یہ چیزیں، بستی کے مستحقین تک پہنچا دی جائیں۔ بازار جاتے تو محلے کی خواتین خاص کر بیوگان سے دریافت کر کے انہیں بھی سودا سلف لا دیتے۔ اہل محلّہ کے بچوں کے اخلاقی ماحول کی نگرانی بھی کرتے رہتے۔ ضرورت پڑتی تو حکیمانہ انداز میں اصلاح کی تدبیر نکالتے۔ عید کی دن وہ بہت سی ریز گاری لے کر بچوں میں بانٹنے کیلئے بیٹھ جاتے۔ مگر بڑی عمر کے آدمی بھی استاذ مکرّم کا تبرک حاصل کرنے کے لئے یہ کہتے ہوئے آجاتے کہ "چلئے آج تو استاذ مکرّم پیسے بانٹ رہے ہیں۔"

مسجد کے ساتھ انہیں ایسا تعلق پیدا ہو گیا تھا کہ آخری ایام میں کسی عارضے کے باعث انکی کیفیت یہ تھی کہ دن میں کئی دفعہ ان کا جسم اچانک سن ہو جاتا اور اگر چلتے ہوتے تو لڑکھڑا کر گر پڑتے۔ مگر اس ضعف و عارضہ کے باجود وہ مسجد میں مسلسل حاضر ہوتے جس کے نتیجے میں بار بار مسجد کی سیڑھیوں سے گر پڑتے چنانچہ وفات کے بعد جب انہیں غسل دیا جا رہا تھا

تو دیکھا گیا کہ سارا جسم زخموں سے اور چوٹ کے نشانات سے بھرا ہوا تھا۔ جنازہ اٹھا تو بستی کی تمام آبادی ساتھ چل رہی تھی اور ہندوؤں کا اصرار یہ تھا کہ انہیں بھی کندھا دینے کا موقع دیا جائے۔ مسلمانوں کی خواہش تھی کہ انہیں مسجد کے ساتھ ملحقہ شاملات میں دفن کیا جائے مگر بعض اہل قرابت نے اس بات کو پسند نہ کیا اور معاندانہ مخالفت کی اس لئے انہیں بستی کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

زندگی کا جو نقشہ حضرت صاحب کے والد مرحوم کے حالات میں ابھر کر سامنے آتا ہے۔ عسرت اور تنگدستی کا رنگ، بالعموم اس نقشے کی زینت ہوتا ہے۔ اس گھر کے حالات اس قاعدے سے مستثنیٰ نہ تھے۔ اس کے باوجود ان کی طبیعت درویشانہ تھی اور استغنا کا پہلو مزاج پر غالب تھا۔ آگے چل کر حضرت صاحب کی دھوراجی (کاٹھیاواڑ میں) تدریس کے ایام پر ہم مفصل لکھیں گے دھوراجی سے حضرت صاحب ہر مہینے کچھ نہ کچھ رقم گھر بھیجتے رہتے تھے چند سالوں کے بعد جب وطن واپس آئے تو جاننا چاہا کہ ان رقوم کے سلسلے میں آمد و خرچ کا کیا حساب رہا۔ اس پر والدہ صاحبہ نے فرمایا "حساب کیا بتایا جائے۔ تم اپنے والد کی طبیعت سے آگاہ ہو۔ بس یہ جان لو کہ گھر میں پڑا ہوا کچھ نہیں آیا خرچ و خیرات کر دیا گیا" اور اس کے بعد والدہ نے یہ فرما کر مفتی صاحب کو مطمئن کر دیا۔ "تم ان کا حساب نہ لو قیامت کے روز انشاءاللہ تمہارا حساب نہ ہوگا۔"

حضرت صاحب کی والدہ ماجدہ نے اپنے خادم دین شوہر کے کام میں ہاتھ بٹانے کا طریقہ یوں نکال لیا تھا کہ وہ اپنے گھر کے کام کاج سے فرصت نکال کر محلے اور بستی کی عورتوں اور بچیوں کو قرآن پاک ناظرہ پڑھاتی تھیں۔ گھر کی مصروفیات اور ذوق و شوقِ عبادت کے بعد، ان کی زندگی کی واحد آرزو یہ تھی کہ سفر حج پہ جائیں اور اپنی آنکھیں مدینہ منورہ اور روضہ رسول کی زیارت سے ٹھنڈی کریں۔ چنانچہ جب ان کے اکلوتے بیٹے (حضرت صاحب

نے انہیں سفر حرمین پر ساتھ لے جا کر ان کی یہ تمنا پوری کر دی تو وہ اپنے فرزند سے بے حد راضی ہوئیں اور انہوں نے روضۂ اطہر کی جالیوں کے سامنے بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے بیٹے کو خصوصی طور پر الطاف خسروانہ سے نوازا جائے۔ ان کے اپنے الفاظ اس کتاب کے کسی آئندہ باب (ہسپتال کی ڈائری) میں نقل کیے جائیں گے۔ ان کے الفاظ اور ان کے انداز تخاطب سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں حضور کی ذات کریم سے کس قدر والہانہ وابستگی تھی۔

یہ تھے حضرت صاحب مرحوم کے والدین، ان کے ہاں یکے بعد دیگرے پانچ لڑکیاں پیدا ہوئی تھیں۔ پانچویں بچی کے بعد والد نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اولاد نرینہ کے لئے خاص دعا مانگی اور ساتھ یہ نذر مانی اگر لڑکا پیدا ہوا تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے راستے میں بسلسلۂ خدمتِ دین وقف کر دوں گا۔ یہ دعا قبول ہوگئی اور ان کے گھر میں یہ ہونہار بچہ ہوا جس کا نام احمد یار خان رکھا گیا۔ والد نے اپنی نذر کے مطابق اس بچے سے علم دین کے حصول کے علاوہ اور کوئی کام نہ لیا اور اس بچے نے بھی آگے چل کر اپنی عملی زندگی سے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی وہ احمد یار خان تھا اور واقعی وہ اس قابل تھا کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کے راستے میں وقف کیا جاتا۔

طالب علمی

حضرت صاحب گیارہ برس کی عمر میں تحصیل علم کے لئے وطن سے باہر نکلے[1] اور انیس برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے[2]۔ ادھر ابتدائی دور میں تقریباً چار پانچ برس تک اپنے والد ماجد کے پاس بھی پڑھتے رہے۔ اس طرح ان کی طالب علمی کا کل زمانہ کوئی تیرہ چودہ سال کی مدت پر مشتمل معلوم ہوتا ہے جس میں اجھیانی، بدایوں شہر، مینڈھو، مرادآباد اور میرٹھ ان پانچ مقامات پر آپ کا دور طالب علمی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

وطن اجھیانی میں آپ نے اپنے والد ماجد سے قرآن مجید پڑھا اور اس کے بعد فارسی کی نصابی تعلیم نیز دینیات اور درسِ نظامی کے آغاز کی کتب کی تعلیم بھی انہی سے پائی۔ یہ قبلہ صاحب کی طالب علمی کا پہلا دور ہے جس کا سلسلہ غالباً چھ سات برس کی عمر سے شروع ہوا ہوگا البتہ یہ بات بالیقین معلوم ہے کہ گیارہ برس کی عمر میں اس دور کا اختتام ہو گیا تھا۔

حضرت صاحب کی طالب علمی کا دوسرا دور بدایوں شہر میں گذرا جہاں آپ گیارہ برس کی عمر

۱۔ گیارہ برس کی عمر کا تعین مفتی عزیز احمد صاحب بدایونی کے بیان پر مبنی ہے۔ علاوہ ازیں "طالب علمی" کے زیر عنوان درج ہونیوالی اکثر معلومات مجھ تک حضرت صاحب موصوف دامت برکاتہ کی طرف سے پہنچی ہیں۔

۲۔ یہ بات حضرت صاحب مرحوم نے مجھے خود بتائی تھی کہ فارغ التحصیل ہونے کے وقت ان کی عمر انیس سال کی تھی جب آپ کی دستار بندی کی تقریب منعقد ہو رہی تھی۔ اس موقع پر حضرت صاحب کے چچازاد بھائی جناب عزیز خان مرحوم نے فارسی زبان میں یہ قطعہ تاریخ تحریر فرمایا تھا۔

چو احمد کہ بایار و خان است منضم — شدہ فارغ از علم دیں شکر حق
بہ نوک زباں گوہر سال سفتم — بگفتم لَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِیْماً

آخری مصرعے میں آیت کریمہ سے تیرہ سو چونتیس کے عدد برآمد ہوتے ہیں اور یہی آپ کے فارغ التحصیل ہونے کا سال ہے۔

میں (یعنی تقریباً ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۵ء میں) آ کر شمس العلوم[۳] میں داخل ہوئے۔ اس مدرسے میں آپ تین سال تک (یعنی ۱۳۲۵ھ تا ۱۳۲۸ھ = مطابق ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء) پڑھتے رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شمس العلوم بدایون میں علامہ قدیر بخش بدایونی مدرس تھے۔ حضرت صاحب ان کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ انہی دنوں مفتی عزیز احمد صاحب بدایونی[۴] اسی دار العلوم میں درس نظامی کے آخری اسباق پڑھ رہے تھے اور جیسا کہ بالعموم مدارس عربیہ میں متبدی طلباء کے بعض اسباق منتہی طلباء کے سپرد کیے جانے کی روایت رہی ہے اسی کے مطابق حضرت صاحب مرحوم نے یہاں صرف ونحو کے کچھ ابتدائی سبق مفتی عبدالعزیز صاحب سے بھی برائے مطالعہ کتب استفادہ کیا۔ جو بعد میں استاد علامہ قدیر بخش کو سنائے جاتے۔

مدرسہ شمس العلوم کے جس کمرے میں مفتی صاحب کو جگہ ملی تھی اس میں دوسرے بہت سے

۳۔ مدرسہ ''شمس العلوم'' بدایوں کے معروف مدارس میں شمار ہوتا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں اس مدرسے میں ہندو بلوائیوں نے خشت باری کی ۱۹۶۳ء میں اس مدرسے کے شیخ الحدیث مفتی محمد ابراہیم تھے۔ دیکھیے ''بدایوں ۱۹۴۷ء میں مولفہ محمد سلیمان بدایونی۔ مدرسہ شمس العلوم کی بنیاد ---- مولانا عبدالماجد بدایونی نے رکھی تھی۔

۴۔ مفتی عزیز احمد صاحب مدظلہ اس وقت ہمارے علماء میں ایک محترم اور بزرگ شخصیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ۱۹۰۱ء میں آنولہ (بریلی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ محمدیہ بدایونی میں پائی۔ پھر شمس العلوم میں مولانا احمد الدین سواتی (جبیری ریاست سوات) مولانا شاہ محمد ابراہیم بدایونی اور مولانا داحد حسین بدایوانی (قلمبند علامہ برکات ٹونکی) سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ فراغت پر مدرسہ قادریہ بدایون میں مدارس مقرر ہوئے۔ کوناہ چھاؤنی (ریاست گوالیار) اور جبیر (پونا) میں بھی مدرس رہے جب مفتی صاحب ریاست گوالیار میں تھے تو شدھی کی تحریک زوروں پر تھی۔ انہوں نے اس موقع پر اپنے علاقے میں تبلیغی جلسوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ مفتی صاحب ۱۹۴۳ء میں لاہور آ گئے تھے اور جب سے گڑھی شاہو میں مقیم ہیں۔ وہاں مسجد، عیدگاہ (اور اب جامعہ نعیمیہ) میں جماعت پنجگانہ آپ ہی کراتے ہیں استاد گرامی مفتی احمد یار خان قدس سرہ، مفتی صاحب کو اپنے واجب الاحترام بزرگوں میں شمار کرتے تھے۔ جب میں گجرات سے لاہور منتقل ہونے لگا تو مجھے فرمایا: ''لاہور میں تین شخصیتوں کی خدمت میں حاضر ہوتے رہنا۔ سید معصوم شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) مفتی عزیز احمد صاحب اور سید ابوالبرکات صاحب۔''

طلباء بھی رہائش پذیر تھے اور اکثر شور و شغب کا ماحول بنا رہتا جس سے مفتی صاحب کو پریشانی ہوتی۔ اس سلسلے میں ایک دفعہ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کو اس دور کا یادگار واقعہ بن گیا۔ ایک رات طلب علموں نے اس قدر غل غپاڑہ مچایا اور اتنی دیر تک ہنگامہ آرائی جاری رہی کہ حضرت صاحب اپنے اسباق کا مطالعہ بالکل نہ کر سکے۔ صبح علامہ قدیر بخش (رحمۃ اللہ علیہ) کی کلاس میں نحو میر کا سبق پڑھنے بیٹھے تو انتہائی توجہ اور یکسوئی کی کوشش کے باوجود سبق کی قطعاً سمجھ نہ آئی۔ علامہ استاد سبق کی تقریر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور حضرت صاحب شروع کے حصے کی سمجھ نہ پڑنے پر پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ بالآخر مفتی صاحب بے اختیار رو پڑے۔ استاد محترم نے یہ منظر دیکھا تو فرمانے لگے۔

> ''احمد یار کیا ماجرا ہے۔ آخر خود کردہ را علاج نیست مطالعہ بھی نہیں کیا اور سبق سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہو۔''

اس کے ساتھ ہی حضرت علامہ نے اسباق میں باوضو بیٹھنے کی رغبت دلائی۔ علامہ استاذ کی یہ نگاہ کشف و بصیرت دیکھ کر مفتی صاحب تصویر حیرت بن کر رہ گئے۔ دل میں طے کیا کہ آئندہ کلاس میں باوضو آنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کے بعد رات کا وہ سارا ماجرہ استاذ محترم کو سنا دیا جو مطالعہ نہ کر سکنے کا باعث بنا تھا۔ حضرت علامہ قدیر بخش نے اسی وقت ہدایات جاری کر دیں کہ احمد یار خان کے لئے فوری طور الگ کمرے میں رہائش کا انتظام کیا جائے اور اس کمرے میں دوسرا طالب علم عزیز احمد بدایونی احمد یار کے ساتھ رہے اس نئے انتظام سے مفتی صاحب کی تمام پریشانیاں دور ہو گئیں، شور و غل سے نجات ہوئی اور مزید لطف یہ کہ مفتی عزیز احمد صاحب جیسے محنتی اور سمجھدار طالب علم کی رفاقت بھی مہیا ہو گئی۔ اس دور میں مفتی صاحب نے خوب دل لگا کر مسلسل محنت اور شوق سے علم حاصل کیا۔

مفتی عزیز احمد صاحب بدایونی کے بیان کے مطابق مفتی صاحب مرحوم اپنے عہد طالب علمی

میں اسباق کے مطالعہ اور تکرار کے از حد پابند تھے۔ وہ ہمیشہ کافی رات گئے تک آئندہ صبح کے اسباق کا مطالعہ دیکھتے اور استاذ کی کلاس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے رفقاء کے ساتھ سبق کے اعادۂ تکرار کے لئے بیٹھ جاتے۔ جس میں وہ استاذ کی تقریر سبق کو مکمل دہرا دیتے۔ اس کے بعد وہ سوالات و جوابات بھی پوری تفصیل کے ساتھ سناتے۔ اس پر مزید یہ کہ اکثر اوقات نئے اعتراضات اور ان کے جوابات اپنی طرف سے بھی ساتھی طالب علموں کے سامنے پیش کرتے اور کوئی بات الجھن پیدا کر دیتی تو استاذ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے رفع کرا لیتے۔ اھر مفتی صاحب کی اپنی پیش کردہ کوئی بات استاذ کی محترم کے ہاں غلط قرار دی جاتی تو مفتی صاحب اپنے ساتھیوں میں آکر اس بات کی نشاندہی بھی کرتے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے۔ مفتی صاحب اس سلسلے میں کہا کرتے:

> میں جب تک اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کر لیتا اس وقت تک میرے دل و دماغ میں ایک ہیجانی کیفیت برپا رہتی ہے۔

مفتی عزیز احمد صاحب کی رفاقت حضرت صاحب مرحوم کیلئے بڑی عزیز اور ناگزیر بن گئی تھی ان کے سوا ہم سبق طلباء میں ایسا کوئی نہ تھا جسے اسباق کے مطالعے اور تکرار و اعادہ کا ایسا بے پناہ شوق ہوتا جیسا کہ ان میں تھا مگر مفتی عزیز احمد صاحب کے اوقات ایک دوسری مصروفیت میں صرف ہونے لگے۔ وہ یہ کہ انہیں مولانا شاہ عبدالقدیر کے صاحبزادے عبدالھادی (عرف محمد میاں) کی تعلیم کا کام سونپ دیا گیا اور اس سلسلے میں مفتی عزیز احمد صاحب کو اکثر و

۱۔ مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ حضرت تاج الفحول محب رسول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ العزیز کے صاحبزادے تھے۔ نواب حبیب الرحمٰن خان شیروانی صدر الصدور کے بعد انہیں ریاست حیدر آباد کا مفتی مقرر کیا گیا۔ مفتی عزیز احمد بدایونی مولانا عبدالقدیر کے بڑے بھائی۔ مولانا عبدالمقتدر بدایونی قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اس لئے اس خاندان کے ساتھ وہ علاقۂ ارادت رکھتے ہیں۔

۲۔ مولانا عبدالھادی، محمد میاں نے بعد میں اعلےٰ تعلیم الہ آباد یونیورسٹی میں پائی۔ وہ آج کل جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں غالباً پروفیسر ہیں۔

بیشتر سفر پر بھی جانا پڑتا۔ مفتی مرحوم کیلئے یہ صورت حال کافی حد تک باعث حرج بن گئی اور بالآخر حضرت صاحب مدرسہ بدایون کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ مفتی عزیز احمد صاحب کے بیان کے مطابق مفتی صاحب قدس سرہ بدایون کے مدرسہ شمس العلوم میں تین برس تک پڑھتے رہے اور ان کے اسباق نور الانوار تک پہنچ گئے تھے۔

بدایون کی طالب علمی کے دوران میں ہی حضرت صاحب اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضری کیلئے بریلی تشریف لے گئے۔ خود حضرت صاحب مرحوم نے مجھے بتایا تھا کہ میں ایک دفعہ اعلیٰ حضرت کو دیکھنے کیلئے بریلی شریف حاضر ہوا تھا۔ میرے سوال پر آپ نے فرمایا۔ میری عمر اس وقت کوئی دس بارہ برس کے لگ بھگ ہوگی اور بدایوں سے گیا تھا۔ اس کے بعد مزید ارشاد فرمایا ان دنوں ۲۷ رجب قریب تھی اور اعلیٰ حضرت کے ہاں تقریب معراج کی تیاریاں زوروں پہ تھیں آپ اس تقریب کیلئے بڑا اہتمام فرماتے۔ مہمانوں کی کثیر آمد ہوتی اور ان کے کھانے اور قیام کے انتظامات کی خود نگرانی کرتے۔ اس مصروفیت کے باعث ہمیں صرف ایک مجلس میں حاضری نصیب ہو سکی جس میں اعلیٰ حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اب مفتی عزیز احمد صاحب سے بھی اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے کہ بدایون کے دور میں ہی حضرت صاحب بریلی گئے تھے اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

بدایون کے بعد مفتی صاحب قدس سرہ کی طالب علمی کا تیسرا دور ریاست مینڈھو میں گذرا۔ یہاں والیانِ ریاست کے اہتمام سے ایک دار العلوم قائم تھا۔ جس کے نظم و نسق اور تعلیمی ماحول کے بارے میں آس پاس کے علاقوں میں عام رائے پائی جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کے اس مدرسے میں ملک کے دیوبندی اساتذہ کو تدریس کیلئے بلایا جاتا تھا چنانچہ جیسا کہ آگے چل کر ہم اس کتاب میں حضرت علامہ قاضی عبد السبحان قدس سرہ کے

ضمنی تذکرے میں بیان کریں گے۔ غور غشتی کیمبل پور کے مشہور زمانہ عالم استاذ العلماء حضرت علامہ قطب الدین غور غشتوی کو بھی کچھ عرصے کیلئے ریاست مینڈھو میں بسلسلہ تدریس بلایا گیا تھا جس دور میں حضرت صاحب مرحوم مینڈھو کے مدرسے میں پڑھتے رہے ہیں۔ اس دور کے اساتذہ مدرسین کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں ہوسکیں۔ مفتی عزیز احمد صاحب کے بیان کے مطابق یہ مدرسہ اس وقت دیو بندی مسلک کا حامل تھا اور حضرت صاحب مرحوم پر اس مدرسے کی طالب علمی کے اثرات پڑے تھے۔ خود حضرت صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے۔ دیو بندی اساتذہ کے پاس ایک عرصہ تک پڑھنے سے میں یہ سمجھنے لگ گیا تھا کہ علمی تحقیق کا کمال تو بس اسی گروہ میں پایا جایا ہے لیکن جب صدر الافاضل قدس سرہ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھے اعلیٰحضرت کا ایک رسالہ: ''عطایا القدیر فی احکام التصویر'' مطالعے کیلئے دیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ مذکورہ بالا تاثر کا تعلق مینڈھو کے دور طالب علمی ہی سے ہے۔ مینڈھو میں قیام کا زمانہ دور غالباً تین چار برس پر مشتمل ہوگا اور یہ زمانہ ۱۳۳۸ھ تا ۱۳۴۱ھ (۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء) کے لگ بھگ ہونا چاہئے۔

حضرت صاحب کے والد مسلک اور عقیدے کے اعتبار سے کٹر سنی حنفی تھے۔ انہیں حضرت صاحب کا مینڈھو کے مذکورہ مدرسے میں پڑھنا ناپسندیدہ محسوس ہونے لگا تھا چنانچہ ایک بار جب سالانہ تعطیلات کے موقعہ پر حضرت صاحب گھر آئے ہوئے تھے تو گھر والوں کے احساس کا اندازہ ہوا۔ مفتی عزیز احمد صاحب کا بیان ہے کہ اسی دور میں ان کی بھی ایک ملاقات حضرت صاحب مرحوم سے ہوگئی۔ جس مین بعض مسائل اختلافیہ پر بھی گفتگو چھڑی اور انہوں نے حنفی بریلوی مشرب کے خلاف مفصل دلائل بیان کیے اس وقت انہی دنوں ایک اتفاق یہ پیش آیا کہ مفتی صاحب مرحوم کے ایک چچا زاد بھائی جن کی مراد آباد میں ملازمت تھی۔ وہ بھی گھر آئے ہوئے تھے اور اب مراد آباد واپس جا رہے تھے۔ انہوں نے

حضرت صاحب پر زور ڈالا کہ آپ میرے ساتھ مراد آباد چلیں اور وہاں مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے ملاقات کریں چنانچہ حضرت صاحب مراد آباد پہنچے۔

مراد آباد جامعہ نعیمیہ میں مفتی صاحب کی ملاقات حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی سے ہوئی تو حضرت صدر الافاضل نے دریافت فرمایا:

”مولانا: کون سے اسباق پڑھتے ہیں آپ“

مفتی صاحب نے اپنے اسباق بتائے تو صدر الافاضل فرمانے لگے:

”کیا آپ ان اسباق کا امتحان دے سکتے ہیں۔“

مفتی صاحب امتحان کیلئے تیار تھے چنانچہ حضرت صدر الافاضل سوالات کرتے گئے اور مفتی صاحب جوابات دیتے گئے آخر میں بعض سوالات مفتی صاحب نے بھی حضرت صدر الافاضل پر کئے اور ان کی شافی جوابات حاصل کئے۔ مفتی صاحب نے اپنے سامنے علم وحکمت کا دریا موجزن پایا تو ادھر سید صدر الافاضل قدس سرہ نے بھی اس نوعمر مگر فاضل طالب علم میں جوہر قابل تاڑ لیا۔ علم وفلسفہ کی طویل اور دقیق گفتگو کے بعد صدر الافاضل نے فرمایا:

”بھئی مولانا! علم کے ساتھ حلاوت علم بھی ہو تو استقامت عطا ہوتی ہے اور انشراح صدر کی دولت ملتی ہے۔

مفتی صاحب نے دریافت کیا: ”حلاوت علم سے مراد“

حضرت نے جواب میں فرمایا:

”حلاوت علم تو حضور علیہ السلام کی ذات سے نسبت قائم رکھنے سے ہی حاصل ہوسکتی ہے لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی۔“

یہ باتیں حضرت صاحب کو اپنے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کے ساتھ یہ ملاقات حضرت صاحب کی زندگی میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بعد حضرت صاحب مراد آباد جامعہ نعیمیہ میں داخل ہو گئے اور حضرت صدر الافاضل نے حضرت صاحب کو ان کے مطلوبہ معقولات کے اعلیٰ اسباق شروع کرا دیئے اسباق شروع تو کرا دیئے مگر حضرت کی گوناگوں مصروفیات، ان کے پاس، فراغت اور سکون کے لمحات کم ہی چھوڑتی تھیں نتیجہ اسباق میں ناغے ہونے لگے۔ تنگ آ کر حضرت صاحب ایک بار مراد آباد سے نکل کھڑے ہوئے۔ صدر الافاضل کو علم ہوا تو انہوں نے آدمی بھجوا کر حضرت صاحب کو واپس بلوایا اور طے کیا کہ آئندہ حضرت صاحب کی تعلیم کا حرج نہیں ہونے دیا جائے گا۔ اس کا طریقہ اس کے سوا دوسرا کوئی نہ تھا کہ چوٹی کا کوئی مدرس مستقل طور پر دار العلوم میں موجود ہو چنانچہ حضرت صدر الافاضل نے حضرت علامہ مشتاق احمد کانپوری سے رابطہ قائم کیا جو اپنے وقت میں معقولات کے امام اور نہایت اونچے پائے کے استاذ شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے یہ شرط پیش کی کہ میرے ساتھ میرے ان تمام طلباء کے قیام و طعام کا انتظام بھی آپ کے ذمے ہوگا جو اس وقت میرے پاس اسباق پڑھ رہے ہیں۔ حضرت صدر الافاضل نے یہ شرط منظور فرمالی اور حضرت علامہ کانپوری کو جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں بلا لیا گیا۔ حضرت صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں حضرت علامہ کا مشاہرہ اسی (۸۰) روپیہ مقرر ہوا تھا۔ علامہ کانپوری کی آمد سے حضرت صاحب کی طالب علمی کا ایک نرالا دور شروع ہوا۔ استاذ اپنے زمانے کا مانا ہوا معلم و امام اور شاگرد اپنے وقت کا ذہین ترین اور شوقین ترین طالب علم۔ اس کے ساتھ مزید یہ کہ شاگرد کو ہر گھڑی یہ احساس کہ یہ علامہ زمان استاذ محض میری تعلیم کی خاطر یہاں بلائے گئے ہیں اور بہر نوع استاذ گرامی کو بھی یہ بات ملحوظ خاطر لازماً رہتی ہوگی کہ یہ وہ لڑکا ہے جس کیلئے ہمیں کانپور سے کھینچ لایا گیا ہے۔

حضرت علامہ[1] مشتاق احمد جس وقت مراد آباد تشریف لائے ہیں یہ عربی مدارس کے تعلیمی سال کا درمیان تھا یعنی رمضان کے بعد نئے داخلے ہو کر کچھ وقت گذر چکا تھا اور طلبہ کے اسباق شروع ہو چکے تھے یہی باعث تھا کہ علامہ نے اپنے مراد آباد منتقل ہونے کو مشروط کیا کہ میرے طلباء جن کے سبق شروع ہو چکے ہیں میرے ساتھ رہیں گے۔ درمیان سال انہیں چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا سکتا، حضرت علامہ نے مراد آباد جامعہ نعیمیہ میں اس سال کا بقیہ حصہ پورا کیا مگر اگلے سال انہیں میرٹھ میں بڑے اصرار کے ساتھ بلایا جا رہا تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر علامہ مشتاق احمد کانپوری نے حضرت صدر الافاضل سے یہ کہہ کر اجازت حاصل کر لی کہ آپ کے اس طالب علم احمد یار خان کو میں اپنے ساتھ میرٹھ لئے جاؤں گا۔ سید صدر الافاضل نے یہ بات منظور فرمائی اور وقت کا یہ ممتاز قافلۂ علمی مراد آباد سے میرٹھ روانہ ہو گیا۔ مراد آباد اور میرٹھ ہی میں حضرت صاحب کی طالب علمی کا وہ زمانہ گذرا ہے جس میں شیخ القرآن ابوالحقائق علامہ عبدالغفور ہزاروی علیہ الرحمۃ بھی ان کے ساتھ حضرت علامہ مشتاق احمد کے پاس پڑھتے رہے ہیں۔ علامہ ہزاروی[2] ان طلباء میں شامل تھے جو کانپور سے حضرت علامہ کانپوری کے ساتھ مراد آباد آئے تھے۔ اس طرح مرحوم نے کانپور، مراد آباد اور میرٹھ تینوں مقامات پر علامہ کانپوری سے پڑھا، حضرت صاحب اور ہزاروی صاحب بعد

---

[1] علامہ مشتاق احمد کانپوری کا خاندان علم وفضیلت میں ممتاز تھا۔ ان کے بڑے بھائی مولانا نثار احمد کانپوری اردو زبان کے بلند پایہ خطیب شمار ہوتے تھے اور انہیں بلبل ہند کہہ کر پکارا جاتا تھا افسوس کہ نزھۃ الخواطر جیسی کتب تذکرہ میں ان لوگوں کے احوال درج نہیں کیے گئے۔

[2] حضرت علامہ ہزاروی دینیات کی اعلیٰ تعلیم کے لئے بریلی میں بھی پہنچے تھے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بڑے صاحبزادے مولانا شاہ حامد رضا خان قدس سرہ کا دور تھا۔ ہزاروی صاحب نے ان کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا انہوں نے اپنے اس قابل تلمذ کو "ابوالحقائق" کا لقب عطا فرمایا اور ان کی فراغت کے بعد انہیں جامعہ رضویہ بریلی میں صدر مدرس مقرر کیا۔ علامہ ہزاروی کی اپنے وطن میں دوبارہ دستار بندی استاذ العلماء حضرت علامہ قطب الدین غورغشتوی کے دستِ مبارک پر بھی ہوئی۔ علامہ ہزاروی مرحوم پر ایک نوٹ آئندہ اوراق میں بھی آرہا ہے، مفصل نوٹ اس کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں انشاء اللہ درج کیا جائے گا۔

میں اپنی عملی زندگی کے آخری دور میں پنجاب میں اکھٹے ہوگئے مگر ایک عرصہ تک انہیں اپنے استاذ بھائی ہونے کے حوالے سے تعارف نہ ہوسکا یہ ایک سفر کا واقعہ ہے کہ ٹرین میں بیٹھے ہوئے دونوں بزرگوں کی اپنے دور طالب علمی پر کچھ بات چیت ہوئی تو دونوں نے اس زمانے کی یادوں اور نشانیوں سے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور اٹھ کر بغلگیر ہوگئے۔ اس واقعے کی تفصیل اس کتاب کے آئندہ مضامین (ہسپتال کی ڈائرٹی) میں آرہی ہے۔ مراد آباد اور میرٹھ میں حضرت صاحب کا یہ عرصہ طالب علمی جوان کی طالب علمی کا آخری دور تھا مجموعی طور پر دواڑھائی برس یا زیادہ سے زیادہ تین برس پر مشتمل ہوگا۔ بہرنوع انیس برس کی عمر میں حضرت صاحب قدس سرہ تعلیم سے فارغ ہوگئے۔ اس موقع پر ایک عزیز نے قطعہ تاریخ تحریر کیا جس میں مفتی صاحب کا سال فراغت (۱۳۳۴ھ بمطابق ۱۹۱۴ء ۱۹۱۵ء) کا زمانہ لَقَدْ فَوْزٌ عَظِیْمٌ سے نکالا گیا[1] تھا۔

طالب علمی کا یہ آخری زمانہ حضرت صاحب کی آئندہ زندگی پر گہرے اثرات چھوڑ گیا۔ معقولات میں مہارت وتجربے کا سرمایہ انہیں علامہ مشتاق احمد کانپوری سے ملا اور علوم دین کے ساتھ خادمانہ وابستگی نیز مرکز دین حضور رحمۃ اللعلمین کے ساتھ والہانہ وابستگی کی دولتِ دارین، حضرت صاحب نے حضرت سیّد صدر الافاضل کے منبع حکمت ومحبت سے پائی۔ مجھے خوب یاد ہے جن دنوں ہم لوگ حضرت صاحب سے صدرا اور حمداللہ کے اسباق پڑھتے تھے، ان دنوں میں وہ حضرت علامہ کانپوری کی یادوں کو باربار دہرایا کرتے تھے۔ غالباً یہ اسباق حضرت صاحب نے علامہ مرحوم سے پڑھے تھے اور محسوس ہوتا تھا کہ تیس پینتیس برس پہلے کے گذرے ہوئے ایام کا مکمل نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا اُس دور کی اپنے

۱۔ دیکھیے صفحہ ۱۰۵
۲۔ تفصیل کیلئے دیکھیے پیچھے صفحہ ۶۰ (حاشیہ میں)

اساتذہ کی فرمائی ہوئی مختلف اسباق سے متعلقہ تقریریں انہیں اکثر و بیشتر اب تک محفوظ تھیں۔ فرماتے تھے۔"ہمارے استاذ مولانا مشتاق احمد کانپوری علم و فضل میں صاحب مقام ہونے کے ساتھ بڑے صاحب دبدبہ بھی تھے۔ طلباء کو خوب محنت کے ساتھ پڑھاتے اور سزا بھی خوب دیتے تھے۔ کبھی کبھی سزا کا اپنا ایک خاص طریقہ استعمال کرتے۔ وہ یہ کہ شہادت کی انگلی اور انگوٹھے میں چند چنے لے کر طالب علم کے کان میں رکھتے اور چٹکی بھر لیتے۔ کبھی کبھار زیادہ غصے کی حالت میں کتاب یا تپائی جو چیز سامنے ہوتی اٹھا کر دے مارتے۔ مگر بعد میں بانداز شفقت فرمایا کرتے:"بیٹا میری یہ مار تمہاری زندگی سنوار دے گی۔" میں سمجھتا ہوں کہ اپنے استاد کا یہ رنگ طبیعت حضرت صاحب پر بھی اثر انداز ہوا تھا۔ حضرت صاحب بھی پڑھانے کے وقت سخت غصہ کرنے والے اور فوراً سزا دینے والے استاذ تھے۔ میرا شمار اچھے طالب علموں میں ہوتا تھا۔ مگر میں نے "حمد اللہ" اور "خیالی" جیسے اونچے اسباق میں بھی ایک دوبار ان سے مار کھائی اور میں تو پھر ابھی ایک بچہ تھا نہ داڑھی نہ مونچھ۔ مفتی صاحب مرحوم تو بارلیش و دراز شیوخ طلباء کا بھی سزا کے معاملے میں لحاظ نہیں کرتے تھے مگر بعد میں جب غصہ فرو ہو جاتا تو بڑی شفقت اور دل جوئی بھی فرماتے، بعض اوقات صاف پتہ چلتا تھا کہ انہیں احساس ہو جاتا کہ آج میں نے زیادہ سخت سزا دی ہے۔ ایسی صورت میں اس طالب علم سے بعد میں دیر تک شفقت آمیز باتیں کرتے رہتے اور فرماتے: "میری مار تمہارے کام آئے گی اور کبھی اس دور کو یاد کیا کرو گے۔" واقعی اب ہم اس دور کو یاد کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ عظیم لوگ ہم سے کس قدر جلد رخصت ہو گئے۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد روئے گل سیر ندیدم کو بہار آخر شد

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے رسمی اسباق کی شکل میں حضرت صاحب کو بہت کم پڑھایا مگر ان کی حکیمانہ نگاہ اور مومنانہ بصیرت نے حضرت صاحب کے لئے تربیت کے ایسے موثر

سانچے تجویز کئے کہ ان کے دل ودماغ اور طبع ومزاج ساری شخصیت کا رنگ ہی تبدیل ہو کر رہ گیا۔ حضرت صاحب خود فرمایا کرتے تھے۔ ”میرے پاس جو کچھ ہے سب حضرت صدرالافاضل کا عطا کردہ ہے۔“

حضرت صاحب کو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ساتھ تعلق خاطر بھی صدرالافاضل ہی کی وساطت سے حاصل ہوا۔ صدرالافاضل نے سب سے پہلے انہیں اعلیٰ حضرت کا رسالہ ”عطایا القدیر فی احکام التصویر“ مطالعے کیلئے مرحمت فرمایا۔ اس رسالے میں حضرت صاحب کو فاضل بریلوی کی عظمت علمی کا پہلی بار احساس ہوا اور پھر ان کے ساتھ علاقہ عقیدت زندگی کا سرمایہ بن گیا۔[1]

حضرت صاحب نے روایتِ حدیث کی اجازت اور سند حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ سے ہی پائی تھی اور آگے اپنے تلامذہ کو یہی عطا فرماتے تھے چنانچہ راقم الحروف کی سند درج ذیل سلسلہ اساتذہ پر مشتمل ہے جو حضرت صاحب نے دورۂ حدیث سے فراغت پر ہمیں عطا کی:[2]

۱۔ السّید احمد طحطاوی محشی درِّ مختار

۲۔ السّید محمد بن حسین الکتبی الخطیب و مفتی الحناف بالبلدۃ الحرام

۳۔ السّید محمد الکتبی الخطیب و الامام بالبلدۃ الحرام

۴۔ السّید محمد مکی خلوتی الخطیب و المدرس بالمسجد الحرام

۵۔ مولانا محمد گل

۱۔ اس واقعے کے لئے اس کتاب کا صفحہ ۱۷۸ بھی دیکھیے

۲۔ میرے ساتھ میرے محترم رفقاء مولانا حافظ سید علی بن محمد علی سکنہ کملہ (کھاریاں، گجرات) اور پیرزادہ محمد مسعود الحسن (بن پیر محمد سعید قدس سرہ) چورہ شریف بھی سند دورۂ حدیث حاصل کی اول الذکر حافظ صاحب جامع عیدگاہ گجرات اور مسجد میاں جلال محلہ خوجگان میں اپنے قائم کردہ دینی مدرسہ کے مہتمم ہیں اور موخر الذکر صاحبزادہ مسعود صاحب کھوڑ ہائی سکول (کیمبل پور) میں ادبی و دینیات کے استاذ ہیں۔

۶۔ مولانا نعیم الدین سید

۷۔ المفتی احمد یار خان حکیم الامت

لـــــ عبدالنبی ـــــا قاضی کوکب

اس ترتیب میں سلسلہ شیوخ اوپر کی طرف گیا ہے یعنی اوپر کا شخص نیچے درج ہونے والے کا شیخ واستاذ ہے۔

عملی زندگی

مختلف ادوار کا تعارف

حضرت صاحب قدس سرہ کی سیرت میں عملی سے مراد، تدریس، فتویٰ، خطبہ و موعظت اور تصنیف و تالیف و پابندیِ عبادت کی زندگی ہے انہوں نے طالب علمی کا دور بھی محنت اور جانفشانی سے گذارا تھا اور علمی زندگی میں بھی وہ مسلسل جدوجہد اور ذوقِ عمل کی تصویر بنے رہے۔ غالباً جب وہ ریاست مینڈھو میں پڑھتے تھے تو کھانا تقسیم ہونے کے موقع پر وہ طلباء کی قطار میں سب سے پیچھے رہ جاتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہمیشہ عمدہ کھانا اور سالن ان سے پہلے ہی ختم ہو جاتا اور اکثر اوقات انہیں روکھی روٹی حصے میں آتی۔ یہ منظر دیکھ کر معمر باورچی کہا کرتا: ''احمد یار' کھانے پر جھپٹنے والے اکثریوں ہی رہ جائیں گے علم کے آفتاب تم ہی بن کر چمکو گے۔'' کسی دوسرے مدرسے یا اسی مدرسے کی بات ہے کہ رات مطالعے کے لئے جو تیل ملتا تھا وہ تقریباً نصف شب تک چلتا تھا مگر مفتی صاحب کا کاروانِ شوق ہمیشہ نصف شب سے آگے بڑھ جایا کرتا تھا اس لئے مدرسے کا چراغ گل ہونے کے بعد وہ مدرسے سے باہر نکل آتے اور گلی کی بتی میں بیٹھ کر مطالعہ کرنے لگ جاتے۔ ایسا ہی ذوقِ محنت اور جذبۂ عمل تدریس اور تصنیف کی زندگی میں بھی ان کے ساتھ ہم رکاب رہا۔ انہوں نے آرام اور راحت کے زمانے میں بھی طلباء کی تدریس کا کام محنت اور فکر مندی کے ساتھ کیا اور ان کا قلم ضعف اور بیماری کے ایام میں بھی عرصۂ تصنیف میں مسلسل گرم رفتار رہا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت صاحب ۱۳۳۴ھ (مطابق ۱۹۱۴ء/ ۱۹۱۵ء) میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ اس کے بعد وہ آخری ایام حیات تک مختلف مقامات پر دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کا وصال ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۱ء) میں ہوا ہے۔ اس طرح پچاس سال

یعنی تقریباً نصف صدی تک خدمتِ دین وتہذیب کا یہ چراغ اپنے خونِ جگر سے روشن رہا۔ اس زندگی کا آغاز اجھیانی بدایون اور مراد آباد جامعہ نعیمیہ سے ہوا تھا اور اس کی انتہا گجرات مدرسہ غوثیہ نعیمیہ میں ہوئی۔ درمیان میں یہ دریا دھوراجی (کاٹھیاواڑ) کچھوچھہ شریف اور بھکھی میں بھی بہتا رہا۔

دستارِ فضیلت باندھنے کے ساتھ ہی حضرت صدر الافاضل نے حضرت صاحب کو جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں تدریس کے فرائض سونپ دیئے تھے۔ مفتی صاحب نے جلد ہی اپنے کو ایک کامیاب مدرس ثابت کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی جامعہ نعیمیہ میں فتویٰ نویسی وفتویٰ تدریسی کی خدمات بھی حضرت صاحب کے سپرد کر دی گئیں بعض احباب کے خیال کے مطابق تصنیف و تالیف کے کام کی داغ بیل بھی اسی زمانے میں ڈالی گئی۔ چنانچہ "علم المیراث" کا ابتدائی خاکہ ان احباب کے نزدیک حضرت صاحب نے اس زمانے میں مراد آباد میں مرتب کر لیا تھا اور حضرت استاد سے اس سلسلے میں مشورہ اور رہنمائی بھی حاصل کی تھی۔ جہاں تک حضرت استاذ سے رہنمائی حاصل کرنے کا تعلق ہے وہ تو حضرت صاحب اپنے ہر کام میں حاصل کرتے رہے اور حضرت استاد ہی کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے رہے یقیناً "علم المیراث" جو قبلہ صاحب کی پہلی تالیف تھی کے سلسلے میں حضرت صدر الافاضل سے مشورہ کر لیا ہوگا مگر اس کے پیش لفظ میں یہ تشریح خود مفتی صاحب نے فرمائی ہے کہ یہ رسالہ ۱۳۵۲ھ میں جبکہ وہ مدرسہ مسکینیہ دھوراجی میں مدرس تھے تحریر کیا گیا۔

حکیم الامت مفتی صاحب مراد آباد میں تدریس وفتویٰ کے خدمت انجام دے رہے تھے دھوراجی کاٹھیاواڑ کے مدرسہ مسکینیہ کے منتظمین کی طرف سے حضرت صدر الافاضل کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ دھوراجی میں ایک ایسا جامع الصفات عالم دین روانہ کیا جائے جو تدریس فتویٰ اور خطابت تمام خدمات دینی کو بطریق احسن انجام دے سکتا ہو۔ اس

درخواست کے جواب میں صدرالافاضل قدس سرہ نے مفتی صاحب کو دھوراجی جانے کی ہدایت فرمائی۔ مفتی صاحب اس وقت عمر اور شکل وصورت سے نوخیز دکھائی دیتے تھے۔ جب وہ دھوراجی ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو استقبال کرنے والوں کو حیرت ہوئی کہ صدرالافاضل نے یہ طالب علم سا آدمی ہمارے دارالعلوم کے لئے بھیجا ہے۔ خیر وہ لوگ چپکے ہو رہے۔ دوسرے روز مفتی صاحب مدرسہ مسکینیہ کی مسند تدریس پر بیٹھے اور حدیث کا کوئی سبق شروع کرایا۔ جس کے آغاز پر انہوں نے اصول حدیث کے بعض بنیادی مباحث پر فاضلانہ تقریر کی۔ اس مجلس میں مدرسہ کے منتظم اعلیٰ حاجی سیٹھ ولی محمد صاحب اور دیگر اراکین بھی موجود تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی عمر اور چہرہ دیکھ کر جس قدر یہ لوگ مایوس ہوئے تھے مسند درس پر حضرت مفتی صاحب کے دریائے علم کی روانی اور گہرائی کا حال معلوم ہونے پر اسی قدر وہ لوگ مسرور بھی ہوئے چنانچہ مجوزہ مشاہرے میں پہلے دن کی مذکورہ بالا کیفیت دیکھ کر ہی اضافہ کر دیا گیا اور اب وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ صدرالافاضل نے ہمارے پاس ''بحرالعلوم'' بھیج دیا ہے۔ مفتی صاحب دھوراجی میں مدرسہ مسکینیہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے تقریباً 9 برس تک کام کرتے رہے۔ اس دوران میں متعدد بار حدیث شریف کا دورہ ختم کیا گیا اور بیسیوں طلباء فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ سے نکلے۔ اس مدرسے میں بنگال کے طالب علموں کی اکثریت ہوتی تھی چنانچہ آج بھی بنگال میں بعض مقامات پر اسی دور کے حضرت قبلہ صاحب کے شاگرد علمائے دین موجود ہیں دھوراجی کے زمانے میں تقریباً دوسرے تیسرے سال میں حضرت صاحب شادی ہوئی جس کیلئے وہ وطن اچھیانی گئے۔ خطبۂ نکاح صدرالافاضل قدس سرہ نے پڑھا۔ اسی دور میں مفتی صاحب نے اپنی پہلی تالیف علم المیراث مرتب کی کو ۱۳۵۲ھ میں پہلے گجراتی زبان میں شائع کیا گیا اور بعد میں اس کا اردو ایڈیشن چھاپا گیا۔ دھوراجی کے زمانے کے تلامذہ میں حضرت صاحب

کے ایک نامور شاگرد جناب مولانا آل حسن سنبھلی اشرفی ہیں۔ انہوں نے علم المیراث کے آغاز پر ایک مختصر پیش لفظ دیباچہ تحریر کیا تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا ریاض الحسن سنبھلی گجرات (پاکستان) کے دور میں حضرت صاحب سے پڑھتے رہے ہیں۔

کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ مسکینیہ (دھوراجی) گردش لیل ونہار میں آ کر مالی مشکلات کا شکار ہو گیا اور کچھ دیگر پریشانیاں بھی حضرت صاحب کے لئے نمودار ہونے لگی تھیں۔ بالآخر وہ اپنے وطن اوجھیانی واپس چلے گئے اور مراد آباد صدر الافاضل قدس سرہ کی خدمت میں اپنے حالات کے بارے میں خط لکھ دیا چنانچہ جلد ہی صدر الافاضل نے انہیں مراد آباد بلا لیا اور جامعہ نعیمیہ میں تدریس وغیرہ کی خدمات دوبارہ ان کے سپرد ہوئیں۔ علامہ مفتی محمد حسین صاحب نعیمی (مہتمم جامعہ نعیمیہ لاہور) اسی زمانے میں تمام اسباق حضرت صاحب قدس سرہ سے پڑھتے رہے اور مرحوم حکیم مولانا غلام الدین نعیمی بھی اس زمانے کے تلامذہ میں شامل تھے یہ دور دھوراجی کے آخری ایام سے مفتی صاحب کیلئے عسرت اور مالی تنگی کا زمانہ تھا ان ایام میں حضرت صاحب کے اہل خانہ اپنی تھوڑی سی آبائی جائیداد کے کرائے پر گذر اوقات کرتے رہے جو نو روپیہ ماہوار کے لگ بھگ ہوتا تھا۔ بہرنوع ان کا قافلہ حیات صبر و شکر کے ساتھ منزل کی طرف رواں دواں رہا۔

اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس دفعہ حضرت صاحب قدس سرہ، مراد آباد میں تقریباً ایک سال رہے۔ انہی ایام میں حضرت اشرفی میاں (المعروف، میاں صاحب) سجادہ نشین کچھوچھہ شریف نے صدر الافاضل سے کوئی قابل مدرس اپنے دار العلوم کیلئے طلب کیا چنانچہ حضرت صاحب کو کچھوچھہ شریف روانہ کر دیا گیا غالباً حضرت صاحب کچھوچھہ شریف میں تین برس کے لگ بھگ تدریس اور افتاء کی خدمات ادا کرتے رہے۔ حضرت میاں صاحب ان پر بہت شفیق تھے۔ مفتی صاحب نے اولاد نرینہ کیلئے دعا کی درخواست کی تو میاں صاحب نے

دعا فرمائی اور ساتھ ہی بشارت بھی دی کہ انشاء اللہ لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا نام ''ذوالفقار'' رکھنا بعد میں یہ نام ''محمد مختار'' میں تبدیل فرما دیا۔ اتفاق دیکھئے کہ مفتی صاحب کے گھر میں یہ صاحبزادہ (مفتی مختار صاحب) حضرت میاں صاحب کی وفات کے بعد پیدا ہوا۔ جس کا تاریخی نام ''ابو جواد محمد مختار'' تھا۔ (یہ بات غلط ہے نجانے کوکب صاحب نے ایسا کیوں لکھا جبکہ صحیح واقعہ اکثر اصحاب کو پتہ تھا اور کوکب صاحب کو بتایا بھی گیا تھا۔ صحیح یہ ہے حضرت صاحب اپنے چھوٹے بہنوئی محمد حیات خان مرحوم کیساتھ بدایون سے چل کر کچھوچھہ شریف دعا کے لئے ہی گئے۔ قبلہ میں میاں صاحب نے فرمایا میری پیٹھ سے اپنی پیٹھ جوڑ کو بیٹھو اور جب تک میں نہ اٹھوں تم بھی نہ اٹھنا۔ تقریباً دو گھنٹے بیٹھنے کے بعد میاں صاحب نے اٹھتے ہوئے فرمایا ہم نے اپنے دو بیٹے اللہ جل کریم سے تمہیں دلوا دیئے۔ دونوں کا نام ہمارے دونوں موجودہ بیٹوں کے نام پر رکھنا۔ ایک مختار دوسرے کا مصطفیٰ۔ اسی بشارت سے حضرت کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ دوسرے فرزند مصطفیٰ میاں اب موجودہ اقتدار احمد خان بالکل حضرت صاحب کی ہم شکل ہیں) اس سے ۱۳۵۶ھ کا سال برآمد ہوتا ہے۔ اس تاریخ سے کچھوچھہ شریف میں مفتی صاحب کے قیام کے تعین زمانی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس دور میں درگاہ شریف کے بزرگوں کے کئی صاحبزادگان حضرت صاحب سے پڑھتے رہے۔ جن میں صاحبزادہ مختار اشرفی صاحب[1] (ولد حضرت اشرفی میاں قدس سرہ) بھی شامل تھے۔ بعض وجہ رافضیانہ کی بنا پر حضرت صاحب قدس سرہ اور بزرگان خانقاہ کے مابین کچھ اختلافی باتیں پیدا ہونے لگیں یا پیدا کی جانے لگیں تو آپ قبل اس کے کہ کوئی شیعہ، سنی ناپسندیدہ صورتِ حال رونما ہو اجھیانی واپس تشریف لے آئے اور حسب دستور حضرت صدر الافاضل کی خدمت میں اطلاع بھجوادی۔

۱۔ صاحبزادہ مختار اشرف صاحب موصوف کئی بار گجرات میں حضرت صاحب سے ملنے کیلئے حاضر ہوتے رہے ہیں۔

حضرت صدرالافاضل قدس سرہ نے لاہور میں علامہ سید ابوالبرکات (دامت برکاتہ) سے رابطہ قائم کرکے انہیں مطلع کر دیا ہوا تھا کہ مفتی احمد یار خان صاحب ان دنوں فارغ ہیں پنجاب میں تو علمائے دین کی اکثر و بیشتر ضرورت رہتی تھی سید صاحب نے حضرت سیّد صدرالافاضل کی خدمت میں درخواست کی کہ مفتی صاحب کو لاہور روانہ فرما دیا جائے۔ لاہور سے حضرت صاحب کو بھکھی ضلع گجرات میں مولانا سید جلال الدین شاہ صاحب کے دارالعلوم میں بھجوایا گیا۔ مگر مفتی صاحب کو یہاں کوئی دلبستگی پیدا نہ ہو سکی۔ دل برداشتہ ہو کر لاہور پہنچے اور ارادہ کر رہے تھے کہ وطن واپس چلے جائیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ صاحبزادہ سید محمود شاہ صاحب (ابن پیر سید ولایت شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) حزب الاحناف لاہور میں زیر تعلیم تھے۔ انہیں علم تھا کہ گجرات انجمن خدام الصوفیہ کے دارالعلوم کیلئے کسی جید عالم دین کی ضرورت ہے چنانچہ صاحبزادہ صاحب موصوف نے سید صاحب کی وساطت سے حضرت صاحب کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ وطن واپس نہ جائیں اور میرے ساتھ گجرات تشریف لے چلیں۔ اہل گجرات کی خوش بختی کہ حضرت صاحب کچھ انکار کے بعد پھر محمود شاہ کے بار بار عرض کرنے پر رضامند ہوئے۔ حضرت صاحب گجرات تشریف لائے اور پھر وہ گجرات کے اور گجرات ان کا ہو کر رہ گیا۔

گجرات میں حضرت صاحب قدس سرہ کوئی بارہ تیرہ برس کے قریب دارالعلوم خدام الصوفیہ میں صاحبِ اختیار صدر مدرس رہے اور اس کے بعد انجمن خدام الرسول کے ساتھ متعلق ہو گئے۔ یہ دور تقریباً دس برس کا تھا۔ اس کے بعد گذشتہ چھ برس سے اپنے مکان پر دارالعلوم اور دارالافتاء کی خدمات ادا کر رہے تھے۔ حضرت صاحب کی تمام تالیفات (ماسوائے علم المیراث کے) گجرات ہی کے زمانہ میں معرض وجود میں آئیں اور یہی حضرت صاحب قدس سرہ کہ زندگی کا اہم ترین زمانہ متصور ہوتا ہے۔ اس زمانہ کے احوال و آثار کیلئے مفصل بحث اور طویل صفحات کی ضرورت ہے۔ اسلئے ہم اس زمانے پر تفصیلی گفتگو انشاءاللہ آئندہ ایڈیشن میں کریں گے۔

گھر کی زندگی

اندرونِ خانہ کی زندگی میں بھی، حضرت صاحب کے ہاں بڑی باقاعدگی اور امن وسکون کا راحت بخش ماحول پایا جاتا تھا ان کی ازواج واولاد کو بھی ایسا علمی ودینی مزاج بخشا گیا کہ حضرت صاحب کی ازدواجی زندگی ان کے لئے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (القرآن مجید:۷۴) {پروردگارا! ہمیں ایسے بیوی بچے عطا کرنا جو ہمارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں} ' کی عمدہ تفسیر ثابت ہوئی۔

حضرت صاحب کا پہلا نکاح، شیخو پور ضلع بدایون کے ایک معزز افغان خاندان میں عبداللطیف خان کی صاحبزادی سے ہوا۔ ان دنوں حضرت صاحب دھوراجی (کاٹھیاواڑ) میں مدرس تھے۔ نکاح کی تقریب، اوجھیانی میں منعقد ہوئی۔ جس میں حضرت صدرالافاضل قدس سرہ بھی شریک ہوئے اور آپ ہی نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ حضرت صاحب کی یہ اہلیہ گجرات (پاکستان) کے دور تک زندہ رہیں۔ حضرت صاحب کی ساری اولاد ان ہی کے بطن سے ہے۔ ۲۳ مئی ۱۹۴۹ء[1] کو ان کا انتقال ہوا اور گجرات میں مدفون ہوئیں۔

راقم السطور نے مرحومہ سے قرآن پاک پڑھا، پانچ چھ برس کی عمر میں، میرے والد مرحوم نے مجھے حضرت صاحب کے سپرد کردیا تھا اور میری تعلیم کا آغاز، حضرت صاحب کے گھر میں ہوا، جہاں میری معلمہ، مفتی صاحب کی اہلیہ مرحومہ ہی تھیں۔ مرحومہ نہایت اعلیٰ اوصاف

۱۔ اسی تاریخ پر گجرات کے مسلم بازار چوک غلہ منڈی کے حصے میں آتشزدگی کا حادثہ پیش آیا، جس میں بیس سے کچھ زائد دکانیں، چند لمحوں میں جل کر راکھ ہوگئیں۔ ان میں سے اکثر دکانیں آتشبازی کے سامان سے بھرپور تھیں۔ میرے بڑے بھائی قاضی عبدالقیوم مرحوم ومغفور، جو محافلِ میلاد میں نعت خوانی کیا کرتے تھے، کی جنرل مرچنٹس کی دوکان بھی اسی بازار میں جل گئی اور بھائی جان بھی اس سانحے میں فوت ہوگئے ادھر ہم امی جان مرحومہ (حضرت صاحب کی اہلیہ) کی تجہیز وتکفین سے بمشکل فارغ ہوئے ہوں گے، کہ آتشزدگی کے اس سانحے اور اس میں بھائی کی موت کی خبر آپہنچی اور جب ہم گھر پہنچے تو ان کی لاش صحن میں پڑی تھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی حامل، بڑی نیک دل اور پارسا خاتون تھیں۔ وہ اپنے زیر تعلیم شاگرد بچوں اور بچیوں کو بھی اپنے پیٹ کی اولاد کی طرح عزیز رکھتی تھیں اور ہم لوگ انہیں امی جان کہہ کر ہی پکارا کرتے تھے۔ میرے بچپن کا اکثر حصہ، ان کے سایہ عاطفت میں گذرا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ تعلیم کے علاوہ، میری تربیت میں بھی ان کی توجہات کا بڑا دخل ہے، ان کی شفقتوں اور مہربانیوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ وہ بہترین قاریہ و معلمہ و مربیہ تھیں۔

مرحومہ ایک کھاتے پیتے گھرانے سے آئی تھیں اور حضرت صاحب کے ساتھ انہوں نے وطن سے ہزاروں میل دور، ایک لمبی رفاقت کے جملہ نشیب و فراز، کمالُ استقامت کے ساتھ گذارے تھے۔ جس میں فراخی کے دن بھی دیکھے۔ مگر عسرت اور شدت کے دنوں میں بھی انہوں نے صبر و شکر کی خاموش اور باوقار زندگی گذاری۔ مشکلات وشدائد یا گردش ایام کا کبھی کوئی شکوہ، ان کی زبان سے کسی نے نہ سنا۔ انہیں اپنے شوہر کے منصب دینی اور اس کے تقاضوں کا کامل احساس تھا، اس لئے امور خانہ داری سے لے کر بچوں کی تربیت تک اپنے تمام فرائض وہ اسی احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کرتی تھیں اور مصروفیات کے بار عظیم کے باوجود، وہ گھر کے ماحول کو ایسا باسلیقہ رکھتی تھیں کہ حضرت صاحب کیلئے گھر کا مسئلہ، باعث ناخوشگواری نہ بننے دیتیں۔ ناگواری یا رنج کی کوئی لہر ابھرتی بھی، تو وہ اس عظیم خاتون کے تحمل اور بردباری میں جذب ہو کر رہ جاتی۔ آخری ایام میں ان کی صحت نہایت کمزور رہنے لگی تھی، اس کے باوجود گھر کے فرائض، نماز، روزہ اور بچوں کی تعلیم، کسی کام میں فرق نہ پڑنے دیا اور مجھے تو حیرت ہی رہی کہ وہ گھر کی انتہائی بھرپور مصروف زندگی میں سے عبادت کیلئے اور بچوں کو پڑھانے کیلئے کس طرح وقت نکال لیتی تھیں۔ صرف گجرات کے زمانے میں، سینکڑوں خواتین، بچوں اور بچیوں نے ان سے پورا قرآن باتجوید پاک پڑھا تھا۔ حضرت صاحب کو مرحومہ کے انتقال پر گہرا صدمہ ہوا کہ یہ ایک ایسے ساتھی کا فراق تھا،

جس نے دنیا کے امور کے بعد دینی فرائض کی ادائیگی میں بھی ان کے دوش بدوش محنت اور جانفشانی سے کام کیا تھا۔

ایک عرصہ گذر جانے کے بعد، احباب کے مشورے اور اصرار پر حضرت صاحب نے دوسرا نکاح کرنا منظور فرمالیا۔ یہ نکاح گجرات میں ہوا۔ اس نیک خاتون نے بھی حضرت صاحب کی خدمت اور فرائض خانہ کی ادائیگی عمدہ طریق سے انجام دی۔ ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی مگر انہوں نے حضرت صاحب کی پہلی اولاد ہی کو اپنے پیٹ کی اولاد تصور کیا اور اولاد نے بھی ان کو ماں کا درجہ دیا۔

حضرت صاحب قدس سرہ کے ہاں دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن میں ایک منجھلی صاحبزادی بچپن میں فوت ہوگئیں تھیں۔ صاحبزادگان کی تمام تر تعلیم، اپنے والد ماجد کے پاس ہی ہوئی۔ ماسوائے مختار صاحب کے بعض اسباق کے، کہ وہ انہوں نے میرے بزرگ ہم سبق حافظ سید علی صاحب سے پڑھے، وقتاً فوقتاً جزوی طور پر راقم الحروف سے بھی پڑھا اور یہ اس لئے ہوا کہ حضرت صاحب، بعض چھوٹے اسباق ہمارے سپرد کر کے ہمیں تدریس کا تجربہ کراتے تھے۔ ہر دو صاحبزاگان نے دورۂ حدیث حضرت صاحب قدس سرہ کے پاس ختم لیا اور سندِ فراغت حاصل کی۔

بڑے صاحبزادے مولانا مفتی مختار احمد خان نے بعد میں ''فاضل فارسی'' و ''فاضل عربی'' کے امتحانات بھی کیے۔ فراغت علمی کے بعد انہوں نے تبلیغ و خطابت اور تدریس کے فرائض انجام دینے شروع کیے۔ گجرات کی مختلف جامع مساجد میں ان کی خطابت کا زمانہ تقریباً چار سال پر مشتمل ہے۔ کیمپنی باغ سرگودھا اور حافظ آباد میں بھی انہوں نے تھوڑے عرصے کیلئے خطابت کی۔ اب پچھلے بارہ برس سے، وہ سیالکوٹ جامع چوک اقبال میں خطبۂ جمعہ دے رہے ہیں۔ سیالکوٹ میں جمعہ کا مرکزی اجتماع، اسی مسجد میں ہوتا ہے اور مفتی مختار صاحب

سیالکوٹ کے مقبول ترین خطیب شمار ہوتے ہیں۔ خطابت کے ساتھ انہوں نے چھ سال تک تدریس کی خدمات بھی انجام دیں اور کافی عرصہ تک، تفسیر نعیمی اور مرأت شرح مشکوٰۃ کی املاء بھی، مفتی صاحب قدس سرہ کے پاس کرتے رہے حضرت بولتے جاتے وہ لکھتے جاتے۔ ان کی بڑی خوش بختی یہ ہے کہ ان کے عظیم والد ان سے خوش اور راضی تھے۔ اس نعمت میں ان کے چھوٹے بھائی مفتی اقتدار احمد خان بھی شریک ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ حضرت صاحب کے بعد ہر دو صاحبزدگان، ان کے نقش قدم پر چلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور انہیں اس مشن کی عظمت و اہمیت کا احساس ہے، جو حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں جاری کر رکھا تھا۔

خلفِ اصغر مفتی اقتدار احمد خان نے تعلیم سے فراغت پر تدریس اور خطابت و فتاویٰ کی خدمات سنبھال لیں۔ وہ پچھلے سات برس سے، جامع مسجد گلزار مدینہ میں، خطبۂ جمعہ دے رہے ہیں اور تقریباً اتنے ہی عرصے سے تدریس و فتاویٰ کا کام بھی کر رہے ہیں۔ وہ حضرت صاحب قدس سرہ کی تالیفات کی کتابت و طباعت کے کام کی نگرانی بھی کرتے رہے ہیں، کتب خانے کے شعبے کا تمام کام انہی کے سپرد ہوتا تھا۔ والد ماجد کے پاس رہنے کے باعث انہیں بھی خدمت کرنے کے خوب مواقع میسر آتے رہتے ہیں اور اس سے بڑی نعمت و دولت ان کیلئے اور کیا ہوسکتی تھی۔ ہماری دعا ہے کہ ہر دو صاحبزادگان کو، اس امانت عظیمہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآمد ہونے کی توفیق ارزائی ہو، جو ان کے عظیم والد، ان کے سپرد کر گئے ہیں۔

حضرت صاحب مرحوم و مغفور میں، ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے فریضے کی طرف سے کبھی غفلت نہ برتی، جبکہ علماء اور پیران کرام کے ہاں، بالعموم ان فرائض کی طرف کم ہی توجہ کی جاتی ہے۔ حضرت صاحب اپنی بچیوں کی تعلیم کا اہتمام بھی

فرماتے تھے۔ سب سے بڑی صاحبزادی (جنہیں ہم لوگ آپا جان کہا کرتے) کو قرآن پاک، اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم، امی جان نے دی اور نوشت وخواندگی کی تعلیم سب بچیوں کو دی گئیں۔ ایک دو بچیوں کو کچھ عرصے کیلئے سکول میں بھی داخل کرایا گیا تھا۔ زندگی کے آخری سالوں میں حضرت صاحب کو یہ احساس زیادہ ستانے لگا تھا کہ خواتین میں علم و دین کا بہت فقدان ہوتا جارہا ہے چنانچہ انہوں نے خواتین کو دینی تعلیم دینے والی ایک ٹیم خود اپنے گھر میں پیدا کر دی۔ انہوں نے اپنی بڑی بہو اور چھوٹی صاحبزادی کو مشکوٰۃ و بخاری کا ترجمہ چار سال میں پڑھایا۔ صرف ونحو کے ضروری قواعد اور عربی بول چال کی کچھ مشق بھی کراتے رہے نیز ان بیٹیوں کو وعظ کہنے کا طریقہ بھی سکھایا۔ یہ طریقہ اس قدر فیض رساں ثابت ہوا، کہ اب تک تقریباً چار سو بچیاں اور خواتین، حضرت صاحب کے گھر سے دینیات کی اس کلاس میں پڑھ کر فارغ ہو چکی ہیں۔

تصنیفی کام پر ایک نظر

تفسیر نعیمی

تفسیر نعیمی کی سات جلدیں (پہلے سات پاروں پر مشتمل) طبع ہو چکی ہیں۔ آٹھویں پریس میں ہے۔ نویں اور دسویں کا مسودہ مکمل ہو چکا ہے اور گیارھویں کی تالیف جاری تھی اس میں آیت: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاۤءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (یونس: ٦٢) کی تفسیر مکمل لکھ چکے تھے، کہ حضرت مولف کا انتقال ہو گیا۔

اس تفسیر کی تالیف کا آغاز، ۸ ربیع الآخر ۱۳۶۳ھ دوشنبہ کے دن سے کیا گیا[1]۔ دیباچے میں مولف نے شکایت کی ہے کہ برعظیم پاک و ہند میں اکثر و بیشتر اردو تفسیریں، عقائد باطلہ رکھنے والے فرقوں کی طرف سے لکھی گئی ہیں اور ان تفسیروں سے معتقداتِ فاسدہ کی اشاعت اور صحیح اسلامی افکار سے بُعد پیدا کرنے کا کام لیا گیا ہے بنا بریں، مولف ایک عرصے سے تمنا رکھتا تھا کہ اردو زبان میں ایسی تفسیر تالیف کی جائے جو مذکورہ اعتزالی عقیدوں اور گمراہ کن نظریوں سے عامۃ الناس کو محفوظ کر دے مگر یہ ارادہ پورا نہ ہوتا تھا تا آنکہ حضرت مولف گجرات میں تشریف لے آئے اور اس دیرینہ تمنا کے بر آنے کی صورت پیدا ہوئی۔ مولف علام کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

۱۔ اس دور میں، استاذ گرامی، انجمن خدام الصوفیہ کے مدرسے میں صدر مدرس تھے۔ جب تفسیر نعیمی کے کچھ اجزاء مکمل ہوئے تو پنجاب میں کاغذ دستیاب نہ تھا چنانچہ انجمن مذکور کے ارکان، حیدرآباد دکن سے ایک پورا پارہ چھپوا کر لائے۔ ظاہر ہے جلد اول کا دیباچہ اور مقدمہ وغیرہ اسی دور میں لکھے گئے اور ان کے آخر میں تاریخیں بھی اسی دور کی ہیں یعنی ۱۳۶۳ھ مگر تازہ ایڈیشن میں ناشرین نے ایک بات کا خیال نہیں رکھا کہ مقدمے کے آخر میں اور جلد اول کے خاتمے پر اسی پرانی تاریخ کے ساتھ مولف کے نام کے ساتھ، ''مہتمم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات'' کے الفاظ لکھے ہیں جن سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ مفتی صاحب، ۱۳۶۳ھ ہی میں مدرسہ خدام الصوفیہ کے بجائے، ''مدرسہ غوثیہ نعیمیہ'' میں منتقل ہو چکے تھے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ سال مدرسہ خدام الصوفیہ کے دور کے ابتدائی سالوں میں تھا۔

''عوام چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کے مضامین ہماری زبان میں ہم تک پہنچیں اس لئے کئی زبانوں میں اس کی بے شمار تفسیریں لکھی گئیں۔ زبان اردو بھی کسی سے پیچھے نہ رہی مگر اہل ھند[1] نے مسلمانوں کے اس جذبے سے غلط فائدہ اٹھایا کہ اپنے خیالات فاسدہ کو تفسیری رنگ میں ظاہر کیا۔ مرزائی، نبوتِ مرزا کا مقصد لے کر مفسر بنے۔ چکڑالوی منکرینِ حدیث اپنے مذہب نامہذب کی اشاعت، تفسیر کی آڑ میں کرنے لگے۔ بعض نے ولایتی عینک سے قرآن پاک کو دیکھا۔ بعض لوگوں نے شیطانی دل و دماغ سے اسے سمجھا کہ وہ قرآن کریم سے صاحب قرآن ﷺ کی توہین نکالنے لگے۔ شیطانی توحید کو ایمانی توحید بنا کر خلق کے سامنے دکھانے لگے۔ آج کل ہر مذہب نے ترجمہ قرآن کو اپنے لئے آڑ بنایا ہے۔ جگہ جگہ مسجدوں میں قرآنی ترجمے کر کے درس کے بہانے مسلمانوں کو بہکایا جا رہا ہے ہر نا اہل اردو خوان .... مفسر بنا ہوا ہے اس لئے عرصہ سے میرا ارادہ تھا کہ کوئی ایسی تفسیر لکھوں، جو کہ عربی معتمد تفاسیر کا خلاصہ ہو اور جس میں موجودہ فرقوں کے نئے نئے اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں، کیونکہ اردو تفاسیر عام طور سے بد مذہبوں کی ہیں۔ خوشی ہے رب تعالیٰ نے مجھے شہر گجرات علاقہ پنجاب میں بھیجا۔ یہاں، مجھے روزانہ تفسیر قرآن سنانے کی خدمت میسر ہوئی۔ اس وقت یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ تفسیر کبھی کتابی شکل میں چھپے گی۔ ہوا یہ کہ بعض احباب نے روزانہ تقریریں لکھنا شروع کر دیں۔

[1] یہ عبارت قبل تقسیم لکھی گئی تھی۔ مراد برِ عظیم پاک و ہند ہے۔

جب چند پارے ختم ہوئے تو عام مسلمانوں کا خیال ہوا کہ اس کو چھپوا دیا جائے۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ وہی تفاسیر بِعَینِہٖ چھپائی جائیں بلکہ ان پر نظر ثانی کر کے انہیں زوائد و مکررات سے خالی کرنا، نئے فوائد بڑھانا ضروری تھے۔ کیونکہ تحریر و تقریر میں فرق ہوتا ہے.........
حق تعالیٰ کے بھروسے پر یہ کام شروع کر دیا۔ رب تعالیٰ میری زبان و قلم و کلام کو غلطی سے بچائے، حق باتیں ظاہر فرمائے اور تکمیل بخیر و خوبی اس کام کو انجام پر پہنچائے اور اسے قبول فرمائے اور مجھ فقیر بے نوا کے لئے صدقۂ جاریہ اور توشۂ آخرت بنائے[1]..........."

گجرات میں، حضرت مولف کا شہرہ آفاق درس، مسجد میاں جلال محلہ خواجگان میں سالہا سال تک جاری رہا۔ انیس برس گذرے تو درس قرآن کا سلسلہ ایک بار تکمیل پذیر ہو گیا اور پھر دوبارہ پہلے پارے سے شروع کر دیا گیا دوبارہ درس کے سلسلے میں جو مزید مضامین اور فوائد بیان ہوئے، تفسیر نعیمی کے تازہ ایڈیشنوں میں ان کا اضافہ کر دیا گیا، مولف علام نے اس سلسلے میں حسب ذیل مختصر نیا پیش لفظ تحریر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انیس سال میں پہلی بار درس قرآن ختم ہوا اور پھر دوبارہ شروع کیا گیا۔ دوران درس میں بہت تفسیری نکات، فوائد، نئے اعتراضات و جوابات وغیرہ بیان ہوئے، وہ تمام اس میں زیادہ کر دیئے گئے۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ یہ تفسیر کچھ اور ہی چیز ہو گئی۔ والحمدللہ علیٰ ذٰلک[2]۔

احمد یار خان..................

۲۵۔ شوال المکرم ۱۳۷۸ھ یوم دوشنبہ

۱۔ تفسیر نعیمی دیباچہ جلد اول صفحہ ۵۔۶

۲۔ تفسیر نعیمی دیباچہ جلد اول صفحہ ۲

تفسیر نعیمی کی بنیاد زیادہ تر عربی تفاسیر پر قائم ہے اور خود مولف کے الفاظ میں ”یہ تفسیر عربی معتمد تفاسیر کا خلاصہ ہے“ صوفیانہ مطالب کے لئے تفسیر روح البیان اور معقولی مباحث کیلئے تفسیر کبیر رازی سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔ فارسی تفاسیر میں تفسیر عزیزی اور اردو تفاسیر میں، تفسیر خزائن العرفان کو مدنظر رکھا گیا ہے موخرالذکر اردو تفسیر کے بارے میں مولف لکھتے ہیں:

> اردو تفاسیر میں سب سے بہتر تفسیر خزائن العرفان مصنفہ حضرت مرشدی، استاذی صدرالافاضل مولانا الحاج سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی دام ظلہم ہے۔ اس کو مشعل راہ بنایا گیا، گویا یہ تفسیر اس کی تفصیل[1] ہے۔

”تفسیر نعیمی“ کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو اسے دیگر اردو تفاسیر میں بلکہ بعض پہلوؤں سے تمام تفاسیری لٹریچر میں ممتاز کر دیتی ہے۔ مثلاً ہر آیت کی علمی تفسیر و تشریح کے بعد آخر میں ایک عنوان ”صوفیانہ تفسیر“ کا ملتا ہے۔ صوفیانہ نکات کیلئے اگرچہ ”روح البیان“ کو مرجع و ماخذ بنایا گیا ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ فاضل مولف کے منفرد واضح اور سادہ و آسان انداز تعبیر نے ان گہرے اسرار کو یوں پیش کیا ہے کہ اب یہ چیزیں ان کی اپنی روحانی کیفیت معلوم ہوتی ہیں اور یہ کیسا کمال ہے کہ تصوف کے عمیق نکات کو نہایت آسانی کے ساتھ عوام کے ذہنوں کے قریب پہنچایا گیا۔ سورۂ بقرہ کی آیت:

> ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ[2]
>
> ترجمہ: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کڑے اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں

۱۔ تفسیر نعیمی دیباچہ جلد اول صفحہ ۱۶؛　　۲۔ البقرہ ۷۴

تفسیر صوفیانہ میں لکھتے ہیں:

"تفسیر صوفیانہ: ہر دل میں فطری طور سے خوفِ الٰہی اور شفقتِ خلق کے پانی موجود ہیں، گناہ اور بے دینوں کی صحبت اس کو خشک کرنے والی دھوپ ہے۔ جب انسان گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ یہ دونوں پانی خشک ہو جاتے ہیں۔ جس سے کہ اس کا دل خشک کنکر یا پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ سختی قلب کی تین علامتیں ہیں۔ آنکھ کا خشک ہونا یعنی آنسو نہ نکلنا؛ دینوی امیدوں کی زیادتی اور حرص۔ زیادہ بولنا اور زیادہ ہنسنا قلب کو سخت کر دیتا ہے خوفِ الٰہی میں آنسو اور زیادہ ذکر اللہ، دل کو نرم کرنے والی چیزیں ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر رحمت الٰہی امداد نہ کرے تو آیتیں اور نشانیاں، دل کی سختی بڑھاتی ہیں۔ جیسے کہ ان یہود نے انبیاء کے معجزے دیکھے، مگر ان میں اور بھی زیادہ سختی پیدا ہوئی۔ ہدایت، فضلِ رحمان سے ملتی ہے نہ کہ دلائل و برہان سے[1]۔

اسی طرح ایک بڑا امتیاز اس تفسیر کا یہ ہے کہ اس میں بیک وقت متعدد فرق باطلہ کے خیالات و نظریات پر تنقید کی گئی ہے اور قرآن پاک کے مختلف مقامات پر ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں خود فاضل مولف دیباچے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"تقریباً ہر آیت کے تحت آریہ عیسائی .... نیچری، چکڑالوی وغیرہم کے اعتراضات معہ جوابات بیان کئے گئے۔ ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کے جوابات دیئے گئے لیکن یہ کتاب مجھے بعد

---

[1] تفسیر نعیمی جلد اول صفحہ ۴۳۰

میں ملی اس لئے اس کی باقاعدہ تردید کچھ دور جا کر ہوئی[۱]۔"

اس کی مثال کے لئے "مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن" کی تفسیر نعیمی کا ایک مقام یہاں درج کیا جاتا ہے جس میں آریوں کی اس عقیدے کی تردید کی گئی ہے کہ آخرت کے بجائے اس دنیا ہی میں مختلف جونوں کی تبدیلی سے ہی اعمال کی جزا سزا ہوتی رہتی ہے۔

اعتراض : "آریوں کے عقیدے میں یہ دنیا ہی عمل اور جزا کی جگہ ہے وہ کہتے ہیں کہ جو انسان برے کام کرتا ہے وہ مرنے کے بعد بری جون میں آتا ہے اور اچھے کام کرنے والا اچھی جون میں۔ جس قدر جانور وغیرہ ہیں یہ پہلے انسان ہی تھے لیکن یہ اپنی بدعملی کی وجہ سے ان جونوں میں آئے۔ تو ان کے نزدیک دنیا عمل و جزا دونوں کی جگہ ہے۔"

جواب : لیکن مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا فقط عمل کی جگہ ہے یہاں جزا نہیں ...... آریوں کا یہ عقیدہ بالکل خلاف عقل ہے اولاً تو اس لئے کہ جب دوسری جون میں پہنچ کر پہلی جون کا آرام یا تکلیف یاد ہی نہ رہا تو اس کو اپنے گذشتہ اعمال کا احساس ہی کیا ہوگا اور تکلیف اور غم محسوس ہی کیا ہوگا مثلاً ایک شخص آج فقیر بے نوا ہے۔ ان کے قاعدے سے، پہلے کسی اچھے حال میں زندگی گذار گیا تھا لیکن اپنی بدعملی کے باعث اب فقیر بنا کے بھیجا گیا جب اسے یاد ہی نہ رہا کہ پہلے میں کیا تھا اور اُس وقت میں نے کیا کیا تھا۔ کس عیش میں تھا یہ کس عمل کی سزا ہے تو اب اس کو اس فقیری میں تکلیف ہی یا ہوگی وہ تو

۱۔ تفسیر نعیمی جلد اول صفحہ ۷۶

اپنی فقیری میں ہی خوش اور مست ہے۔[1]

ہدایت اور گمراہی کے مضامین قرآن پاک میں بار بار دہرائے گئے ہیں اور مخالفین کی طرف سے یہاں اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو گمراہ ہونے کا اختیار اور موقع ہی کیوں دیا۔ گمراہی کا اختیار اور موقع دے کر گویا انسان کو فساد اور شر کی طرف دھکیل دیا گیا ہے اس اعتراض اور اس کے جواب کو تفسیر نعیمی کے محسوس انداز میں ملاحظہ کیا جائے۔

اعتراض: اللہ تعالیٰ نے انسان کو گمراہ ہونے کا اختیار بھی کیوں دیا گمراہی کا اختیار دینا بھی برا ہے۔

جواب: بندے میں اختیار پیدا کرنا برا نہیں بلکہ اسکا غلط استعمال کرنا برا ہے سپاہی کو حکومت ہتھیار دیتی ہے دشمن کا مارنے کے لئے۔ جو سپاہی اپنے ہی آدمی کو اس ہتھیار سے مارے سپاہی مجرم ہے نہ کہ حکومت۔ رب نے ہم کو تمام قوتیں، اختیارات، نیکیاں کرنے کیلئے دیئے، فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝[2] ہم اگر ان قوتوں کو حرام میں خرچ کریں تو ہم مجرم ہیں۔[3]

اس تفسیر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے پہلی بار عربی مفسرین کرام کے بیان کردہ مطالب و مقاصد کو کھلے انداز اور آسان زبان میں پیش کیا ہے، جس سے عامۃ المسلمین کے کم پڑھے لکھے طبقوں کیلئے بھی قرآن فہمی کے دروازے کھل گئے ہیں۔ خود مولف علام دیباچے میں رقم طراز ہیں۔

"بہت کوشش کی گئی ہے کہ زبان آسان ہو اور مشکل مسائل بھی آسانی سے سمجھا دیئے جائیں"[4]

۱۔ تفسیر نعیمی جلد اول صفحہ ۲۴؛ ۲۔ الذاریات ۵۶: "میں نے جن وانس کو پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔"
۳۔ تفسیر نعیمی جلد اول صفحہ ۲۲۷؛ ۴۔ دیباچہ تفسیر نعیمی پارہ اول

علاوہ ازیں آیات کا باہمی ربط وتعلق اور اسی طرح آیات کی شان نزول کے مباحث کو ایسی تفصیل اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ دوسری کوئی اردو تفسیر اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

مولف نے عربی فارسی تفسیر میں درج ہونے والا ایسا بہت سا مواد اس اردو تفسیر میں منتقل کر دیا ہے جو عامۃ الناس کی دلچسپی کا موجب بنتا ہے۔ایسا کرنے میں اگرچہ اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ عام قاری کی دلچسپی برقرار رہے اور وہ دلچسپی کے رابطے کے ساتھ اصل مطلوبہ چیزیں بھی ذہن نشین کرتا چلا جائے مگر اس عمل کے ساتھ ہماری تفاسیر میں ایک کمزوری یہ درآئی ہے کہ بعض بے تحقیق روایات بھی ان میں نقل ہوگئی ہیں۔جیسا کے تفسیری لٹریچر میں اسرائیلی روایات کا پایا جانا یا ایسی باتوں کا تفسیری لٹریچر میں شامل ہو جانا، جن کا سمجھنا عام اہل عقل کے لئے بالعموم اور آج کل کے جدید اذہان کیلئے بالخصوص سخت مشکل ہو جاتا ہے۔تفسیر نعیمی میں بعض مقامات پر مذکورہ نوعیت کا مواد، کتب تفسیر سے نقل کر دیا گیا ہے۔لیکن ساتھ ہی غلط وصحیح کی نشان دہی بھی کردی گئی ہے۔یہ بھی ایک خصوصی خوبی ہے۔

تصنیفات

تفسیر نعیمی	''اشرف التفاسیر'' تاریخی نام ہے جس سے ۱۳۶۳ھ کا سال برآمد ہوتا ہے۔ حضرت صاحب اس تفسیر کو گیارھویں پارے کے آخری ربع تک مکمل کر چکے تھے۔
علم المیراث	''قانون، وراثت پر عمدہ نصابی کتاب پہلے گجراتی کاٹھیا واڑی زبان میں اور بعد میں اردو میں شائع ہوئی۔
جاءالحق وزھق الباطل	مسائل اختلافیہ کے بارے میں مدلل کتاب اس کا دوسرا نام ''فیصلہ مسائل'' بھی ہے، یہ کتاب ایک لاکھ سے زائد چھپ چکی ہے۔ امیر ملت پیر صاحب علی پوری نے اس کتاب کو بہت پسند فرمایا ''جاء الحق'' انہوں نے ہی نام رکھا۔
شان حبیب الرحمٰن	وہ آیات قرآنی جمع کردی گئی ہیں جن میں بالصراحت حضور پُر نور کی نعت کا مضمون پایا جاتا ہے۔ ہر آیت پر ایک جامع تقریر کردی گئی ہے۔
اسلامی زندگی	اس میں غیر اسلامی رسوم سے بچنے کی تلقین اور تقریبات پر اسلامی آداب اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔
سلطنت مصطفٰے	نبی اکرم ﷺ کے کمالات اختیارات خصوصیات کی تشریح و توصیف کی گئی ہے
دیوان سالک	حضرت صاحب قدس سرہ کی نعتیہ کلام
علم القرآن	قرآن حکیم کی بنیادی اصلاحات کی شرح اور زمانہ حال کے بعض جاہل ترجمہ نگاروں پر تنقید اور غلام خان کی کتاب جواہر القرآن کا تردیدی جواب

اسرار الاحکام	شریعت کے احکام و مسائل کی عقلی حکمتیں
رسالۂ نور	نور مصطفوی علیہ السلام کے بیان میں
رحمتِ خدا بوسیلۂ اولیاء	مسئلہ استمداد و توسل پر مدلل رسالہ
جاء الحق حصہ دوم	منکرین تقلید ائمہ اور مخالفین احناف کے جواب میں عمدہ کتاب
مرأت اردو شرح مشکوٰۃ	آٹھ یا نو جلدوں میں مکمل... ٦ جلدیں شائع ہو چکی ہیں بقیہ زیر طبع ہیں۔
نعیم الباری فی انشراح البخاری	بخاری شریف پر عربی حاشیہ، یہ ابھی طبع نہیں ہوا
نور العرفان فی حاشیہ القرآن مع فہرس القرآن	قرآن حکیم پر مختصر اور جامع تفسیری حواشی مکمل نسخۂ قرآن اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔
مواعظ نعیمیہ	حضرت صاحب کے مواعظ اور تقاریر کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا ہے یہ کتاب تین حصوں میں مکمل ہے
نئی تقریریں	اوپر والے مجموعے کے بعد تازہ تقاریر کا مجموعہ
سفر نامہ ایران، عراق حجاز و شام وغیرہ	جب خشکی کے راستے پر حج کے لئے تشریف لے گئے، اس موقع پر لکھا گیا۔
سفر نامۂ حجاز	سفر حجاز کی علیحدہ یادداشت
سفر نامۂ حجاز (۲)	یہ ابھی زیر طبع ہے آخری حج کی ڈائری ہے

حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر

الکلام المقبول فی طہارۃ نسب الرسول

فتاویٰ نعیمیہ

اکثر نصابی کتب پر حضرت صاحب کے حواشی غیر مطبوعہ پڑے ہیں۔

مجدد مائۃ حاضرہ

امام اہل سنت فاضل بریلوی کے بعد اہل سنت کا ایک عظیم مصنف

یوں تو حضرت صاحب مرحوم ومغفور کے وصال سے تبلیغ، تدریس، فتویٰ وعظ وخطابت اور تصنیف وتالیف کے تمام شعبوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ تقریباً گذشتہ پچاس برس سے وہ اپنے خاموش تعمیری انداز سے ان تمام شعبوں میں دقیع خدمات انجام دے رہے تھے مگر ان کی خدمات کا ممتاز ترین پہلو شعبہ تصنیف وتالیف سے متعلق تھا انہوں نے اپنی گراں قدر تصانیف سے اہلسنت کے دینی لٹریچر کی کمی کو کافی حد تک پورا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ پاک وہند کے اہلسنت میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بعد حضرت صاحب ایک عظیم ترین کامیاب مصنف تھے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

ہمارے مسلک اور معتقدات سے وابستہ لوگ اس امت کا سوادِ اعظم ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کروڑوں عامۃ المسلمین کی اعتقادی وعملی تربیت کے لئے دینی لٹریچر کا بکثرت موجود ہونا نہایت ضروری ہے مگر ہماری محرومی یہ رہی کہ اس متاخر دور میں اہلسنت کے حلقوں نے بہت کم دینی لٹریچر مہیا کیا جس سے عامۃ الناس کی دینی وروحانی تربیت کا کام خاصا متاثر ہوا۔ دیکھا جائے تو یہ ایک بہت بڑا باعث تھا، اعتزالی فرقوں اور بدمذہبوں کے خیالات کے فروغ پانے کا اس صورت حال نے اعلیٰ حضرت کے ذہن کو اپنی طرف متوجہ کیا اور ان کے عظیم قلم نے بے شمار موضوعات پر رسائل وکتب کا ایک گراں بہا ذخیرہ تیار کر دیا۔ مگر اعلیٰ حضرت کا پیدا کردہ دینی لٹریچر عالمانہ اور محققانہ انداز کا تھا انہوں نے سوچ سمجھ کر اہل علم کو اپنا مخاطب بنایا تھا تاکہ علماء فضلا کے اذہان کو متاثر کر کے ان کے ذریعے سے ذہنی وفکری

انقلاب کی بنیاد رکھی جائے چنانچہ اعلیٰ حضرت کی ہر چھوٹی بڑی تالیف میں یہی اونچا تعلیمی معیار قائم نظر آئے گا۔ علماء اور اہل فکر و دانش طبقے کی بیداری کیلئے ضروری اور بنیادی دینی لٹریچر اعلیٰ حضرت کے قلم سے نکل چکا تھا اس کے بعد لٹریچر کے سلسلے میں عامۃ الناس کو براہ راست مخاطب بنانے والی اور متاثر کرنے والی کتابوں کی ضرورت شدید طور پر محسوس ہوتی تھی، اس شعبے میں حضرت صاحب مرحوم و مغفور کے عظیم قلم نے نمایاں خدمات انجام دیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ذہن خاص طور پر اسی ضرورت کی طرف زیادہ متوجہ تھا کہ عامۃ الناس کے حلقوں کے لئے اور کم پڑھے لکھے لوگوں کیلئے آسان اور مفید لٹریچر پیدا کرنا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے چنانچہ وہ خود فرمایا کرتے تھے۔

> ”میں جب لکھنے کیلئے بیٹھتا ہوں تو یہ بات مدنظر رکھتا ہوں، کہ میں بچوں، عورتوں اور دیہات کے کم پڑھے لوگوں سے مخاطب ہوں۔“

تفسیر لکھنے کا آغاز کیا تو اس میں بھی ان کا بنیادی احساس یہی تھا کہ ایسی سادہ اور آسان زبان میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی جائے۔ جس سے قرآن حکیم کے مشکل مسائل بھی آسانی سے سمجھ میں آسکیں تفسیر نعیمی کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ”بہت کوشش کی گئی ہے کہ زبان آسان ہو اور مشکل مسائل بھی آسانی سے سمجھا دیئے جائیں[1]۔“

اور حضرت صاحب کی تصانیف میں آسانی اور سہولت فہم کا یہ جوہر ان کی تفسیر نعیمی ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان کی تمام تالیفات کا یہی انداز ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مضامین و مطالب کو نہایت واضح اور عام فہم بنا دیتے ہیں، وہ اپنی تحریر اور تقریر دونوں کو عامۃ الناس کے انتہائی قریب لے آئے تھے وہ علمی معیار اور فاضلانہ و محققانہ سطح برقرار رکھنے کی پرواہ نہ

۱۔ تفسیر نعیمی جلد اول دیباچہ صفحہ ۷

کرتے بلکہ ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی کہ کم خواندہ سے کم خواندہ آدمی بھی ان کی بات کو سمجھ سکے۔ مضمون کو واضح اور سہل بنانے کیلئے روزمرہ زندگی سے بکثرت مثالیں منتخب کر لیتے، پنجاب میں آنے کے بعد انہوں نے بہت سے پنجابی الفاظ اپنی زبان میں داخل کر لئے تھے اس طرح وہ اپنے لٹریچر میں عامۃ الناس سے اس قدر قریب ہو جاتے ہیں کہ ان کے درمیان اور قارئین کے درمیان کوئی حجاب یا بُعد باقی نہیں رہتا۔ حد یہ ہے کہ حضرت صاحب کے واضح اور آسان اسلوب نے تصوف و معرفت کے گہرے اسرار و مطالب کو بھی محض خواص کی اجارہ داری سے نکال کر عام آدمی کے لئے بھی قریب الفہم بنا دیا ہے اس کی ایک مثال ملاحظہ کیلئے پہلے پیش کر دی گئی۔

عبارت اور اسلوب کے عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت صاحب کی تالیفات بلند پایہ علمی مضامین سے بھی معمور ہیں اس طرح وہ اہلسنت کے ایک ایسے کامیاب مصنف ہیں جس نے علماء اور عامۃ الناس دونوں کیلئے یکساں طور پر مفید دینی لٹریچر پیدا کیا۔

اس طرح حضرت صاحب مرحوم و مغفور کی بصیرت نے اپنی مسلکی لٹریچر کے اس خلا کو بھی محسوس کر لیا تھا کہ ہمارے ہاں تفسیر اور حدیث کے موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ تفسیر قرآن کے سلسلے میں گذشتہ نصف صدی سے ہمارے ہاں اعلیٰ حضرت کے اردو ترجمے اور صدر الافاضل کے تفسیری حواشی (خزائن العرفان) پر ہی قناعت کرنے کو کافی سمجھا گیا۔ حضرت صاحب اس صورت حال پر مطمئن نہ تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے "کاش میں اعلیٰ حضرت کے پاس ہوتا تو ان سے عرض کرتا کہ قرآن حکیم کی تفسیر آپ کے قلم سے نکلنی چاہیے"۔ پھر یہ حضرت صاحب ہی تھے، جنہوں نے حضرت صدر الافاضل مرحوم کو بار بار کے اصرار سے "تفسیر خزائن العرفان" لکھنے پر آمادہ کیا۔ مگر صدر الافاضل اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث مفصل تفسیر کا کام نہ کر سکے۔ تفسیری لٹریچر میں خلاء کے اسی احساس نے

بالآخر حضرت صاحب کو "تفسیر نعیمی" کے عظیم کام پر لگا دیا، گو یہ کام ان کے ہاتھوں بھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچا۔ تاہم وہ پہلے گیارہ پاروں پر اردو زبان میں دس ضخیم مجلدات تحریر فرما گئے ہیں۔ جن میں سے سات شائع ہو چکی ہیں اور آٹھویں پریس میں ہے اوران کی یہ تفسیر نعیمی، اس قدر مقبول متداول ہوئی ہے کہ اس نے کروڑوں کم فہم لوگوں کے لئے فہم قرآنی کے دروازے آسان اور کشادہ کر دیئے ہیں یوں حضرت صاحب مرحوم نے عوام اہلسنت کا ایک پرانا قرض چکانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

تفسیر کے ساتھ حضرت صاحب نے اصولِ تفسیر اور اصولِ ترجمہ قرآن کی طرف بھی توجہ فرمائی تھی۔ تفسیر نعیمی کے دیباچے اور مقدمے میں، انہوں نے اصولِ تفسیر کے علمی مباحث کو اپنے خاص انداز میں نہایت سہل اور واضح کر کے پیش کیا ہے۔ بالخصوص، تفسیر تاویل اور تحریف کی جامع تعریفیں اوران کا باہمی فرق نہایت عمدگی سے بیان ہوا ہے۔ اسی طرح انہوں نے تفسیر کی شرطیں اور تقاضے بڑی وضاحت اور جامعیت کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔ اس سلسلے میں اپنی تفسیر کے مقدمے میں وہ نو شرائط کا ذکر کرتے ہیں جن کو ملحوظ رکھنا کسی مفسر کے لئے ناگزیر ہوگا[1] اصولِ ترجمہ کیلئے اور بعض اعتزالی طریق کار کے حاملِ ترجمہ نگاروں کی اغلاط کی نشاندہی کے لئے انہوں نے ایک مستقل کتاب "علم القرآن" تالیف فرمائی۔ اس کے دیباچے میں ترجمہ قرآن کے سلسلے میں متدین علماء کی احتیاط اور محنت پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

"علمائے کرام اور فضلائے عظام، ان کا طریقہ یہ تھا کہ قرآن کریم کے ترجمے کیلئے تقریباً اکیس[21] علوم میں محنت کرتے تھے مثلاً صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، ادب، نعت، منطق، فلسفہ، حساب، جیومٹری، فقہ، تفسیر، حدیث، کلام، جغرافیہ، تواریخ اور تصوف واصول فقہ، علم

---

[1] تفسیر نعیمی مقدمہ صفحہ ۲۴، ۲۵

ناسخ منسوخ، علم توقیت پھر بھی اتنی احتیاط سے کہ آیت متشابہات کو ہاتھ نہ لگاتے تھے۔"

ساتھ ہی بے احتیاط اور بیباک ترجمہ نگاروں کے فتنے سے یوں خبردار کیا ہے:

"اچانک زمانے کا رنگ بدلا، ہوا کے رخ میں تبدیلی ہوئی.......
لوگوں نے قرآن کو معمولی کتاب اور قرآن والے محبوب ﷺ کو
معمولی بشر سمجھ کر قرآن کے ترجمے بے دھڑک شروع کر دیئے اور نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا انکار بلکہ اس ذات کریم سے برابری
کا دعویٰ شروع کر دیا۔"

علوم قرآنی اور تفسیر پر لٹریچر کی کمی سے زیادہ بڑھ کر کمی ہمارے ہاں حدیث پر لٹریچر کی محسوس ہوتی ہے۔ حضرت صاحب مرحوم کے حساس اور تعمیری دل و دماغ نے اس فقدان کو بھی تشویش سے دیکھا اور آگے بڑھ کر اس خلا کو بھی پورا کرنے کی اپنے طور پر بھرپور کوشش کی۔ انہوں نے صحیح بخاری کی مکمل شرح عربی میں اِنشراحِ بخاری المعروف نعیم الباری کے نام سے تالیف کی اور اس کے بعد حدیث کی مقبول عام کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا ترجمہ اور مفصل شرح اردو زبان میں تحریر فرمائی۔ جو آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اس کا نام مرأۃ المناجیح اردو ترجمہ و شرح مشکوٰۃ المصابیح رکھا گیا۔

اس کتاب کے دیباچے میں بھی حضرت صاحب نے قرآن و حدیث کے غلط تراجم پر اظہار افسوس کیا ہے اور ساتھ ہی منکرینِ حدیث کے ظہور کا بھی تذکرہ کیا ہے انہی گمراہیوں اور خرابیوں کے پیش نظر انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ علمائے احناف کی طرف سے کتاب و سنت پر تشریحی لٹریچر پیش کیا جائے ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

۱۔ علم القرآن (مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات) دیباچہ صفحہ ۴

۲۔ علم القرآن (مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات) دیباچہ صفحہ ۵

۳۔ انشراح بخاری تاریخی نام ہے یعنی ۱۳۷۲ھ یہ شرح ابھی تک طبع نہیں ہو سکی۔

"موجودہ زمانے میں مسلمانوں کو قرآن و حدیث کے تراجم کا بہت شوق ہے ہر شخص چاہتا ہے کہ اپنے رب تعالیٰ اور اپنے آقا نبی کریمؐ کے کلام کو سمجھوں یہ جذبہ نہایت قابل قدر ہے مگر بعض پڑھے لکھوں نے اس سے غلط فائدے کہ قرآن و حدیث کے ترجموں کے بہانوں سے برے و باطل اور غلط خیالات پھیلا دیئے۔ آج مسلمانوں کے بیسیوں فرقے اور ان کا آپس میں دھول جوتا، انہی ترجموں کا نتیجہ ہیں[1]۔"

اس کے بعد منکرینِ حدیث کے فتنے کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے تمام شبہات و اعتراضات کو نہایت مختصر اور فیصلہ کن بحث میں سمیٹ لیا ہے ہم یہاں اس مفید بحث کا اقتباس تلخیص اور اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

"پھر شامت اعمال سے اب وہ بھی پیدا ہو گئے جو سرے سے حدیث کا انکار ہی کرنے لگے ان کا فتنہ بہت پھیل رہا ہے انکار حدیث پر بے شمار دلائل قائم کئے جانے لگے مگر سب کی بنیاد چار شبہوں پر ہے اگر یہ زائل ہو جائیں تو تمام اعتراضوں کی عمارت خود بخود ہی گر جاتی ہے۔

شبہ نمبر ۱: قرآن مکمل کتاب ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت.............

شبہ کا ازالہ: بیشک قرآن مکمل کتاب ہے مگر اس مکمل کتاب سے فیض لینے اور دینے والی کوئی ہستی چاہیے اور وہ نبی کریم ﷺ ہیں۔ سمندر سے موتی ہر شخص نہیں نکال سکتا شناور کی ضرورت ہے............

شبہ نمبر ۲: رسول رب کے قاصد ہیں جن کا کام ڈاکیے کی طرح رب

۱۔ مرآۃ شرح مشکوٰۃ (مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات) دیباچہ صفحہ ۲

کا پیغام پہنچانا ہے نہ کہ کچھ سمجھانا...............

شبہ کا ازالہ : نبی کریم ﷺ رسول بھی ہیں، خدائی کے معلم بھی مسلمانوں کو پاک ستھرا بنانے والے بھی، رب نے فرمایا وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ[1] مشین کا استعمال سکھانے کیلئے.......... کارخانے کی طرف سے کتاب بھی دی جاتی ہے اور معلم بھی بھیجے جاتے ہیں کارخانہ قدرت کی طرف سے.......... کتاب قرآن شریف اور معلم حضور بھیجے گئے

معلم خدائی کے وہ بن کے آئے جھکے ان کے آگے سب اپنے پرائے

شبہ نمبر ۳: موجودہ حدیثیں، حضور کا فرمان ہی نہیں ہیں یہ تو بعد میں لوگوں نے گھڑ کے بنالی ہیں کیونکہ زمانہ نبوی میں لکھنے کا اتنا رواج نہ تھا...............

شبہ کا ازالہ : پھر قرآن کی بھی خیر نہیں۔ کہ زمانہ نبوی میں سارا قرآن نہ لکھا گیا نہ کتابی شکل میں جمع ہوا.......... زمانہ نبوی میں قلم سے زیادہ حافظے پر اعتماد تھا بعد میں ضرورت پیش آنے پر قرآن بھی سینوں اور کاغذ کے پرچوں وغیرہ سے جمع کیا گیا اور احادیث بھی[2]..........

شبہ نمبر ۴: بعض حدیثیں بعض کے متعارض اور بعض عقل کے بھی خلاف ہیں لہٰذا گھڑی ہوئی ہیں۔

شبہ کا ازالہ : تمام حدیثیں صحیح ہیں آپ کے فہم میں غلطی ہے سرسری نظر

---

[1] سورۂ آل عمران آیت ۱۶۴

[2] یعنی قرآن اور حدیث دونوں کے جمع و تدوین کی نوعیت ایک ہی طرح کی ہے۔ فطری طور پر ایک خاص دور تک زیادہ تر اعتماد متدین اور ذمہ دار لوگوں کے حافظے پر کیا گیا اور اس خاص دور کے بعد جب باقاعدہ تدوین کی واقعی ضرورت درپیش آگئی تو کتابی تدوین کر لی گئی۔

سے تو قرآن کی آیتیں بھی آپس میں مخالف معلوم ہوتی ہیں کیا ان کا بھی انکار کرو گے؟................

آخری گذارش : منکرین حدیث سے ایک گذارش ہے کہ ہم لمبی بحث میں نہیں پڑتے صرف دو مسئلے قرآن کے ذریعے آپ سے حل کراتے ہیں۔

نمبر ۱: اسلام کا سب سے عام حکم ہے: وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ براہ مہربانی قرآنی نماز، قرآنی زکوٰۃ ادا کر کے دکھا دیجئے جس میں حدیث سے امداد نہ لی گئی ہو۔ نماز کل کتنے وقت کی ہے اور کتنی رکعتیں ہیں۔ زکوٰۃ کتنے مال پر کتنی ہے۔

نمبر ۲: قرآن نے صرف سور کا گوشت حرام کیا ہے کتے، بلے اور گدھے......... کی حرمت قرآن سے دکھا دیجئے غرضیکہ چکڑالویت (انکار حدیث) صرف قولی مذہب ہے جس پر عمل ناممکن ہے۔[1]

اس کے بعد حضرت صاحب نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے تصنیف و تالیف بالخصوص قرآن و حدیث پر تشریحی لٹریچر کا یہ سلسلہ تحفظ دین و مسلک کے جذبے کے تحت شروع کیا دیکھا کہ فتنہ سر اٹھائے ہوئے ہے مگر ہمارا محاذ خاموش ہے تو اس کے سوا چارہ نہ پایا کہ اللہ کا نام لے کر انفرادی کوشش ہی سے اس بار گراں کو سنبھالنے کی ہمت کی جائے تا کہ وقت کے چیلنج کا کچھ تو مقابلہ ہو سکے اس عظیم مصنف کے درج ذیل الفاظ دیکھئے اور ان میں کارفرما دردمندانہ جذبات کا اندازہ کیجئے۔

ان حالات کے ماتحت فقیر نے اپنے رب کے کرم اور اس کے محبوب ﷺ کی مہربانی سے قرآن شریف کے تین اگلے پاروں کی اردو زبان میں ایک مفصل تفسیر مسمّٰی اشرف التفاسیر (تفسیر نعیمی) لکھی اور تیسوں پاروں کی ایک مختصر اور جامع تفسیر مسمّٰی نور العرفان تصنیف کی

ا۔ مراۃ شرح صفحہ ۳۰۲،۳

جس میں ضروریات زمانی کے لحاظ سے فوائد وسوال جواب وغیرہ ہیں۔ ادھر بخاری شریف کی شرح عربی میں یعنی کلامِ حبیب کی شرح زبانِ حبیب میں مسمّٰی باسم تاریخی انشراح بخاری المعروف نعیم الباری تصنیف کی عرصہ سے خیال تھا کہ مشکوٰۃ شریف جوفنِ حدیث میں درس نظامی کی پہلی کتاب ہے اور کتب احادیث کی جامع۔ جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ عرب و عجم میں ہر جگہ پڑھاتی جاتی ہے اور عربی فارسی اردو زبانوں میں اس کی بہت شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس کی اردو میں ایسی شرح لکھوں جو طلباء عوام المسلمین کو یکساں مفید ہو اور جس میں نئے مذاہب اور ان کے احادیث پر نئے اعتراضات کے جوابات بھی ہوں کیونکہ ''مرقات''[1] اور ''لمعات''[2] والوں کے زمانے میں دنیا کا اور رنگ تھا، انہوں نے اس وقت کی ضروریات کے لحاظ سے شرحیں لکھیں نیز ہمارے عوام عربی فارسی سے واقف نہ ہونے کی بنا پر ان سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اب دور کچھ اور ہے ہوا کا رخ دگرگوں ہے اس میں اس زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔[3]

۱۔ مرقات عربی میں ملا علی قاری کی تالیف کردہ شرح مشکوٰۃ کا نام ہے

۲۔ لمعات شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مصنفہ شرح مشکوٰۃ ہے

۳۔ مرآۃ شرح صفحہ ۴

تلامذہ

یہاں حضرت صاحب قدس سرہ کے تلامذہ کی وہ فہرست درج کی جاتی ہے جن کے اسماء گرامی چند احباب سے دریافت کرنے پر معلوم ہو سکے۔ فی الواقع فہرست اس سے بہت طویل ہے۔ اگر احباب راقم السطور سے رابطہ قائم کر کے حضرت صاحب کے تلامذہ کے مزید اسماء اور معلومات مہیا فرمائیں تو آئندہ ایڈیشن پر یہ فہرست مکمل ہو سکتی ہے۔

☆ مولانا عبدالکریم صاحب مدرس مدرسہ عزیزیہ، ملفت گنج، مشرقی پاکستان

☆ محمد ادریس صاحب ماریشس افریقہ

☆ مولانا عبدالقدیر صاحب چٹاگانگ

☆ مولانا لیاقت حسین صاحب مشرقی پاکستان

☆ حضرت پیر سید ولایت شاہ صاحب قدس سرہ

☆ مولانا مفتی امین الدین رحمۃ اللہ علیہ

☆ مولانا قاری احمد حسین رحمۃ اللہ علیہ

(موخر الذکر تینوں بزرگوں نے گجرات کے دور میں حدیث، فلسفہ اور منطق حضرت صاحب سے چند سال پڑھا)

☆ صاحبزادہ محمد مسعود الحسن صاحب چورہ شریف

☆ الحاج سیٹھ ولی محمد صاحب مہتمم مدرسہ مسکینیہ دھوراجی (کاٹھیاواڑ)

☆ مولانا نورالدین صاحب، دھوراجی

☆ مولانا سید جلال الدین شاہ صاحب بھکھی گجرات

☆ علامہ مفتی محمد حسین صاحب نعیمی سنبھل (لاہور) جامیہ نعیمیہ لاہور

☆ مولانا آل حسن صاحب اشرفی نعیمی سنبھل (بھارت)

☆ مولانا ریاض الحسن سنبھل (بھارت)

☆ مولانا نذر محمد صاحب خطیب سلانوالہ

☆ مولانا غلام علی صاحب اکاڑوی

☆ مولانا سید غنی شاہ صاحب گجرات

☆ صاحبزادہ حامد علی شاہ صاحب چورہ شریف
☆ صاحبزادہ محمد ایوب شاہ صاحب چورہ شریف
☆ صاحبزادہ سید محمود شاہ صاحب گجرات
☆ صاحبزادہ ارشاد حسین صاحب چورہ شریف
☆ صاحبزادہ سید حامد شاہ صاحب گجرات
☆ صاحبزادہ سید حاجی احمد شاہ صاحب گجرات
☆ مولانا حافظ محمد بشیر صاحب حافظ آباد
☆ مولانا نذیر حسین صاحب خطیب شاہدولہ گجرات
☆ مولانا حافظ سید علی صاحب گجرات
☆ مولانا حافظ محمد فاضل صاحب گجرات
☆ مولانا مظفر حسین شاہ پشاور
☆ مولانا حافظ عبدلرشید صاحب سابووال گجرات
☆ مولانا محمد حسین شاہ نسیم مدراس
☆ پیر محمد اسلم صاحب قادری مراڑیاں گجرات
☆ مولانا حافظ مرتضٰی صاحب راولپنڈی
☆ مولانا حافظ فضل حسین صاحب وزیر آباد
☆ مولانا عبداللطیف صاحب قادری نکوآنی
☆ مولانا حافظ فضل کریم صاحب گجرات
☆ مولانا محمد انور نعیمی صاحب خطیب ڈسکہ
☆ مولانا محمد عبداللطیف صاحب
☆ صاحبزادہ مبارک محی الدین صاحب گجرات
☆ مولانا محمد شریف صاحب گجراتی
☆ مولانا میر حسان الحیدری اوباڑو سکھر
☆ مولانا عبدالسعید صاحب کالرہ دیوان سنگھ
☆ مولانا نورالدین صاحب کشمیری گجرات
☆ مولانا محمد افضل صاحب مراڑیاں
☆ مولانا سید گلزار حسین شاہ صاحب خطیب جہلم
☆ مولانا محمد اشرف صاحب مراڑیاں
☆ مولانا عبداللطیف صاحب خطیب سائیں کانوں
☆ مولانا حکیم غلام سرور صاحب سرگودھا
☆ مولانا محمد قاسم صاحب منڈی مانانوالہ
☆ مولانا محمد رفیع صاحب کشمیری
☆ صاحبزادہ سید شمس الحق صاحب گجرات
☆ مولانا محمد شفیع صاحب کشمیری
☆ قاری محمد رفیع صاحب ہریاوالہ گجرات
☆ حافظ محمد اشرف صاحب سابق خطیب کھیوڑہ
☆ مولانا سید فضل شاہ صاحب گجرات

☆ سید محمد قاسم خطیب بری امام راولپنڈی
☆ مولانا سید محمد شاہ صاحب کڑیانوالہ
☆ صاحبزادہ سید نظام علی شاہ (حضرو) خطیب چک لالہ
☆ صاحبزادہ مفتی مختار احمد خان نعیمی
☆ صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی
☆ مولانا محمد بشیر صاحب ضلعی خطیب اوقاف
☆ قاضی عبدالغنی کوکب شیخ الحدیث مولانا وقارالدین چاٹگام
☆ مولانا سید محمد شاہ صاحب اپر ٹوپہ مری
☆ سید صفدر حسین شاہ صاحب نوشاہی سوق کلاں
☆ مولانا زاہد صدیقی لاہور
☆ مولانا حافظ غلام محی الدین صاحب فاروقی گجر منگلہ ڈیم
☆ حافظ الٰہی بخش صاحب گجرات
☆ سید اختر حسین شاہ صاحب کراچی
☆ سید صابر حسین شاہ صاحب حال افریقہ
☆ مولانا مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی سنبھل مراد آباد (شاہد رضا نعیمی آف لندن کے والد صاحب)
☆ حافظ محمد نذیر احمد صاحب سرگودھا

شخصیت

ایک تاثراتی جائزہ

قبلہ صاحب مرحوم کی شخصیت کا ایک اہم اور ممتاز پہلو یہ تھا کہ وہ وقت کے انتہائی قدر دان اور اپنے معمولات ومشاغل کے سلسلے میں حیرت انگیز حد تک تعین وقت کے پابند تھے۔ علما مشائخ اور مذہبی راہنماؤں میں بعض معمولات کو چھوڑ کر زندگی کا باقی سب کاروبار بالعموم بے نظم اور پابندی وقت سے بے نیاز ہی دیکھنے میں آیا ہے میرا خیال ہے کہ اس گروہ میں حضرت صاحب کا نمونہ مثالی ہے۔ انہوں نے روز وشب کے اوقات کو بڑے سلیقے سے تقسیم کر رکھا تھا پھر جو انہوں نے روز وشب کیلیے مقرر کر دیا، ہمیشہ اس کام کو اسی وقت پہ کیا جو معمولات ان کی زندگی میں داخل ہوئے، وہ آخر زیست تک اپنے اپنے مقررہ اوقات پر ہی انجام پاتے رہے۔ سحری کے وقت تہجد کے لئے فجر سے تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے بیدار ہوجاتے، تہجد سے فارغ ہو کر ذرا استراحت فرماتے فجر کا وقت ہوجاتا تو سنت فجر گھر پہ ادا کر کے نماز کیلیے مسجد تشریف لے جاتے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر قرآن حکیم کا (اور آخری دور میں حدیث شریف کا بھی) درس دیتے درس سے فارغ ہو کر گھر میں ناشتہ کرتے۔ ناشتے کے بعد اسباق پڑھانے کے لئے بیٹھ جاتے۔ اسباق سے فارغ ہوتے، تو تصنیف وتالیف کے کام کا ایک حصہ انجام دیتے۔ دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ فرماتے اور نماز ظہر[1] کے بعد تصنیفات کا باقی کام لے کر بیٹھتے۔ فتویٰ نویسی اور خطوط کے جواب بھی بالعموم اسی وقت تحریر فرماتے۔ عصر کی نماز پڑھ کر، گھومنے کیلیے باہر نکل جاتے سیر سے واپس آکر مسجد میں نماز،

---

[1]۔ نماز ظہر کے بعد تھوڑی سی چہل قدمی ہال کمرے کے اندر ہی فرماتے طلبہ کے اسباق اور درس قرآن کیلیے مطالعہ بھی بعد نماز ظہر اور کبھی کچھ کام قبل نماز فجر بھی کر لیتے۔

مغرب پڑھتے اور پھر گھر تشریف لا کر کھانا کھاتے عشاء کی نماز[1] کے بعد جلد بستر میں چلے جاتے۔

یہ ایک سیدھا سادھا آسان پروگرام دکھائی دیتا ہے اور حضرت صاحب مرحوم کی زندگی ایسی ہی سیدھی سادھی اور آسان تھی۔ مگر کمال یہ تھا کہ مذکورہ معمولات میں سے ہر معمول، ہمیشہ کا معمول تھا اور وہ ہمیشہ اسی وقت پر ادا کیا جاتا تھا جو ایک دفعہ اس کے لئے مقرر کر دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ تقریباً ہر کام کے آغاز کا وقت معین تھا، تو اس کے انجام کے وقت بھی مقرر تھا۔ عصر کی سیر کیلئے آخری چند برس سے حافظ سید علی صاحب ساتھ جاتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ہر روز مقررہ وقت پر سائیں کانواں والے (مرحوم و مغفور) کے مزار پر پہنچتے اور واپسی پر اپنی مسجد میں اکثر اس وقت تشریف لاتے کہ ادھر آپ دروازے میں داخل ہوئے اور ادھر موذن نے مغرب کی اذان شروع کی۔ مجھے آپ نے خود یہ دلچسپ بات سنائی کہ ایک روز سیر سے واپس آتے ہوئے میں نے ایک کاشت کار کو سنا کہ وہ اپنے لڑکے سے کہہ رہا تھا:

''اوہ منڈیا کٹا چھڈ اوئے، مفتی صاحب واپس لنگ گئے نیں۔''

یعنی کاشت کار حضرت صاحب کی واپسی کے وقت کو غروب آفتاب کی علامت قرار دے کر لڑکے سے کہہ رہا تھا کہ جلدی کرو بھینس کے لئے بچھڑا کھول دو، دودھ دوہنے کا وقت ہو چکا ہے۔

ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ حضرت صاحب ایک سے زائد گھڑیاں[2] اپنے ساتھ رکھتے۔ ایک گھڑی کلائی پر دوسری جیب میں۔ جیب کی گھڑیاں بعض اوقات دو ہوتیں۔ وفات کے وقت ان کے پاس تین گھڑیوں پائی گئیں۔ ان گھڑیاں کا وقت درست رکھنے کا اہتمام

۱۔ بالعموم اس وقت ریڈیو سے خبریں سن لیا کرتے تھے ۱۹۶۵ء میں آپ نے پہلی بار ریڈیو خریدا

۲۔ اس طرح ان کے کمرے میں چارپائی کے قریب الارم والے دو ٹائم پیس رکھے ہوتے تھے، ایک تہجد کے وقت کیلئے اور دوسرے پر فجر کے وقت کیلئے الارم لگا رہتا۔

فرماتے اور ان کا باہم مقابلہ بھی کرتے تھے گھڑی اور وقت کا یہ سارا اہتمام، دراصل نماز اور جماعت کے مسئلے سے متعلق تھا۔ انہوں نے ہر نماز کے لئے مسجد میں پہنچنا ہوتا تھا۔ مگر کام کرتے کرتے اٹھ کر جانا ہوتا تھا پھر وضو گھر پر کرتے اور سنت و نوافل بھی گھر پر ہی ادا کرتے۔ اس طرح انہیں ایک ایک منٹ کا حساب اور صحیح اندازہ رکھنا پڑتا تھا اور اب یہ سب کچھ ان کی عادت میں داخل ہو کر طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔

حضرت صاحب ان پارسا لوگوں میں سے تھے جن کے لئے شریعت بمنزلہ طبیعت کے بن جاتی ہے۔ نماز تلاوت، درود شریف اور حج و زیارت کے ساتھ انہیں بے پناہ شغف تھا۔" ایک ہے نماز پڑھنا اور ایک ہے نماز قائم کرنا۔" ان دونوں میں جو فرق ہے ہم لوگ اس کو اپنی تحریر و تقریر کا موضوع تو بنا ہی لیتے ہیں۔ مگر اس فرق کا عملی نمونہ اور نماز قائم کرنے کا صحیح مفہوم ہم نے اپنے اس دور میں، حضرت صاحب کی نماز کو دیکھ کر معلوم کیا۔ وہ نماز ادا کرتے تو ان تمام آداب اور متعلقات سمیت ادا کرتے جن کی رعایت ملحوظ رکھنے کی شریعت نے ہدایت کی ہے۔ وضو کرتے، تو اس میں مسواک تک کی پابندی نبھاتے، وضو گھر پر کرتے اور سنت و نوافل گھر میں ادا کرنے کے بعد مسجد میں پہنچتے۔ تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہ ہونے دیتے۔ پہلی صف میں امام کے پیچھے بیٹھتے۔ امامت خود نہیں کرتے تھے، اقامت بھی اکثر و بیشتر دوسروں ہی کو پڑھنے دیتے۔

نماز ان کی طبیعت میں یوں داخل ہوگئی تھی کہ جب پہلی بار آپریشن کے لئے میو ہسپتال میں داخل ہوئے اور آپریشن ہوا تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپریشن کے بعد کوئی سات آٹھ نمازیں، وقت پہ ادا نہ کرسکے کیونکہ ہلنے جلنے کی ممانعت تھی۔ تو بار بار قلق کے ساتھ کہتے رہے۔" بھائی یہ کیا ہورہا ہے، یہ میری ہوش میں پہلا موقع ہے کہ اتنی نمازیں اکٹھی قضا ہوئی ہیں۔" عرض کیا جاتا۔ یہ تو واقعی مجبوری اور معذوری کی حالت ہے، آخر شریعت کی طرف

سے ایسے ہی مواقع کیلئے رعایت رکھی گئی ہے۔ یہ بات سن کر خاموش تو ہو جاتے مگر ان کی دلی بے قراری چھپائے نہ چھپتی تھی۔ جیسے ہی بیٹھنے کی ہمت آئی، اشاروں سے نماز پڑھنی شروع کر دی اور جب آخری بار (اکتوبر ۱۹۷۱ء میں) آپریشن ہوا تو آپریشن کے بعد پہلی رات ہی مجھے فرمانے لگے۔ دیکھو آج میری تین نمازیں چھوٹ گئی ہیں عصر، مغرب، عشاء اب بتاؤ اگر میں اسی حالت میں مر جاؤں تو ان نمازوں کا کیا بنے گا؟ میں تصویرِ حیرت بنا ان کا سوال سنتا رہا۔ مگر جواب کچھ نہ دے سکا۔

دیگر نوافل بھی التزام ہی سے پڑھتے۔ مگر تہجد کی رغبت کا یہ عالم تھا کہ سفر میں ہوں یا حضر میں، پچھلی رات کو اپنے وقت پر اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہی آپریشن کی آخری بار کیلئے جب لاہور تشریف لائے تو ۱۳ اکتوبر کی شام کو ہمارے مکان پر قیام فرمایا۔ عشاء کے بعد سونے سے پہلے فرمایا: میری چارپائی کے پاس لوٹا اور مصلیٰ رکھ دیا جائے میں انشاء اللہ رات کو دو بجے کے قریب اٹھوں گا چنانچہ وہ ٹھیک دو بجے اٹھے اور جب میں بھی اٹھ بیٹھا تو مجھے جلد ہی سونے کے لئے کہا۔

قرآن حکیم کی تلاوت وغیرہ سے گہرا تعلق خاطر پیدا ہو گیا تھا۔ طالب علمی کے دور کے بعد انہوں نے عمر بھر ہر روز قرآن حکیم کا درس دیا۔ جس میں ناغہ بہت کم ہونے دیتے تھے علاوہ ازیں پچھلے بیس پچیس برس سے تفسیر نعیمی کی تصنیف کے سلسلے میں بھی قرآن مجید اور اس کی تفاسیر سے رابطہ رہتا تھا۔ مگر ان سب چیزوں کے باوجود، حضرت صاحب، قرآن پاک کی روزانہ تلاوت بھی فرماتے اور ایسی پابندی سے فرماتے، جیسی پابندی فرائض کی کی جاتی ہے، ہسپتال داخل ہونے سے پہلے، جو رات ہمارے مکان پر گذاری، اس کی صبح کو بھی انہوں نے قرآن حکیم مانگا اور جب میں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ترجمے والا نسخہ لا کر رکھا، تو بہت خوش ہوئے اور اپنا مقررہ وظیفہ تلاوت پورا فرمایا۔ ہسپتال میں پہنچے تو سوچتے ہی

رہے کہ یہاں قرآن حکیم کا نسخہ لایا جائے تو رکھا کہاں جائے گا۔ ادب و احترام ملحوظ نہیں رہ سکے گا اور ایک دن فرمانے لگے۔ بھائی! یہاں یہ بڑی محرومی ہے کہ تلاوت کے لئے قرآن حکیم نہیں رکھا جاسکتا۔

تلاوت کے بعد قبلہ صاحب کا محبوب ترین وظیفہ درود پاک تھا بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ درود پاک کے ساتھ انہیں ہر چیز سے زیادہ بڑھ کر پیار تھا، تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ وہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر حالت میں درود و پاک پڑھتے رہتے تھے بلکہ گفتگو کرتے ہوئے بھی درود شریف پڑھ لیتے اور وہ اس طرح کہ جب مخاطب بات کرنے لگتا اور انہیں اس کی بات سننے کے لئے خموشی کا وقفہ ملتا تو اسی میں درود شریف جاری رہتا۔ بعض لوگ یہ احساس پیش کرتے ہیں کہ چلتے پھرتے درود پڑھنا نامناسب معلوم ہوتا ہے، سکون اور ادب کے ساتھ کہیں بیٹھ کر ہی پڑھا جاسکتا ہے۔ مگر مفتی صاحب نے ایسی باتوں کو کبھی اہمیت نہ دی اور وہ حرکت و سکون، ہر کیفیت میں ذکر درود سے کبھی خالی نہ ہوتے کبھی یہ کہا جاتا کہ اگر وضو نہ ہو تو درود شریف پڑھنا بند کر دینا چاہئے تو آپ جواب دیتے جو شخص پاک پانی میں غوطہ زن ہو جائے کیا وہ آلودگیوں سے پاک نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح درود پاک نور و طہارت کا دریا ہے۔ جو اس میں آیا، خود بخود پاک ہو گیا۔ فی الواقعہ اس وظیفے سے انہیں عشق تھا، ذرا غور کیجئے۔ نیند کی حالت میں، کیا کیفیت ہوتی ہوگی یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مگر جاگتے ہوئے، حضرت صاحب کی زبان، ہر وقت ذکر و عبادت میں مصروف رہتی تھی۔ ان کی زبان دن کے جاگتے حصے میں یا درس قرآن دے رہی ہوتی یا کسی فقہ و حدیث کے اسباق پڑھاتی یا کسی تالیف کی عبارت املا کراتی ہو یا کسی سائل کو مسئلہ بتاتی اور یا پھر درود پاک پڑھ رہی ہوتی تھی۔

فریضہ حج کے ساتھ بھی خصوصی تعلق تھا اور اس کے پس منظر میں حرمین شریفین بالخصوص مدینہ

الرسول کی حاضری کا ذوق وشوق کارفرما تھا۔ حضرت صاحب کو سات بار حج کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ پہلی دو بار ان ایام میں گئے جبکہ وہ دھوراجی (کاٹھیاواڑ) میں مدرس ہوتے تھے اور اس کے بعد پانچ مرتبہ گجرات سے تشریف لے گئے۔ انہوں نے ایک حج اپنے والد کی طرح سے ایک حضور اقدس ﷺ کی طرف سے اور ایک حضور اقدس کی والدہ ماجدہ کی طرف سے ادا کرنے کی نیت کی تھی۔ یہ حج ہی کی دلچسپی تھی کہ حضرت صاحب حسب استطاعت رقم جمع کرتے رہتے تھے اور جو کچھ جمع فرماتے تھے گھریلو ضروریات کے بعد اس کا سب سے بڑا مصرف یہی سفرِ حرمین ہوتا تھا۔

نماز اوراذ کار وعبادات کی پابندی کے باوجود طبیعت میں زاہدانہ خشکی اور تلخی نے راہ نہیں پائی تھی احباب، رفقاء اور تلامذہ میں گھل مل کر بیٹھتے ملتے تو مسکراتے ہوئے چہرے سے ملتے۔ البتہ مسکراہٹ بالعموم زیر لبی ہوتی۔ کھل کر ہنستے تو بھی قہقہے کی حدود کو بمشکل ہی چھوتے۔ بچوں سے ایک خاص انداز کی شفقت کی باتیں کرتے۔ گھر کے چھوٹے بچے ان سے بہت انس اور دوستی رکھتے تھے۔ نوجوانوں کو محبت اور حکمت کے امتزاج سے خطاب کرتے۔ بڑوں کا احترام کرنے میں اور چھوٹوں پر دستِ شفقت رکھنے میں ان کا قدم تیزی سے آگے بڑھتا۔ جس روز اپریشن ہوا تو کمرے سے باہر حضرت صاحب مرحوم کی بڑی ہمشیرہ بھی تشریف فرما تھیں۔ اپریشن کے بعد جب انہیں چارپائی پر باہر لایا گیا تو ہمشیرہ نے پوچھا: احمد یار کیسے ہو؟ حضرت صاحب نے لب کی جنبش اور ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا: الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں۔ بعد میں ہسپتال ہی میں ایک موقع پر مجھے فرمایا: انسان کی یہ بھی کیسی عجیب خواہش ہوتی ہے کہ اس کے سر پر کوئی بڑا موجود ہو جو شفقت اور پیار سے اسے پکارے۔ تمہیں نام لے کر پکارنے والا میرے سوا اور تمہاری والدہ کے سوا اور کوئی نہ ہوگا اور مجھے میری بڑی ہمشیرہ کے سوا نام سے پکارنے والا اب اور کوئی نہیں۔ اپریشن کے

دن آپا نے جب مجھے احمد یار کہہ کے پکارا تو مجھے یوں لگا کہ میرا بہت سا خون بڑھ گیا۔ بڑوں کی شفقت بھی کیسی نعمت ہے۔

والدہ[1] مرحومہ کو فوت ہوئے اب ایک عرصہ گذر چکا تھا مگر اکثر و بیشتر ان کی یادوں سے دل کو تقویت دیتے ہوئے ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے اور فرمایا کرتے کہ میرے پاس جو کچھ ہے سب ان کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

طبیعت میں نام و نمود و اظہار کے شوق کے لئے کوئی خانہ سرے سے موجود ہی نہ تھا۔ تقریباً ۳۰ برس سے گجرات میں تشریف فرما تھے اور ٹھوس علمی و دینی خدمات انجام دے رہے تھے مگر اخبار اور اشتہار کا موضوع بننے کی کبھی کوشش نہ کی۔ لاہور ہسپتال میں داخل ہوئے تو عرض کیا گیا کہ اخبارات میں بیماری کی اطلاع شائع کرائی جائے اور دعائے صحت کی اپیل کی جائے تو اسے بھی پسند نہ فرمایا۔ سیاست و صحافت کے معرکوں سے دور رہتے انہوں نے کبھی دوسروں پر اپنی شخصیت ٹھونسنے کی، یا علمی رعب جمانے کی کوشش نہ کی۔ اپنی اس خاص افتاد طبع کے باوجود آپ روزانہ اخبار خود بھی دیکھتے اور ملنے والوں سے بھی معلومات لے لیتے۔ تا بحد ضرورت ملکی و ملی حالات سے باخبر رہتے تھے۔ سیاسی اور ملکی مسائل پر دوستوں سے تبادلہ خیال بھی فرما لیتے۔ بے خبر رہنے کو درست قرار نہیں دیتے تھے اور یہ مصرعہ پڑھا کرتے تھے۔

علم شے بہتر بود از جہل شے، مگر وہ اس فرق سے خوب واقف تھے کہ فرائض کی بہتر ادائیگی کیلئے ماحول سے باخبر ہونا اور چیز ہے مگر باخبری کے بہانے نمود و اقتدار کا پجاری بن جانا ایک دوسری چیز ہے۔

جس دور میں مذہبی رہنماؤں کے اکثر گروہ، خود غرضانہ سیاسی طالع آزمائی اور شخصی یا گروہی

---

[1] حضرت صاحب کی والدہ مرحومہ ۱۹۵۲ء میں فوت ہوئی تھیں

مفادات کے حصول کیلئے، انتخابی معرکوں میں کود پڑے تھے، حضرت صاحب اس سارے ہنگامے میں کمال خاموشی کے ساتھ اپنے گوشہ تصنیف میں حسب دستور مصروف کار رہے۔ فرمایا کرتے تھے۔ میں تو دیہات کی پر سکون زندگی پسند کرتا ہوں اور اس سے کسی طرح کی جمود پرستی اور عزلت پذیری کی حوصلہ افزائی مراد نہ تھی۔ بلکہ شر اور فتنے سے بچنا مقصود تھا۔ اپنی تبلیغی زندگی کے آغاز میں انہوں نے بحث و مناظرہ کے کئی معرکے سر کئے تھے۔ فنی اصول اور متبحر علمی کی رو سے، حضرت صاحب میں ایک کامیاب مناظر کی صلاحیتیں موجود تھیں مگر جیسے جیسے کاروان عمر آگے بڑھتا گیا طبیعت کا درویشانہ رجحان، بحث و مناظرہ کے میدانوں سے انہیں دور ہی دور لیتا گیا بلکہ ہوتے ہوتے عام جلسوں اور تقریروں سے بھی کنارہ کش رہنے لگے تھے اور آخری سالوں میں یہ کیفیت تھی کہ سال بھر میں بمشکل دو تین دفعہ باہر کے جلسوں میں شرکت کے لئے نکلتے اور وہ بھی مخلص ترین احباب کے ہاں۔ نماز کے لئے ہمیشہ مسجد میں تشریف لے جاتے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ مگر خود جماعت کی امامت کبھی نہ کراتے۔ شاذ و نادر ہی ایسا کوئی موقعہ آتا کہ کبھی سفر وغیرہ میں میزبانوں کے اصرار پر جماعت کرانا قبول فرماتے اور یا کسی ایسی مجبوری کی حالت میں کہ امامت کیلئے دوسرا متشرع آدمی ہی موجود نہ ہوتا۔

لباس اور وضع میں کسی نوع کا تکلف نہ برتتے، نہ متمولانہ، نہ زاہدانہ وعالمانہ متمولانہ تکلف سے میری مراد یہ ہے کہ بگڑے ہوئے نوابوں کی طرح انتہائی بیش قیمت کپڑے پہنے جائیں اور زاہدانہ وعالمانہ تکلف سے مراد یہ ہے کہ جبہ و دستار کا خاص التزام اور لباس کی ایک خاص طرح کی ساخت اور پھر اس پر سج دھج کا خاص اہتمام لازم سمجھا اور رکھا جائے۔ مرحوم ایسی باتوں سے کوسوں دور تھے۔ مالیت کے اعتبار سے ان کا لباس معمولی اور درمیانہ ہوتا جس میں ساخت یا قرینہ داری کو بھی کوئی خاص اہمیت نہ دی جاتی۔ بے کالر کی قمیض، کرتہ، شلوار،

پاجامہ سب کچھ پہن لیتے۔ پنجاب میں آ کر انہوں نے بتدریج ادھر ہی کا لباس اپنا لیا تھا۔ اور اب سالہا سال سے پنجابی انداز کی شلوار استعمال فرماتے تھے۔ موسم گرما میں دیسی ململ کا کرتہ پہنتے تو اسے استری لگتی محسوس ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اکثر و بیشتر ان کے کپڑے اُجلے ضرور ہوتے۔ مگر مایہ اور استری سے بے نیاز ہی رہتے۔ ہندوستان سے تشریف لائے تو شروع میں کچھ دیر تک شیروانی پہنتے رہے لیکن اب آخری سالوں میں شیروانی بھی شاذ ونادر ہی دیکھی گئی۔ سردیوں میں بالعموم پنبہ دار واسکٹ اور جرسی وغیرہ استعمال کر لیتے تھے۔ انہوں نے اس بات کا اظہار کبھی نہیں کیا کہ میں نے شیروانی اور جبہ وقبا کو کیوں اختیار نہ کیا اور اس سیدھے سادھے عام لباس کی طرف کیوں منتقل ہوا ہوں اور یہ اظہار اس لئے نہیں تھا کہ ان کا راستہ اظہار اور نمود کا راستہ نہیں تھا مگر بالیقین یہ سب کچھ اپنے تہذیبی جذبے کے پیش نظر تھا۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم سے بڑھ کر کون اس بات سے آگاہ ہو سکتا تھا کہ ان کے آقا حضور رحمۃ اللعالمین نے ارشاد فرمایا تھا:

> ”جو شخص فخر و امتیاز کا لباس پہنے گا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔“

ہمارے علماء اور صوفیاء کی سادہ لباسی اور درویشی وضع کے پیچھے یہی عظیم فرمانِ آقا رسول کار فرما ہے۔

ایک بار مجلسِ صداقتِ اسلام کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے یومِ رضا کے موقع پر جب حضرت صاحب دورانِ جلسہ برکت علی اسلامیہ ہال میں تشریف لائے تو ایک دیدنی منظر آنکھوں نے دیکھا۔ مائیک سے مفتی اعظم پاکستان کی آمد کا اعلان ہوا اور نگاہیں کسی بہت بڑی مرصع اور سج دھج والی شخصیت دیکھنے کے منتظر تھیں، مگر دیکھا یہ گیا کہ اس نام سے ایک ایسا شخص سٹیج کی طرف بڑھ رہا تھا، جس کا لباس سادہ اسے زینتِ فقر بخشے ہوئے تھا۔

ہمارے جو دوست گجرات سے حضرت صاحب کے ہمراہ آئے انہوں نے بتایا کہ حضرت صاحب نے جن کپڑوں میں صبح کی نماز پڑھی اور قرآن حکیم کا درس دیا انہی کپڑوں میں اٹھ کر وہ لاہور تشریف لے آئے تھے۔

حضرت صاحب کی عادات کے بعض گوشے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جس ماحول میں وہ زندگی گذار رہے تھے۔ کس طرح اس ماحول کے بنائے ہوئے عام سانچوں سے ان کے اطوار مختلف تھے۔ علماء اور مشائخ کے لئے استقبال اور مشایعت کی رسمیں عام ہیں معتقدین کی طرف سے دعوتوں اور کھانوں کا سلسلہ بھی رواج کا ایک حصہ ہے لیکن اس رواج اور اس ماحول میں حضرت صاحب کی حساس طبیعت اور بیدار ضمیر انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ ان کے لئے کوئی دوسرا شخص زحمت میں پڑ جائے، یوم رضا سے فارغ ہو کر گجرات واپس تشریف لے گئے تو اقبال صاحب ان کے ہمراہ گئے بس سے اترے تو فرمایا کہ پیدل ہی گھر جائیں اور اکیلا چلا جاؤں گا۔ اقبال صاحب نے انتہائی خواہش ظاہر کی وہ آپ کو گھر چھوڑ کر واپس آ جائیں گے اور بات بھی معمولی تھی لیکن حضرت صاحب نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دی اور اپنا بیگ خود اٹھائے ہوئے کھلے بازار سے گذرتے ہوئے گھر تشریف لے گئے۔

آپریشن کے لئے آخری بار لاہور آئے تو رات میرے مکان پر ٹھہرے۔ سحری کو تہجد کے لئے اُٹھے تو میری بھی آنکھ کھل گئی۔ لوٹا لے کر وضو کرانا چاہا مگر آپ نے مجھے اصرار سے کہا کہ تم سو جاؤ تم نے صبح کام پہ جانا ہوگا۔ ہسپتال میں داخل ہوئے تو مناسب یہ سمجھا گیا کہ پکا ہوا کھانا ہسپتال میں پہنچایا جائے۔ دوپہر کا کھانا علامہ احمد حسن نوری صاحب کے گھر سے شام کا کھانا میرے ہاں سے آنا طے پایا۔ اول تو حضرت صاحب گھر کے کھانے کی تجویز کو مانتے ہی نہ تھے۔ فرماتے ہسپتال کا کھانا مجھے پسند ہے تو پھر آپ لوگ کیوں تکلیف میں پڑتے ہیں۔

بڑی مشکل سے بار بار زور ڈال کر انہیں آمادہ کیا گیا۔ ہمارے اصرار پر مان تو گئے اور گھر کا کھانا کھاتے بھی رہے۔ لیکن یہ احساس انہیں ستاتا ہی رہا کہ ان کی وجہ سے دوسرے لوگ زحمت اٹھا رہے ہیں چنانچہ بار بار فرماتے رہے کہ بھائی تم لوگ خواہ مخواہ تکلیف اٹھا رہے ہو۔ ہسپتال میں اچھا بھلا کھانا ملتا ہے۔ یہ سب ان کے احساس کا مسئلہ تھا ورنہ ہمارے گھروں کا ہر چھوٹا بڑا فرد، حضرت صاحب کی ہر خدمت کو اپنے لئے باعثِ سعادت اور موجبِ راحت تصور کرتا تھا۔ وہ کسی کو خدمت کا موقع دیتے ہی کب تھے؟ میں ان کا ایسا شاگرد تھا، جسے اپنی طالب علمی میں، ان کے انتہائی قریبی ماحول میں رہنے کا شرف حاصل تھا۔ مگر تمام تر دورِ طالب علمی میں، مجھے خدمت کے لمحات میسر نہ آسکے۔ یہ ایک اتفاق تھا، کہ میرے قیام لاہور کے دوران میں حضرت صاحب کو دوبارہ آپریشن کیلئے میو ہسپتال میں داخل ہونا پڑا، پہلی بار غالباً ۱۹۵۷ء میں اور دوسری بار اب اکتوبر ۱۹۷۱ء میں۔ بس یہ دو مختصر وقفے ساری عمر میں، مجھے ایسے نصیب ہوئے کہ استاذ گرامی کی خدمت کا کچھ حصہ ادا کرسکوں۔ مگر اس میں بھی ان کی حساس اور خوددار طبیعت ہر لمحے پر، شوق بے تاب کے لئے رکاوٹیں پیدا کرتی رہی۔

من کی دنیا

(حافظ سید علی صاحب تاثرات کے آئینے میں)

حضرت صاحب قدس سرہ نے عالمِ رنگ و بو سے بہت دور من کی جو دنیا بسا رکھی تھی اس کا علم بہت کم لوگوں کو تھا۔ وہ دعوے اور اظہار کا مزاج نہیں رکھتے تھے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ صاحب دل لوگ اپنے کو اشتہار بنانا کبھی پسند نہیں کرتے۔

آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

حضرت صاحب کے ہاں من کی دنیا کی ساری رونق سرورِ کونین حضور رحمۃ للعلمین کے تعلق اور دلبستگی سے قائم تھی۔ انہیں اپنے آقا و مولا کے ساتھ جو بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔ اس کے فیض سے بالآخر انہیں قرب و تعلق کی خاص کیفیات عطا ہونے لگی تھیں جس کا اظہار ان حسین و جمیل خوابوں سے ہوتا ہے جن سے حضرت صاحب قدس سرہٗ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں بکثرت مشرف ہونے لگے تھے۔ ان خوابوں میں حضور پرنور اور آپ کے خاصانِ بارگاہ کی زیارات نصیب ہوتیں حضرت صاحب قدس سرہ اپنی ان کیفیات کا تذکرہ کبھی کبھی چند خاص احباب سے فرماتے رہے۔ جو گجرات میں ان سے بہت قریب تھے۔ میرے محترم اور بزرگ ساتھی، استاد بھائی مولانا حافظ سید علی صاحب بھی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں۔ جن کے ساتھ حضرت صاحب ان کیفیاتِ خصوصی کا کچھ تذکرہ فرماتے رہے۔

میں حضرت صاحب قدس سرہ کے مقاماتِ قرب کے بارے میں کچھ کہنے سے بہت ڈرتا ہوں مبادا کہ یہ اظہار و دعویٰ کی وہی بات بن کر رہ جائے جسے حضرت صاحب سخت ناپسند فرماتے تھے۔ اس لئے صرف حافظ صاحب کے ذریعے سے چند خواب نقل کرنے پر اکتفا

کرتا ہوں۔ جو حضرت صاحب نے خود بیان فرمادیئے تھے۔ یہ محض ایک جھلکی ہے اور سردست اس سے زیادہ تفصیلی بیان ممکن نہیں ورنہ یہ سمندر ناپیدا کنار ہے۔

اندکے پیشِ تو گفتم غم دل ترسیدم　　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

جب حضرت صاحب قدس سرہ نے "امیر معاویہؓ پر ایک نظر" کتاب تالیف فرمائی، تو اس موقع پر رات زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔ سرکار فرما رہے تھے، تم نے میرے صحابی کی عزت بچانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تمہاری عزت بچائے گا۔

تفسیر نعیمی کی تالیف کے موقع پر یا اس سے کچھ بعد، خواب میں دیکھا کہ اجمیر شریف کی درگاہ میں ہیں۔ حضرت خواجہ قدس سرہ برآمدوں کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ ادھر سے حضرت پر نور ﷺ تشریف لے آئے۔ حضرت صاحب کی طرف سے حضرت خواجہ نے تفسیر نعیمی کا نسخہ دربار رسالت میں پیش کیا اور سرکار رسالت مآب ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک میں لے لیا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب خشکی کے راستے زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے اس موقعہ پر آپ طویل عرصے تک مدینہ منورہ میں ٹھہرے رہے اور جی یہی چاہتا تھا کہ کوئی صورت نکلے تو یہیں ہمیشہ کی سکونت ہو جائے کہ مسجد نبوی کے قریب رہنے والے کسی صاحب کو خواب میں حضور کی زیارت ہوئی اور فرمانے لگے۔ "مفتی صاحب سے کہا جائے وہ گجرات جائیں اور تفسیر کا کام کریں۔" یہ فرمان دوسرے روز حضرت صاحب تک پہنچا دیا گیا۔ حضرت صاحب کو از حد اطمینان ہوا کہ اگر سرکار کا یہ فرمان ہے کہ گجرات جاؤ تو پھر گجرات ہی میرے لئے مدینہ ہے۔

ضمیمہ

حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارہ روز میو ہسپتال لاہور میں رہے

ہسپتال کی ڈائری

سوموار ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء

آج حضرت صاحب قبلہ۔ میو ہسپتال میں داخل کر لئے گئے۔ آؤٹ ڈور سرجیکل وارڈ میں بیٹھے ہوئے حسب ذیل باتیں ہوتی رہیں۔

میں نے عرض کیا: اپنے والد ماجد مرحوم کے بارے میں کچھ بتایئے۔

ارشاد فرمایا:

''میرے والد کا نام محمد یار خان[1] تھا۔ انہوں نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ اس سلسلے میں کچھ خدمت ہو جاتی، اسی پر قناعت کے ساتھ گذارہ کرتے اپنے وطن اجھیانی (بدایوں) کی جامع مسجد میں امامت، خطابت اور مسجد کی نگرانی و انتظام کی خدمت بلا معاوضہ انجام دیتے تھے جس کا سلسلہ پینتالیس سال تک جاری رہا، اپنے ذاتی مدرسہ میں فارسی پڑھاتے تھے، بہت سے ہندو بھی ان کے شاگرد تھے۔

میرے والد کے ہاں پانچ لڑکیاں پیدا ہوئی تھیں، لڑکا کوئی نہ تھا۔ انہوں نے منت مانی اگر میرے گھر لڑکا پیدا ہوا تو اسے خدمت دین کے لئے وقف کر دوں گا چنانچہ میں پیدا ہوا اور

۱۔ محمد یار خان رحمۃ اللہ کے قدرے مفصل حالات، کتاب کے آغاز پر ''خاندانی پس منظر'' کے زیر عنوان درج کئے گئے ہیں۔

مجھے علم دین کی تحصیل پر لگا دیا گیا۔ میری پیدائش ۱۳۲۴ھ کے ماہ شوال میں ہوئی تھی۔

''منظور حسین'' میرا تاریخی نام ہے۔

اس موقعہ پر حضرت صاحب کا ذہن، راقم الحروف کے والد ماجد قاضی عبدالحکیم[1] کی یادوں کی طرف منتقل ہو گیا اور فرمانے لگے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ آپ کے والد قاضی صاحب مرحوم نے آپ کو ہمارے سپرد کیا تھا۔ پہلے

۱۔ میرے والد قاضی عبدالحکیم مرحوم ۱۸۹۰ء کے قریب، گجرات کے ایک قریشی علوی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مولا بخش اور دادا کا نام محمد علی تھا۔ ہمارے بزرگانِ خاندان، مسلم فاتحین وسلاطین کے کسی دور میں حجاز سے برعظیم پاک و ہند میں آ کر آباد ہوئے۔ خاندان کے بعض ارباب علم فضل، غالباً مغلیہ عہد میں، منصب قضا پر فائز رہے۔ والد مرحوم ایک عرصے تک لاہور کی دینی درس گاہوں میں پڑھتے رہے۔ مشکوٰۃ اور جلالین تک اسباق پہنچے ہوئے تھے کہ ہمارے دادا حج پر گئے ہوئے تھے وہیں انتقال کر گئے اور مکہ مکرمہ میں مدفون ہوئے۔ اب والد مرحوم کو گھر کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے گجرات واپس جانا پڑا چنانچہ وہ اپنے والد کی چھوڑی ہوئی کپڑے کی دکان کو کامیابی کے ساتھ چلانے لگے مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد کپڑے کے کاروبار کے بجائے، اس دوکان پر، کتابوں کی خرید و فروخت ہونے لگ گئی۔ والد مرحوم فرمایا کرتے: ''ہمارا کپڑا کاغذ میں تبدیل ہو گیا'' یہ تبدیلی ان کے علمی و دینی ذوق کے باعث رونما ہوئی تھی، چنانچہ انہوں نے بہت جلد اپنی دوکان کو اسلامی لٹریچر اور عربی و فارسی کی کتابوں کے لئے ضلع بھر کا واحد مرکز بنا ڈالا۔ علماء کو اچھی کتابیں، اہتمام کے ساتھ مہیا کرتے۔ مستحق طلباء کو ان کی ضرورت کی کتب بلا قیمت دیتے۔ کاروباری زندگی میں آ کر بھی، خدمت، دینی کا ذوق و شوق بدستور قائم رہا۔ دوکانداری کے دور میں، قرآن حکیم حفظ کرنے کا ولولہ پیدا ہوا، تو دن کے اوقات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ صبح نماز فجر سے بارہ بجے دوپہر تک محلے کی مسجد میں بیٹھ کر قرآن مجید یاد کرتے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ انہیں والہانہ محبت تھی۔ درود پاک اور روزانہ تلاوتِ قرآن، ان کے محبوب وظیفے تھے۔ ضلع گجرات کے علمائے اہلسنت اور صلحاء کے ساتھ ان کی دوستی ہوتی تھی۔ پیر سید ولایت شاہ صاحب، مولانا نیک عالم رحمۃ اللہ علیہ (مراڑیاں، گجرات) اور مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ (کالرہ دیوانِ سنگھ، گجرات) کے ساتھ ان کے گہرے مراسم تھے۔ حضرت صاحب گجرات میں تشریف لائے تو اہل خیر کی یہ بابرکت جماعت، ان کے لئے دست و بازو بن گئی۔ دارالعلوم خدام الصوفیہ گجرات کی روحِ رواں، تین چار شخص ہی تھے۔ ان میں ایک والدِ مرحوم بھی تھے۔ ان کی وفات ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔ گجرات جی ٹی روڈ کے پاس اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہیں۔

آپ نے ہمارے گھر پر قرآن پاک ناظرہ پڑھا جب قرآن پاک ختم کر لیا تو قاضی صاحب مرحوم نے اپنے مکان پر ہم سب اہل خانہ کی ایک پر تکلف دعوت کی اور آمین کی محفل (مجلس قرآن) بھی منعقد کی۔ اس موقعہ پر قاضی صاحب نے ایک مفصل تقریر کی، جس میں انہوں نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور اپنے ان جذبات کا اظہار کیا کہ حضرت صاحب نے جس طرح بچے کی قرآن خوانی خاص توجہ سے پایہ تکمیل تک پہنچائی ہے۔ اسی طرح آئندہ علوم دینیہ کی تعلیم کے دوران بھی ان کی خصوصی عنایت وشفقت شاملِ حال رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

آج ہی فرمایا:

اس زمانے میں، میں کہا کرتا تھا گجرات میں اہل سنت کے ستون تین شخص ہیں یعنی جن کے عقیدہ ومسلک پر کامل اعتماد کیا جا سکتا ہے، پیر سید ولایت[1] شاہ صاحب قاضی عبدالحکیم صاحب اور تیسرے صاحب کا نام اب میرے ذہن میں نہیں آ رہا۔ (دوسرے روز میں نے دوبارہ استفسار کیا اور کچھ نام یاد کرائے اور جب میں مولانا محمد عارف[2] صاحب مدرس پبلک

۱۔ قدوۃ السالکین حضرت پیر سید ولایت شاہ قدس سرہ رانیوال (گجرات) کے ترمذی سادات سے تھے وہ اپنی جوانی کی عمر میں گجرات شہر منتقل ہو گئے تھے، جہاں انہوں نے مسجد حاجی پیر بخش لاہوری مرحوم کی مسجد میں، قرآن حکیم کا مدرسہ قائم کیا جہاں ضلع بھر کے صدہا افراد قرآن حفظ کر کے نکلے۔ اس دور میں امیر ملت حضرت پیر جماعت علی شاہ علی پوری کے روحانی کمالات کا شہرہ عام تھا۔ سید ولایت شاہ صاحب، امیر ملت کے غائبانہ عقیدت مند بن چکے تھے بالآخر ایک بار جب حضرت امیر ملت، گجرات میں منشی عبدالکریم مرحوم وصوفی عبدالرحمٰن مرحوم (موخراللہ کر راقم السطور کے نانا تھے) کے مکان پر قیام فرما ہوئے، تو سید ولایت شاہ صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ بیعت میں شامل ہو گئے اور جلد ہی ان کا شمار امیر ملت کے اکابر خلفاء میں ہونے لگا۔ پیر سید ولایت شاہ کا وصال ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ (۳۱ جولائی ۱۹۷۰ء) کو ہوا۔ انہیں گجرات کے محلہ علی پورہ میں دفن کیا گیا۔

۲۔ مولانا محمد عارف صاحب، عرصہ دراز سے پبلک ہائی سکول گجرات میں ایک مدرس کی خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مگر ان کی زندگی نہایت تعمیری ہے، انہوں نے صدہا بچوں کی سیرت وکردار پر، اپنی نیک دلی اور پارسائی کے اثرات ڈالے ہیں۔ اس کے علاوہ، انہوں نے حضرت صاحب مرحوم کے درس اور تقاریر قلم بند کرنے کا کام سالہا سال تک ادا کیا۔ ''مواعظ نعیمیہ'' تو مکمل ان کے جمع کردہ مواعظ پر مشتمل ہے۔ اس کے آغاز میں ان کا تحریر کردہ پیش لفظ بھی موجود ہے۔

ہائی سکول گجرات کا نام لیا تو فرمایا: ہاں تیسرے صاحب یہی ہیں۔)

میں نے استفسار کیا، کہ گجرات آنے سے پہلے آپ کہاں کہاں تشریف فرما رہے۔

ارشاد فرمایا:

مراد آباد سے فارغ ہونے کے بعد دھوراجی (کاٹھیاواڑ) اور اس کے بعد کچھوچھہ شریف میں تدریس وغیرہ کے فرائض انجام دیتا رہا۔ ہمارے محمد میاں کچھوچھہ شریف میں ۱۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ محمد مختار ابو جوادان کا تاریخی نام ہے۔

آج ہی فرمایا:

قرآن و سنت میں غور کرتے جاؤ تو ان کی اتھاہ گہرائیوں کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ اصحاب کہف کے مدت قیام کو قرآن پاک نے عجیب طریقے سے بیان فرمایا ہے:

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا کہف ۲۵ — اور وہ (اصحاب کہف) اپنے غار میں تین سو سال رہے اور انہوں نے نو زائد کیے

اس میں "وَازْدَادُوْا تِسْعًا" کا فاعل اصحاب کہف نہیں ہیں بلکہ اہل عرب ہیں کہ انہوں نے اپنی قمری تقویم کی رو سے تین سو پر نو کا اضافہ کیا ہے۔ قرآن پاک کی عبارت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ اصحاب کہف غار میں پورے تین سو سال رہے اور اس کے بعد نو سال مزید رہے۔ اس بات کی کوئی تک نہیں بنتی۔

حدیث شریف سے ایک مثال دیتے ہوئے فرمایا:

حدیث شریف میں آیا ہے:

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ[1] — تم لوگ اسی طرح نماز پڑھا کرو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو

۱۔ اس حدیث کو مشکوٰۃ المصابیح میں، مالک بن الحویرث کی روایت سے درج کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ حدیث و بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے دیکھیے مشکوٰۃ مطبوعہ اصح المطابع دہلی صفحہ ۶۶

یہاں ''کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ'' فرمایا ہے یعنی تمہاری نگاہیں میری نماز کو جیسا دیکھتی ہیں اسی کی نقل تم اپنی نماز میں کرلیا کرو۔ ''کَمَا اُصَلِّیْ'' نہیں فرمایا۔ اگر یوں فرمادیا جاتا۔ تو اس کا مطلب یہ نکلتا کہ جیسی نماز میری ہوتی ہے ویسی ہی نماز تم بھی پڑھو اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی نماز کی حقیقت اور اس کے مقام کو کون پاسکتا ہے اور ویسی نماز کون پڑھ سکتا ہے اس لئے ''کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ'' فرما کر قابلِ عمل صورت پیدا کردی یعنی تمہاری ظاہری نظر نگاہ میری نماز کی جس شکل وصورت کو دیکھتی ہے اسی شکل وصورت کی پیروی تم بھی کرلیا کرو۔ سبحان اللہ کیا پیاری شرح ہے۔

عرض کیا گیا: انتخابی مہم کے موقع پر بعض مذہبی رہنماؤں نے اپنی مذہبی روحانی قوت جتاتے ہوئے بڑے بڑے انتخابی دعوے کیے تھے بعض حضرات عالمِ رویا کی بشارتیں جلسوں میں سناتے رہے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

> یہ سب کچھ نا مناسب ہے۔ اہل دین کو دعوے اور پیش گوئی سے احتراز ہی کرنا بہتر ہوتا ہے۔ ہمارے دور کے ایک بڑے معروف بزرگ نے اپنے ایک عقیدت مند کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''اگر یہ جہنم میں ڈال دیا گیا تو بھی میں اسے وہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے کر جنت میں جاؤں گا۔ اب وہ بزرگ انتقال کر چکے ہیں اور ان کے وہ عقیدت مند صاحب عجیب وغریب باتیں کرتے رہتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں مسلمان کو کبھی اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کرنا چاہیے صرف انبیاءِ کرام علیہم السلام کی یہ شان ہے کہ ان کا دعویٰ ہر وعدہ اور ہر دعا مقبول ہوتی ہے کوئی دعا رد نہیں ہوتی کیونکہ انبیاء کی ہر دعا درست ہوتی ہے۔ یہ بات سورۂ مریم کی ابتدائی آیت سے ثابت

ہے جو کہے کہ انبیاء کی بھی بعض دعائیں رد ہو جاتی ہیں وہ بد بخت خود مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کسی کی دعا رد نہیں فرماتا خود ہماری ہی بعض دعائیں غلط ہوتی ہیں اس لئے رد ہو جاتی ہیں، ہر دعا قبول فرمانا شانِ الوھیت ہے۔ اس میں قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے ہر دعا کو قبول کر سکنا قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہے۔ دعا کو رد کرنا شانِ الوھیت نہیں وہ ہر بندہ کر سکتا ہے۔ نا قبول ہونے والی دعاؤں سے انبیاء کرام علیہ السلام کو روک دیا جاتا ہے یہ انبیاء کرام کی شان قرب ہے اور انبیاء کو بتا بھی دیا جاتا ہے کہ اس لئے اس دعا سے روکا جا رہا ہے۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء

آج ارشاد فرمایا:

کسی سفر میں میں اور مولانا عبدالغفور[1] ہزاروی مرحوم، واپسی پر گاڑی میں اکٹھے ہو گئے۔ مولانا نے کچھ تعطل کر کے مجھ سے پوچھا، مولانا صاحب کیا آپ مراد آباد اور میرٹھ میں مولانا مشتاق احمد مرحوم کانپوری کے پاس پڑھتے رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا: ہاں....! تو بولے کیا مولانا کے پاس ایک ایسا طالب علم پڑھتا تھا جسے وہ اپنے انداز میں "غفورا" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ میں نے کہا: ہاں! مجھے یاد ہے کہ ہزارے کا ایک طالب علم لمبے لمبے بالوں والا تھا، جسے

۱۔ شیخ القرآن حضرت علامہ پیر محمد عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال، ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو وزیر آباد جی ٹی روڈ پر ٹرک کے حادثے میں ہوا۔ ان پر "شیخ القرآن" کے نام سے ایک کتاب شائع ہو چکی ہے جو زیادہ تر حضرت علامہ مرحوم کے خطبات جمعہ پر مشتمل ہے۔ مگر شروع میں، کچھ حالات زندگی بھی درج کئے گئے ہیں۔

استاذ مرحوم ''غفورا'' کہہ کر ہی بلایا کرتے (حضرت صاحب نے فرمایا کہ جب میں مولانا ہزاروی مرحوم سے یہ گفتگو کر رہا تھا اس وقت مجھے یہ قطعاً گمان نہ تھا کہ وہ طالب علم آج مولانا عبدالغفور ہزاروی بن کر میرے سامنے بیٹھا ہے کیونکہ اس دور میں ان کی شکل و صورت بھی کچھ اور ہی طرح کی لگتی تھی)۔ یہ سن کر ہزاروی صاحب فرمانے لگے، ''مفتی صاحب وہ 'غفورا' میں ہوں''۔ اس کے بعد ہزاروی صاحب نے اٹھ کر مجھے گلے لگا لیا اور فرمایا کہ ''آپ میرے استاد بھائی ہیں۔''

مذکورہ گفتگو کے پس منظر کے طور پر ارشاد فرمایا: جس دور میں میں مراد آباد پہنچا اس وقت میرے اسباق صدرا، شمس بازغہ، خیالی اور شرحِ چغمینی وغیرہ تھے۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے محض میرے ان اسباق کے لئے کانپور سے مولانا مشتاق احمد مرحوم کو بلوالیا۔ اس دور میں ان کا مشاہرہ ۸۰ روپے مقرر ہوا اور ان کے ساتھ آنے والے چند طلباء کے جملہ اخراجات بھی حضرت نے برداشت کیے۔ انہی طلباء میں مولانا عبدالغفور ہزاروی بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ عبدالحق بہاری اور مولانا عتیق الرحمٰن بستی (یوپی) کے نام بھی یاد آتے ہیں۔ چند ماہ کے بعد استاذ گرامی مولانا مشتاق احمد میرٹھ چلے گئے اور مجھے بھی ساتھ روانہ کر دیا گیا میرٹھ میں بھی مولانا عبدالغفور ہمارے ساتھ پڑھتے رہے۔ استاذ گرامی مولانا مشتاق احمد کانپوری مرحوم و مغفور فنون اور معقولات (منطق، فلسفہ، ریاضیات) کے اپنے وقت کے بہت بڑے ماہر مدرس تھے۔ ان کے بڑے بھائی مولانا نثار احمد کانپوری کا شمار ملک کے نامور خطیبوں میں ہوتا تھا اور انہیں بلبلِ ہند کہہ کر بھی پکارا جاتا: مولانا مشتاق احمد کچھ عرصے کیلئے حجاز مقدس میں بھی تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے چنانچہ جب میں پہلے حج کیلئے

گیا تو بعض عرب علماء نے مجھے بتایا کہ وہ مرحوم مولانا مشتاق احمد کانپوری کے تلامذہ میں ہیں۔

آج ہی اپنے ایک مناظرے کی کیفیت سنائی، فرمایا: دادوالی ضلع گجرات میں میرے اور مولوی احمد دین صاحب گکھڑوی کے درمیان حاظر وناظر کے مسئلے پر مناظرہ ہوا۔ اس مجلس مناظرہ کی صدارت حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی فرما رہے تھے۔ گفتگو شروع ہوئی تو مقابل نے ذرا بے باکی کے انداز میں کہا" کیا حضور ﷺ کو دوزخ میں بھی حاظر وناظر مانو گے" (استغفراللہ!) ہزاروی صاحب حمیت دینی کے جذبہ وجلال کے ساتھ اجتماع کی طرف متوجہ ہوکر بولے: "مسلمانو! دیکھو یہ مولوی حضور ﷺ کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔" بس یہ کہنا تھا کہ سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور مولوی صاحب پر پل پڑے۔ اب تو مولوی صاحب یہ کہتے ہوئے بھی سنے گئے "غوث پاک کیلئے مجھے چھوڑ دو"

ایک اور روئداد سناتے ہوئے فرمایا:

کھوڑ (پنڈی گھیپ) میں میرے اور غلام اللہ صاحب کے درمیان ایک مباحثہ ہوا یعنی فریقین نے اپنے اپنے وقت میں تقریریں کیں جن میں اپنے اپنے دلائل پیش کئے گئے بعد میں گلیانہ (کھاریاں) کے مقام پر دعا بعد جنازہ کے مسئلے پر غلام اللہ خان صاحب نے میرے ساتھ مناظرہ کیا۔ جب میں نے یہ حدیث پیش کی:

اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ[1]

جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھو، تو اس کے لئے اخلاص کے ساتھ دعا کرو) تو مولوی صاحب موصوف کہنے لگے کی مغنی اللبیب میں یہ قاعدہ موجود ہے کہ جب فا کا ماقبل افعال

۱۔ اس حدیث کو صاحب مشکوٰۃ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں موجود ہے۔ دیکھیے مشکوٰۃ (کتاب الجنائز) صفحہ ۱۴۸

جوارح میں سے ہوتو وہ فاتعقیب کے لئے نہیں ہوگی بلکہ اس کے مابعد کا حکم ماقبل میں داخل ہوگا لہٰذا روایت کا مفہوم یہ ہوا کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھ رہے ہوتو نماز کی حالت میں اس کے لئے مخلصانہ دعا کرو۔ میں نے اس پر کہا یہ قاعدہ مجھے تو منظور ہے مگر قرآن حکیم اس قاعدے کو تسلیم نہیں کرتا۔ قرآن میں ہے۔

فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا احزاب ۵۳ پس جب کھانا کھالو تو رخصت ہو جاؤ

دیکھئے یہاں فا کا ماقبل افعال جوارح میں سے ہے۔ اب اگر آپ کا قاعدہ درست ہو تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جب تم کھانا کھا رہے ہو ایک ہاتھ میں لقمہ ہو اور دوسرے ہاتھ میں شوربے کا پیالہ تو بس اسی حالت میں اٹھ کو بھاگ نکلو۔ اس پر مولوی صاحب کو خاموشی کے سوا چارہ نظر نہ آیا اور مناظرہ ختم ہو گیا اور مولوی غلام خان صاحب شکست کھا کر چلے گئے۔

موخر الذکر واقعہ سے متعلق یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب میں پنڈی گھیپ جانے کے لئے گجرات ریلوے اسٹیشن پر پہنچا تو حافظ محمد یوسف صاحب نے مجھے ایک نوٹ بک دی اور کہا کہ شاید یہ آپ کو کچھ مدد دے چنانچہ میں اسے سفر میں دیکھتا رہا۔ اس نوٹ بک میں متعدد مسائل اختلافیہ کے عنوانات کے ماتحت، دلائل اور حوالہ جات کی نشان وہی کی گئی تھی۔ اس سے میرے اس موضوع پر کام کرنے کے دیرینہ ارادے کے لئے تازہ امید پیدا ہوئی اور میں نے اس سفر سے واپس آ کر مذکورہ موضوع پر کام شروع کر دیا۔ مستند حوالہ جات کی تلاش اور مفصل دلائل جمع کر کے، تمام مباحث تحریر کئے۔ یہی محنت ''جاء الحق''[1] کی شکل میں منظر عام پر آئی۔ الحمد للہ! یہ کتاب بہت مقبول ہوئی ہے تقریباً ایک لاکھ سے زائد چھپ چکی ہے۔

۱۔ اور اب ۲۰۰۰ء تک پچیس لاکھ تقریباً چھپ کر دنیا میں پہنچی۔ سعودی حکومت نے سعودیہ میں اس پر پابندی لگا دی ہے۔

آج ہی حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی ہوا۔ میں نے عرض کیا: ”گجرات کے حاجی سلطان علی صاحب نے مجھے یہ واقعہ خود سنایا تھا کہ حاجی صاحب اپنے ایک دوست کے ہمراہ شرقپور پہنچے۔ جب مسجد میں نماز ظہر سے فارغ ہو کر میاں صاحب نے مہمانوں کے کھانے کا انتظام شروع کیا تو ہمارے دل میں خیال آیا کہ آج میاں صاحب کے ہاں ہمیں ایسا کھانا ملنا چاہیے جو پہلے کبھی نہ کھایا ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک برتن میں کھیر لائی گئی میاں صاحب نے وہ کھیر ہمارے سامنے رکھوادی جب ہم کھا چکے تو فرمایا کہ یہ کھیر تم نے پہلے کبھی نہ کھائی۔ یہ چاول گنے کے رس اور اونٹنی کے دودھ میں پکے ہوئے تھے۔ اس پر ہم دونوں حیران رہ گئے۔

مجھ سے یہ واقعہ سننے کے بعد حضرت صاحب قبلہ دیر تک حضرت میاں صاحب کے کمالات کی تعریف و توصیف کرتے رہے اور فرمایا:

”میں نے میاں صاحب کے مزار پر حاضری دی ہے جس دوکان میں سودا ہوتا ہے گاہک وہیں آتا ہے۔“

حضرت صاحب قبلہ کی کلائی والی گھڑی میں لوہے کی زنجیر لگی ہوئی تھی۔ فرمانے لگے: ”تمہارا کیا خیال ہے یہ حرام تو نہیں“ عرض کیا گیا: ”جب آپ نے پہنی ہے تو پھر یہ کیسے حرام ہو سکتی ہے۔“ فرمایا: ”بعض لوگوں کو اس کی حرمت پر اصرار ہے اور ’احکام شریعت‘ کی عبارت کو بنیاد بناتے ہیں حالانکہ احکام شریعت اعلیٰ حضرت کی اپنے قلم سے تصنیف کردہ کتاب نہیں البتہ ان کے مسائل کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا جس میں بعض مقامات محل غور بھی ہیں۔ اس لئے ہر کتاب پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ اہل علم کو چاہیے کہ

براہ راست بھی تحقیق کرلیا کریں۔ (اس مسئلے کی مفصل بحث اعلیٰ حضرت کے رسالے الطیبُ الوجیز فی امتعة الورق والا بریز میں موجود ہے اور مزید تفصیل کے لئے العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ جلد دوم مطالعہ فرمائیں۔)

عرض کیا گیا البانی[1] نے مشکوٰۃ المصابیح کا ایک نسخہ ترتیب دیا ہے جو حال ہی میں دمشق سے شائع ہوا ہے۔ اس میں تخریجِ احادیث، صحت یا عدم صحت، نیز حوالہ جات کی تصدیق وتصحیح پر بڑی محنت سے، تحقیقی کام کیا گیا ہے۔ اس کام کی بہت تحسین وتعریف فرماتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا:

> ''امام اعظم سے متاخر محدثین، جن احادیث کو ضعیف کہتے ہیں وہ دراصل ضعیف نہیں ہوتیں۔ محدثین صرف سند کے ضعف سے بحث کرتے ہیں اور یہ ضعف سند کے نچلے حصے (سافل) میں واقع ہوتا ہے، نہ کہ اس اوپر والے (عالی) حصے میں، جس کا تعلق امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے ہے۔''

آج کے فرمودات میں یہ بات، بہت زور دے کر ارشاد فرمائی:

''نہایت افسوس ہے، آج کل زمین کے اوپر قبریں بنانے کا رواج چل نکلا ہے چنانچہ ماضی قریب میں ہمارے ہاں، چند بزرگانِ دین کے مزارات اسی طرح بنائے گئے ہیں کہ تھوڑی سی زمین کھود کر صندوق اس میں ٹھہرایا اور چاروں طرف سے دیوار کھڑی کر دی گئی۔ زمین کی گہرائی میں پوری قبریں نہیں کھودی گئیں۔ یہ سارا عمل خلاف عمل سنت ہے۔ اسی طرح صندوق میں میت کو بند کرنا بھی، مسلمانوں کے معروف طریقے کے خلاف ہے۔ میں نے پچھلے دنوں ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

---

[1] الشیخ محمد ناصر الدین البانی کی تحقیق وتنقیح کے ساتھ، مشکوٰۃ المصابیح کو، المکتب الاسلامی دمشق نے تین جلدات میں شائع کیا ہے۔ پہلا ایڈیشن ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۱ء) میں طبع ہوا۔

''پہلے تو جیتے جی کے رسم ورواج پر انگریزی طریقے مسلط ہوئے تھے، اب موت کے بعد بھی عیسائیت ہم پر غالب آنے لگی ہے، زمین سے اوپر قبریں بنانا اور میت کو صندوق میں دفن کرنا، یہ سب اغیار کے طریقے ہیں۔ وہ جو احادیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے اونچی قبریں گرادینے کا حکم دیا تھا، وہ یہی نصاریٰ کی قبریں تھیں، جو زمین سے اوپر کھڑی کی جاتی تھیں۔''

آج ہی کی مجلس فرمایا:

''آپ کی کتاب'' مقالات یوم رضا حصہ سوم' میں نے پڑھی ہے، بہت سی اہم اور نئی معلومات اس میں آ گئی ہیں پھر بطور مثال ایک دو باتوں کا خصوصی ذکر کیا بعد ازاں فرمایا:

''ہمارے ہاں اول تو کتابیں لکھی کم جاتی ہیں اور اگر لکھی جاتی ہیں تو چھاپی نہیں جاتیں اور اگر چھاپی جاتی ہیں تو پڑھی نہیں جاتیں۔

اس موقع پر عرض کیا گیا'' جاہل اور طالع آزما مقرروں اور واعظوں نے قوم کا مذاق بگاڑ دیا ہے۔ اب ہمارے ہاں علمی نکات تو درکنار، سیدھے سادھے الفاظ میں، آیت یا حدیث کا مفہوم بیان کیا جائے تو اس کی پذیرائی نہیں ہوتی۔ روایت وحکایت اور شعر ولطیفہ کی لت پڑ چکی ہے۔''

ان معروضات سے مکمل طور پر اتفاق فرمایا اور اپنے وہ اشعار پڑھ کر سنائے جن میں یہی مضمون بیان فرمایا۔ ایک مصرعہ یہ ہے:

مال بنی بہر قوالی وعرس

یہ اشعار آپ کے مطبوعہ[1] دیوان کے آخر میں موجود ہیں۔

اس کے بعد اسی انداز کے ایک مقرر کی کچھ باتیں سنانے لگے۔ فرمایا:

۱۔ دیوانِ سالک (مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات) آخری صفحہ

فلاں مقرر صاحب ایک تقریر میں کہہ گئے: ''یا اللہ میں تیرا شریک ہوں، تو بھی کملی والے کو چاہنے والا اور میں بھی اسے چاہنے والا'' اور معراج کی تقریر میں ''قاب قوسین'' کا مضمون یوں بیان فرمایا ''رب کہتا تھا'' اوپر میرے پاس آجاؤ۔'' کملی والا کہتا تھا ''تھوڑا سا تو نیچے اتر آ۔'' آخر رب کو ہی ماننا پڑا (العیاذ باللہ!)

فرمایا یہ سب کفر ہے۔ جنہوں نے یہ سن کر نعرے لگائے، انہوں نے بھی ارتکاب کفر کیا کیونکہ وہ کفر پر راضی ہوئے۔

آج ہی کی گفتگو میں، میں نے ایک بزرگ رسول شاہ صاحب کا تذکرہ کیا کہ وہ کئی برسوں سے حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار اور مسجد میں رہتے ہیں۔ شب و روز وہیں گزارتے ہیں، قضائے حاجت کے علاوہ باہر کبھی نہیں جاتے۔ ایک دو بار سخت بخار کی حالت میں، انہیں ساتھ والے کسی مکان میں منتقل کر دیا گیا مگر جب ہوش آیا تو دوبارہ واپس لے جانے پر اصرار کیا۔ میں نے مزید عرض کیا کہ یہ شاہ صاحب، حضرت سائیں گوہر دین جنید ھڑ والوں کے بہت قریب رہے ہیں۔

میری یہ گفتگو توجہ اور انہماک سے سنتے رہے بعد میں فرمایا:

''میں ان شاہ صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، مگر اب یہ کام آپ کے ذمے ہے۔ میں ہسپتال سے فارغ ہو جاؤں، تو آپ اس کا بندوبست کریں گے۔''

عرض کیا گیا: ''انشاء اللہ العزیز!'' (مگر افسوس کہ اس ملاقات کا موقع نہ بن سکا)

بدھ وار ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۱ء

آج دوپہر سے پہلے ہسپتال میں حاضر ہوا تو حسب ذیل باتیں ارشاد

فرمائیں: ”بھائی تم میری باتیں شاید لکھ رہے ہو، تو دیکھو علامہ ہزاروی مرحوم کے واقعے میں وہ لفظ ”غفورا“ نہ لکھنا۔ اچھا نہیں لگتا، وہ ہماری جماعت میں بڑے محترم عالم دین تھے۔

عرض کیا گیا:

”وہ تو ایک واقعے کی حکایت ہے اور یہ لفظ ان کے استاذِ گرامی استعمال فرماتے تھے، اب اسے بدلا جائے تو خلافِ واقعہ ہوگا۔“

ذرا تحمل کیا اور میری اس بات سے اتفاق فرمایا کہ ان کے استاذ گرامی، یہ لفظ پیار کے ساتھ بولتے تھے۔ ارشاد ہوا:

”اچھا تو پھر یوں کہا جائے کہ علامہ ہزاروی کے استاذ گرامی انہیں پیار کے انداز میں ’غفورا‘ کہہ کر پکارتے تھے۔“

(یہ سب کچھ سنتا رہا اور سوچتا رہا کہ علمائے حق، اپنے ہم عصر علماء کے احترام کے تقاضوں کو کہاں تک ملحوظ رکھتے ہیں۔)

آج اسی مجلس میں، میں نے اپنے ایک دوسرے گرامی مرتبت استاذ قاضی عبدالسبحان ہزاروی (کھلابٹ) رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چھیڑ دیا، فرمایا۔

”میں نے ان کی عظمت کا اندازہ، ان کی متواضع طبیعت اور اخلاقِ کریمانہ سے کیا۔ جب مدرسہ رحمانیہ ہری پور (ہزارہ) میں تشریف فرما تھے تو مجھے انتہائی اصرار کر کے، وہاں ایک جلسے میں مدعو کیا۔ بس پھر کچھ نہ پوچھیے۔ جتنا وقت میں نے گذارا، قاضی مرحوم تواضع کی سراپا تصویر بنے رہے۔ میں نے دوسری مثال ایسی نہیں دیکھی کہ وقت کا اتنا بڑا عالم، دوسرے عالم کی اس قدر توقیر کرے، جیسی قاضی

صاحب مرحوم و مغفور فرماتے رہے، واپسی پر تانگے میں سوار ہونے
لگا، میرے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، اس لئے ذرا رکاوٹ پیدا ہوئی
تو مرحوم لپک کر آگے بڑھے اور اپنے ہاتھوں سے میرے پاؤں کو
تھام لیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں نے کہا: ''حضرت یہ آپ
مجھے شرمندہ کر رہے ہیں، یہاں بیسیوں طالب علم آپ کے خدام
کھڑے ہیں۔ مجھے وہ سہارا دے سکتے ہیں۔''
فرمایا: ''مہمان آپ میرے ہیں، اس لئے آپ کی ہر خدمت مجھی پر
لازم ہے۔''

اس کے ساتھ ہی قاضی صاحب مرحوم کے بڑے صاحبزادے مولانا قاضی غلام محمود صاحب کا تذکرہ بھی تعریف کے ساتھ کیا۔ فرمایا:

''میرے ساتھ حج کے موقع پر جمع ہو گئے تھے۔ میں نے انہیں مسجد
نبویؐ میں اکثر رقت کی حالت میں دیکھا۔''

آج کی گفتگو میں بتایا:

گوجرانوالہ کے کسی اہل حدیث صاحب نے پچھلے دنوں میرے ساتھ رکعات تراویح کے مسئلہ پر خط و کتابت کی ہے۔ انہوں نے وہی احادیث نقل کر کے بھیجیں، جن میں آٹھ رکعت رات کی نماز کا ذکر آیا ہے۔ میں نے اس کے جواب میں انہیں ایک اصولی بات لکھی کہ جو احادیث آپ پیش کرتے ہیں، ان سب میں ''قیامُ اللّیل'' (رات کی نماز) کا ذکر ہے اور اس سے تہجد کی نماز مراد ہے نہ کہ تراویح اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، جس میں یہ آیا ہے کہ رمضان یا غیر رمضان میں آپ نے رات کی نماز تیرہ رکعت سے زائد نہیں پڑھی۔ ظاہر ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی

ہے۔ اسی لئے محدثین کرام نے ان احادیث کو" صلوٰۃ اللّیل "یا" قیامُ اللّیل "کے باب میں درج کیا ہے۔ باقی رہی نماز تراویح، تو اُسے احادیث میں" قیام شہر رمضان " (ماہ رمضان کی نماز) کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ محدثین نے" قیام شہر رمضان "کا باب علیحدہ باندھا ہے۔ اس لئے آپ لوگ بنیادی غلطی یہ کرتے ہیں کہ" صلوٰۃ اللّیل "(رات کی نماز، تہجد) کی احادیث کو نماز تراویح کے مسائل کے لئے پیش کرتے ہیں۔" صلوٰۃ اللّیل "والی احادیث کو چھوڑ کر، تراویح کے بارے میں آپ ایک حدیث ایسی پیش کریں، جس میں تعداد رکعات اٹھ بیان کی گئی ہو۔

فرمانے لگے:" چند خطوط کے بعد ان صاحب نے تحریر میں تلخ کلامی شروع کر دی اور آخر میں خط و کتابت کا سلسلہ ختم کر دیا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد مجھے ملنے کے لئے گجرات آ گئے۔ بیٹھک میں جہاں میں سبق پڑھاتا ہوں آ کر بیٹھ گئے، میں پہچانتا نہ تھا۔ خود ہی تعارف کرایا۔ مین نے دل میں سوچا" مخالف میرے گھر چل کر آ گیا ہے، اب اس کے ساتھ خلق محمدی کے مطابق، کریمانہ برتاؤ ہونا چاہئے چنانچہ میں نے فوراً چائے تیار کرائی اور ساتھ عمدہ قسم کی مٹھائی منگوا کر رکھی اور اصرار سے کھلایا پلایا۔ جب وہ صاحب اٹھے، تو میں چند قدم ساتھ چلا گیا۔ کہنے لگے یہ" آپ کیا کرتے ہیں؟" میں نے کہا" یہ حدیث اور سنت کے مطابق مشایعت کر رہا ہوں، آپ اہل حدیث ہو کر مجھے عمل بالحدیث سے روکتے ہیں۔" جاتی دفعہ بولے۔ ہم یہ سمجھتے تھے، حنفیوں میں حدیث کسی کو نہیں آتی۔ مگر آپ اس سے مستثنیٰ نکلے۔ میں نے جواب میں کہا" صاحب یہ بات نہیں، بلکہ دراصل حدیث حنفیوں ہی کو آتی ہے۔"

اس موقع پر، میں نے اپنی کتاب" تحقیق قربانی "کے بارے میں عرض کیا:

اس کتاب کے شائع ہونے سے چند دن بعد، چوک شاہ عالم میں، مجھے ایک اہل حدیث

صاحب نے روک لیا اور استفسار کیا "کیا کوکب صاحب آپ ہیں۔"

میں نے جواب دیا: "ہاں"۔ تو وہ صاحب کہنے لگے کئی بار آپ سے ملنے کے لئے گیا مگر آپ نہ ملے جی چاہتا ہے اس ہاتھ کو چوما جائے جس سے تحقیق قربانی لکھی گئی ہے۔ مفتی صاحب قبلہ یہ بات سن کر متعجب اور بہت مسرور ہوئے۔ فرمانے لگے:

"کہ میں اب کتاب کو بالاستیعاب پڑھنا چاہتا ہوں پہلے میں نے جستہ جستہ نظر ڈالی تھی"

عرض کیا:

"انشاء اللہ کتاب کا نسخہ جلد پیشِ خدمت کیا جائے گا۔"

آج ہی کی نشست میں فرمایا:

میں اعلیٰ حضرت کے ایک رسالے "عطایا القدیر فی احکام التصویر" سے بہت متاثر اور مستفید ہوا۔ یہ رسالہ مجھے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے عطا کیا چونکہ میری فہم طالب علمی دیوبندی مکتب فکر کے اساتذہ سے متاثر تھی اس لئے میرے ذہن میں یہی بات بیٹھی ہوئی تھی کہ علمی تحقیق صرف علمائے دیوبند کی تالیفات میں ہی ملتی ہے۔ جب میں نے مذکورہ رسالے کا مطالعہ کیا تو میں اس کے لکھنے والے کے تبحر علمی اور دقّتِ نظر کے کمال کا گرویدہ ہو گیا۔ سچ یہ ہے کہ اس ایک رسالے نے میری ذہنی اور اعتقادی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔"

بعد دوپہر کی ملاقات میں "شاہ جیلاں" اور مقالات یوم رضا حصہ اول کے نسخے پیش کئے۔ "شاہ جیلاں" میں درج میری لکھی ہوئی منقبت ملاحظہ فرمائی اور حوصلہ افزائی کے لئے ارشاد ہوا۔ "بھائی! خوب لکھتے ہو، واہ واہ، ماشاء اللہ اور آپ کی کتابوں کی کتابت اور طباعت بھی بہت عمدہ ہے۔" اس کے بعد فرمایا: "اپنی کتابوں میں زبان آسان اور عام فہم لکھا کرو۔ تمہاری کتابیں مشکل ہوتی ہیں، جن سے عام آدمی استفادہ نہیں کر سکتا"۔ اس کے

جواب میں عرض کیا گیا: "اعلیٰ حضرت کی تالیفات، طبقۂ علما کے لئے ہیں اور آپ (حضرت صاحب) کی تالیفات کم پڑھے لکھے عام آدمی کے لئے ہیں۔ ایک طبقہ درمیان میں ان تعلیم یافتہ لوگوں کا ہے جو کالج اور یونیورسٹی کے ماحول سے متعلق ہے۔ میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنی تالیف کے اسلوب اور زبان کو اس طبقے کے معیار کے مطابق رکھا جائے۔" میری یہ گذارش توجہ سے سنی اور اس وقت اس سلسلے میں مزید کچھ نہ فرمایا پھر بعد میں مجھے سختی سے سمجھایا کہ آسان زبان ہی اختیار کرو۔ اس دن سے پھر میں نے اپنے قلم میں تبدیلی کرلی۔

مغرب کی نماز کے بعد حاضر ہوا تو فرمانے لگے: آج آپ کی کتاب مقالات حصہ اول کا اکثر حصہ پڑھ گیا ہوں ایک صاحب آج کسی دوسرے شہر سے تشریف لائے تھے میرے ہاتھ میں مقالات دیکھ کر بولے "اس میں اعلیٰ حضرت کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے میں نے پوچھا: کیا لکھا ہے تو بولے لکھا ہے کہ ان میں شدت اور غصہ بہت تھا۔" میں نے کہا: یہ تو تعریف ہوئی دین کے معاملے میں شدت قابل تعریف وصف ہے۔

اس کے بعد ایک معروف مشہورِ عالم دین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا میں نے انہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ان کے پاس 'عمر' نام کے کسی مولوی صاحب کا لکھا ہوا فتویٰ تصدیق کے لئے بھیجا گیا۔ فتویٰ غلط تھا اور اعلیٰ حضرت اس کی تردید لکھنا چاہتے تھے مگر خیال گذرا کہ یہ 'عمر' کہیں مرادآباد کے مولانا محمد عمر نعیمی نہ ہوں۔ اس لئے فتویٰ روک کر حضرت صدرالافاضل علیہ رحمت کو ٹیلی گرام دیا کہ مولانا عمر نعیمی کو ساتھ لے کر فوراً بریلی پہنچو۔ حضرت نے حکم کی تکمیل کی اور بریلی حاضر خدمت ہوگئے۔ اعلیٰ حضرت فرمانے لگے: بھئی اَب آپ کے ہاں سے ایسے غلط فتوے لکھے جانے لگے ہیں۔ حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتویٰ دیکھا تو عرض کیا کی اس فتویٰ کے لکھنے والے ہمارے مولانا عمر نعیمی نہیں ہیں۔ یہ اس نام کے ایک دوسرے غیر مقلد صاحب ہیں، جنہوں

نے یہ فتویٰ لکھا ہے۔ یہ بات سن کر اعلیٰ حضرت نے الحمدللہ پڑھی اور پھر اس فتوے کی تردید کیلئے قلم اٹھایا۔

حضرت صاحب فرمانے لگے اس واقعے کے سنانے سے میرا مقصود یہ توجہ دلانا تھا کہ جن اکابر کے ہم نام لیوا ہیں، ملاحظہ کیا جائے کہ وہ اپنے احباب اور رفقا کی تردید کے سلسلے میں کس قدر توقف اور احتیاط سے کام لیتے تھے۔

اسی نشست میں میرے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا: ''جب میں علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوا اس وقت میری عمر انیس برس کی تھی۔ اس موقعہ پر ہمارے ایک عزیز[1] نے ایک قطعۂ تاریخ بھی لکھا تھا جس سے ۱۳۴۴ھجری کا سال نکلتا ہے۔ میں اسی سال میں فارغ ہوا تھا نیز بتایا کہ والد ماجد کی تاریخ وفات یاد نہیں، اتنا یاد ہے کہ جن دنوں میں، میں پھوچھ شریف میں مدرس تھا، اسی دور میں ان کا انتقال ہوا تھا اور ہمارے محمد میاں[2] بھی اسی دور میں پیدا ہوئے تھے۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۷۱ء (پونے دس بجے صبح)

آج صبح حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ چارپائی پر لیٹے ہوئے میری تالیف ''شاہ جیلاں'' پڑھ رہے تھے مجھے دیکھ کر فرمایا آیئے آپ سے ہی ملاقات کر رہے ہیں، دیکھئے (اور شاہِ جیلاں کی طرف اشارہ کر دیا) اور میں نے کتاب ھذا کی تقدیم ساری پڑھ لی ہے وہ مقام بھی پڑھ لیا ہے جہاں مخالفین اہلسنت کو اعتراض ہوگا۔ آخر میں ہے نا؟ عرض کیا ہاں، اس کے بعد فرمایا اچھا آج ''تحقیق قربانی'' شروع کرتے ہیں۔ شروع کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایئے۔ میں نے کتاب کا ابتدائیہ (صفحہ ۹ تا ۱۴) پڑھ کر سنایا۔ بہت محظوظ ہوئے بار بار واہ

۱۔ یہ حضرت صاحب قدس سرہ کے برادر چچازاد، جناب عزیز خان مرحوم و مغفور تھے۔ ان کا کہا ہوا قطعہ تاریخ پیچھے ''طالب علمی'' کے زیر عنوان (صفحہ ۵۲ پر) گزر چکا ہے۔

۲۔ یعنی حضرت صاحب قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے، مولانا مفتی مختار صاحب زید مجدہ۔

واہ، سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کہتے رہے، قافلے اور اجنبی مسافر کی مثال کو خاص طور پر سراہا۔

آج ہی فرمایا:

"میں نے قرآن پاک کی خدمت کرنے میں بہت برکات دیکھی ہیں۔ میں کہتا ہوں جب سرکار کسی کو نوکر رکھ لیتے ہیں تو پھر اسے مال دنیا اور سرمایہ دینی تو دیتے ہیں، سکون قلب کی دولت بھی عطا فرماتے ہیں جو اور کہیں نہیں ملتی اور قاضی صاحب! میں نے ملازمتوں کے بعد اس دور میں بے حد اطمینان قلب اور برکتوں کا ذخیرہ پایا ہے۔ یہ دور، جواب دیکھا ہے عجیب و غریب ہے۔ اس کی لذت ہی کچھ اور ہے بچی بات ہے پہلے تو ہم اسی چکر میں رہے یہ انجمن ہوتی ہے اور یہ اراکین ہوتے ہیں، یقین جانئے میں نے ساری عمر درس دیا لیکن اب جو درس میں مجھ کو لطف محسوس ہوتا ہے یہ ایک نئی چیز ہے جو اس دور میں انعام خاص محسوس ہوتی ہے۔"

عرض کیا: "مجھے کامل توقع تھی کہ یہ دور آپ کی زندگی میں ضرور آ کے رہے گا، اس پر تبسم کے ساتھ فرمایا اچھا تو پھر یہ آپ کی کرامت سمجھی جائے۔"

اسی نشست میں مدینہ منورہ سے پارکر قلم ملنے کا واقعہ سنایا، فرمانے لگے میں نے بازار میں پارکر قلم (۵۱) دیکھا تو مجھے بے حد پسند آیا۔ خواہش پیدا ہوئی کہ یہ قلم میرے پاس ہونا چاہئے مگر اس کے بیش قیمت ہونے کا بھی مجھے بخوبی اندازہ تھا اس لئے بازار سے چپکا چلا آیا اور دل ہی دل میں یہ خیال کرتا رہا کہ مدینہ منورہ میں آیا ہوا ہوں اگر یہ قلم سرکار کی طرف سے بطور عطیہ ملے تو زہے نصیب، غالباً اسی روز یا دوسرے دن مسجد نبوی میں نماز ظہر پڑھی، نماز سے فارغ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک دوست[1] مجھے ملنے کے لئے آگے بڑھے اور یہ کہتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا کہ آپ کے لئے ایک تحفہ لایا ہوں اب جو میں دیکھتا ہوں تو

۱۔ مفتی مختار احمد صاحب نے بعد میں مجھے بتایا کہ والد صاحب علیہ الرحمۃ کے یہ دیرینہ دوست یوپی کے جناب ہاشم رضا صاحب ہیں جو آج کل بینک آف بہاولپور ڈھاکہ میں جنرل منیجر ہیں۔

انہوں نے میرے سامنے وہی پارکر قلم (۵۱) رکھ دیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میری آرزو پوری کی گئی ہے اور میرا مطلوبہ عطیہ مجھے مل گیا ہے کیا عرض کیا جائے ان کی کیسی کیسی کرم فرمائیاں ہیں مجھ پر (اور آبدیدہ ہو گئے) اس کے بعد فرمایا مذکورہ قلم کو میں نے صرف تفسیر لکھنے کے لئے خاص کر لیا ہے اس سے نہ فتویٰ لکھتا ہوں نہ تعویذ نہ کوئی اور چیز اور تفسیر والی نوٹ بک (مسودے کی فائل) کے شروع میں میں نے یہ شعر لکھ دیا ہے:

ہونٹ میرے ہیں مگر ان پہ کرم ہے تیرا　　انگلیاں میری ہیں پر ان میں قلم ہے تیرا

''جب یہ قلم لے کر لکھنے بیٹھتا ہوں تو ایسے ایسے مظامین ذہن میں آتے ہیں کہ میں خود حیران رہ جاتا ہوں۔ قاضی صاحب یہاں آپ سے انشاء اللہ خوب ملاقاتیں ہوتی رہیں گی آپ کو کچھ بتاؤں گا کہ مجھ پر حضور کے کیسے کیسے کرم ہوئے۔''

عرض کیا گیا: جب دنیا پرستوں کی طرف دستِ احتیاج دراز نہ کیا جائے اور ان کی مدح سرائیوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھا جائے تو پھر ادھر سے خاص کرم فرمائیاں ہونے لگتی ہیں۔ اہل دنیا کی مدح سرائیوں سے محفوظ رہنے کے مضمون پر حضرتِ عطار کا یہ شعر میں نے پڑھ کر سنایا:

بہ عمر خویش مدحِ کس نہ گفتم　　درے از بہر دنیا من نہ سفتم

فرمایا: یہ شعر مجھے لکھ دو اور وہی لفافہ نکال کر میرے آگے رکھا جس کے ایک کونے پر ۴۔ اکتوبر کو اقبال مرحوم کا ایک فارسی شعر مجھ[1] سے لکھوایا تھا۔ عرض کیا گیا، اقبال کا شعر تو پانی سے دھل گیا فرمایا: اب تو میرے سینے میں آچکا ہے (بعد میں آپ اقبال کے بعض نظریات واقوال سے متنفر ہو گئے تھے کیونکہ اقبال ایک ہندو نواز شخص تھا۔ اس کی تفصیل دیکھئے کتاب تنقیدات میں۔)

۱۔ ۴۔ اکتوبر کو ہسپتال میں داخلے کی غرض سے آئے تھے اور آؤٹ ڈور سرجیکل وارڈ میں بیٹھے ہوئے۔ میں نے اقبال کا یہ شعر سنایا تھا۔

تو ندانی عشق و مستی از کجا ست　　این شعاع از آفتاب مصطفیٰ ست

۹۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء

آج آپریشن کے بعد دوسرا روز تھا۔ گو حضرت صاحب کی طبیعت اچھی تھی، تاہم یہ خیال رکھا گیا کہ آپ سے ایک دو روز تک زیادہ باتیں نہ کی جائیں اور آرام کا زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کیا جائے۔ اس خیال کے پیش نظر ہم لوگ آپ سے مخاطب ہونے کی کوشش نہ کرتے مگر آپ ہماری دلجوئی کے لئے، وقتاً فوقتاً از خود چھوٹی چھوٹی محبت آمیز باتیں فرماتے ہی رہے جب بات سننے کے لئے میں یا برادرم مفتی مختار آگے بڑھ کر قریب ہوتے تو ہمارا ہاتھ، اپنے ہاتھ میں بانداز شفقت پکڑ لیتے اور دیر تک پکڑے رہتے۔ چھوٹا بھائی عبدالمصطفٰے کامل حاضرِ خدمت ہوا تو اُس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا آپ کا نام کامل ہے نا۔'' اس نے جواب میں عرض کیا: ''جی ہاں'' تو فرمانے لگے: بھئی تم واقعی کامل ہو، بہت اچھا لکھتے ہو، تحریر و تالیف کا کام جاری رکھو۔ تاریخ کے موضوع پر اور سیرت و تذکرہ کے موضوع پر ہمارے ہاں کوئی خاص کام نہیں ہوا۔ اس پر لکھو۔ تحقیق سے لکھو، مگر بانداز محبت و عقیدت لکھو اور بطور مثال گلستان میں درج، آل سبکتگین کے کسی بادشاہ کا وہ خواب کا واقعہ سنایا، جس میں اس نے دیکھا کہ منہ کے سارے دانت گر گئے ہیں۔ اس کی تعبیر ایک صاحب نے یوں بتائی کہ تمہارے سب قرابت دار تمہارے سامنے مر جائیں گے۔ مگر دوسرے نے اسی کو یہ انداز دے دیا کہ بادشاہ کی عمر اپنے تمام اہل خاندان کی عمروں سے لمبی ہوگی۔ اس سے بادشاہ بہت محظوظ ہوا یعنی صرف انداز کی تبدیلی سے، بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی آج مولانا احمد علی صاحب قصوری عیادت کے لئے ہسپتال میں آئے۔

۱۲۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء

آج قبل دوپہر ہسپتال میں حاضر ہوا۔ میرے ایک دوست مولانا عبدالحکیم شرف بھی میرے ساتھ حضرت صاحب کی عیادت کے لئے ہسپتال آگئے، مولانا نے اپنے تالیف کردہ بعض

رسائل حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ ان رسائل کو دلچسپی سے دیکھتے رہے اوران کی تحسین فرمائی۔

آج شام کو دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو فرمانے لگے کہ مولانا عبدالحکیم ماشاءاللہ فاضل آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ رسائل خوب لکھے ہیں۔ میں نے ایک نظران پر ڈالی ہے عرض کیا گیا: یہ مولانا عبدالحکیم حضرت مولانا علامہ عطاء محمد بندیالوی صاحب کے تلامذہ میں ہیں۔ فرمایا: اچھا یہی باعث ہے، میں نے ان کے اکثر شاگرد قابل ہی دیکھے ہیں۔ اس کے بعد دیر تک حضرت علامہ بندیالوی کا تذکرہ فرماتے رہے۔ ان کے کمال علمی کے علاوہ ان کی خوش خلقی اور حسنِ تواضع کی بھی تعریف فرمائی۔ اس سلسلے میں واں بھچراں کے ایک جلسے کا حال سنایا فرمایا:

اس جلسے میں تقریر کے لئے میں بھی مدعو تھا۔ سٹیج پر عظیم اور جید علماء موجود تھے اور علامہ بندیالوی بھی تشریف فرما تھے۔ جب یہ بات شروع ہوئی کہ جلسے کی صدارت کون کرے تو علامہ بندیالوی بولے، حضرت مفتی صاحب کے ہوتے ہوئے اور کون صدر ہو سکتا ہے۔ ''بہر حال مجھے تقریر کے لئے بہ اصرار کرسی پر بٹھایا اور خود دیگر علماء سمیت کرسیاں چھوڑ کر نیچے بیٹھ گئے مجھے اس صورت حال کو قبول کرنے پر ایسا مجبور کر دیا گیا کہ میں دل ہی دل میں اس متواضعانہ اخلاق پر متعجب اور اپنے پہ نادم ہوتا رہا۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے زور دے کر ارشاد فرمایا: ''دیکھو بھائی! میری ایک بات لکھ لو جہاں کمال ہوگا وہاں تواضع ہوگی اور جہاں کمال نہیں ہوگا وہاں تکبر ہوگا۔

آج شام کی اِسی نشست میں مجھے بتایا کہ آج میری بیمار پرسی کے لئے علامہ سید ابوالبرکات صاحب اوران کے صاحبزادے مولانا محمود رضوی تشریف لائے تھے۔ مولانا اکرام حسین صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت صاحب نے خاص طور پر فرمایا، سید صاحب بڑی محبت سے ملے ہیں۔

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء

آج شام کی نشست میں فرمایا: آج مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی تشریف لائے تھے، نیز بتایا کہ محترم مولانا نور اللہ صاحب بصیر پوری بھی آج میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔

آج کی باتوں میں ایک خاص ارشاد یہ تھا کہ سرفراز گکھڑوی صاحب کو حضرت صدرالافاضل کی تفسیر میں ہی نقائص نظر آئے ہیں اور اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمے کو کبھی انہوں نے غور سے نہیں پڑھا تھانوی صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن میں آیت کریمہ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ[1] کے نیچے "العالمین" کا ترجمہ "مکلفین"[1] سے کیا ہے یعنی حضور ﷺ کی رحمت کو مکلفین کے دائرے تک محدود کرنا چاہا ہے کیا یہ نرالا ترجمہ گکھڑوی صاحب کو نظر نہیں آیا۔

آج ہی کی گفتگو میں مجھے ارشاد فرمایا محمود عباسی کی کتاب رشید بن رشید دیکھو اور اس کے جواب کے متعلق غور کرو اگر وقت نکال کر جواب لکھ لو تو اسے یادِ شہید کا ضمیمہ بنا کر اس کتاب کو دوبارہ شائع کر دو، بعد میں فرمانے لگے اچھا لاؤ اپنی کتاب "یادِ شہید" اور اس کا کچھ حصہ مجھے پڑھ کر سناؤ۔ میں نے تعمیل شروع کر دی (پچھلے دو دن سے یادِ شہید پڑھوا کر سن رہے ہیں تحقیق قربانی اس سے پہلے پڑھی جا چکی ہے) یادِ شہید سنتے ہوئے متعدد مقامات پر ترمیم و اضافہ اور بعض حوالوں کے درج کرنے کا مشورہ ارشاد فرمایا (میں نے ایسے تمام مقامات پر نشان لگائے ہیں۔ انشاء اللہ نئے ایڈیشن میں حسب ارشاد تعمیل کی جائے گی) یادِ شہید کے

---

[1] مکلفین، مکلف کی جمع ہے، عاقل اور بالغ مسلمان، جس پہ شریعت کے احکام نافذ ہوتے ہیں، مکلف کہلاتا ہے۔ "العٰلمین" کا ترجمہ "مکلفین" کے ساتھ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ حضور کی رحمت کو تمام اہل عالم کے بجائے، صرف انسانوں کے ایک خاص طبقے تک محدود ثابت کی جائے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ لوگ "رب العٰلمین" کا ترجمہ کیا کریں گے۔ (کوکب، یہی ابوجہلی وہابیت ہے)

انداز بیان کی بالعموم تحسین فرمائی۔ایک پر لطف بات یہ ہے کہ یاد شہید کا انتساب میں نے حضرت صاحب ہی کے نام کیا ہے۔جب کتاب کے آغاز سے یہ انتساب پڑھ کر سنایا تو خاص انداز میں فرمانے لگے یہی تو باعث ہے لوگوں کی مخالفت کا، پھر کہتے کیوں ہو تمہارے مخالف ہو گئے ہیں پھر بہت سی نصیحتیں اور تصنیفی اصلاحات فرماتے رہے۔

۱۴۔اکتوبر ۱۹۷۱ء

آج صبح کے وقت حاضر ہوا تو یاد شہید کے تیسرے باب ''سوالات و جوابات'' کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''یہ مباحث بڑے اہم اور ضروری ہیں۔مگر انہیں آسان واضح اور سلجھے ہوئے انداز میں تحریر کرنا چاہیے۔آپ نے سوالات بڑے اہم اٹھائے ہیں۔مگر انہیں کئی کئی ٹکڑوں میں تقسیم کرنے اور اسی طرح ان کے جوابات کو بھی شق در شق بانٹنے سے بات طویل ہو جاتی ہے اور کسی حد تک الجھ کر رہ جاتی ہے جس سے اصل مبحث کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔میری رائے یہ ہے کہ اس حصہ کو کتاب کی طبع دوم کے موقع پر دوبارہ لکھا جائے اور ان مباحث کو مزید بہتر طریقے سے پیش کیا جائے۔''

عرض کیا گیا:''انشاء اللہ العزیز ایسا ہی کیا جائے گا۔''

مغرب کے بعد دوبارہ حاضر ہوا۔

اس وقت کی حاضری ایک خاص رنگ اختیار کر گئی۔ہسپتال میں داخل ہونے کے بعد حضرت صاحب کا اِصرار یہ تھا کہ ہسپتال ہی کا کھانا کھایا جائے۔دراصل انہیں اس بات کا شدید احساس تھا کہ میرے متعلقین میری وجہ سے زحمت اٹھا رہے ہیں۔مگر خیر ہم نے بار بار زور

ڈال کر یہ منوالیا کہ دن کا کھانا مولانا احمد حسن نوری اور شام کا کھانا راقم السطور کے ہاں سے آیا کرے گا۔ آج شام جب کھانا لے کر جانے کا وقت ہوا تو اچانک طوفان بادوباراں اٹھا ۔ آندھی بڑے زور کی چلنے لگی اور بارش بھی شروع ہوگئی، ذرا توقف کیا کہ بارش اور آندھی کچھ تھم جائیں تو چلا جائے مگر کھانے کو دیر ہوتی جا رہی تھی اور موسم میں کوئی خاص فرق پڑتا نظر نہیں آرہا تھا چنانچہ میں نے چھوٹے بھائی (عبدالرسول عامر) کو ساتھ لیا اور کھانا لے کر نکل پڑے جب ہسپتال کی حدود میں داخل ہوئے تو میرا دل ڈر رہا تھا کہ کہیں حضرت صاحب نے یہ سمجھ کر کہ آج موسم خراب ہے کھانا گھر سے نہیں آئے گا، ہسپتال کا کھانا لے کر کھانہ لیا ہو۔ میں دل ہی دل میں دعائیں کرتا آرہا تھا کہ ایسا نہ ہوا ہو۔ عجیب اتفاق دیکھئے کہ جب حضرت صاحب ہاتھ دھو کر ہسپتال کا کھانا شروع کیا ہی چاہتے تھے تو ہم ان کے بستر کے قریب جا کھڑے ہوئے اور سلام عرض کیا۔ ہم بارش میں قدرے بھیگ گئے تھے۔ دیکھا تو سخت حیران ہوئے فرمانے لگے۔ آج تمہیں کس نے کہا تھا کہ کھانا لاؤ۔ "ہسپتال سے کھانا لے لیا تھا۔ آج یہی کھالیتا تو کیا حرج تھا۔" "بھئی میں تو دعا کرتا رہا ہوں کہ آج کوکب صاحب کھانا لے کر نہ آئیں۔ گھر سے باہر نہ نکلیں۔" دیکھو تو کیسی تیز آندھی ہے اور بارش بھی زور کی۔ اُفوہ بھئی کمال کر دکھایا آپ نے، میں تو حیران ہوں کہ آج اس موسم میں آپ یہاں تک پہنچے کیسے ہیں۔

یہ ساری باتیں جلدی سے مگر چھوٹے چھوٹے وقفوں کے ساتھ فرما گئے۔ میں مطمئن اور مسرور کھڑا تھا کہ الحمد اللہ ہماری محنت رائیگاں نہیں گئی اور ہم کھانا لے کر ٹھیک وقت پر پہنچ گئے ہیں۔

حضرت صاحب کھانا کھانے لگے مگر ان کے چہرے کے تاثرات، ملے جلے جذبات کے ایک ہلکے تلاطم کا پتہ دے رہے تھے، ایک طرف ہمارے شوق اور مستعدی پر راحت و

اطمینان اور دوسری طرف یہ شدید احساس کہ یہ لوگ میری وجہ سے زحمت میں پڑے ہوئے ہیں۔

کھانا کھاتے ہوئے خاندان قادریہ فاضلیہ (بٹالہ والوں) کے مورثِ اعلیٰ[1] کا واقعہ سنایا کہ وہ گیارہ سال تک متواتر اپنے پیر و مرشد کا کھانا لے کر جاتے رہے۔ آخر ایک رات شدید آندھی اور بارش عین اسی وقت آ گئی جس وقت وہ گھر سے نکلا کرتے تھے موسم کی خرابی پر تردد ہونے لگا تو والدہ نے کہا: بیٹا آج ناغہ نہ کرنا آج جاؤ گے تو گیارہ سال کی محنت کا پھل مل جائے گا۔" اس روز گھر کریلا پکا تھا۔ والدہ نے ٹوکرے میں کریلے کی ہانڈی رکھ دی اور دوسرا ٹوکرا اوپر الٹا دے دیا اور سر پر رکھوا دیا۔ بارش میں اسی کیفیت کے ساتھ چلتے رہے۔ پانی کے قطروں سے پتیلے کے نچلے حصے کی سیاہی ڈھل کر سرا ور چہرے پر پڑتی رہی۔ بہر حال اسی ہیئت کذائی کے ساتھ مرشد کے دروازے پر جا پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس موسم میں بھی آ گیا ہے فرمایا اچھا دیکھو تو تمہارے لئے طاقچے میں ایک چیز رکھی ہے اٹھا لاؤ' دیکھا تو گنا تھا فرمایا' اسے کھالو جتنی گرہیں گنے کی ہیں اتنی پشت تک تمہاری اولاد میں اولیاءِ کاملین ہوں گے۔"

واقعہ سنانے کے بعد حضرت صاحب فرمانے لگے: "بھئی میں کیا دے سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے علم میں، ایمان میں، عمل میں اور عمر میں برکت ڈالے صحت و تندرستی دے۔ اچھی، بیوی عطا کرے۔" اور ایسے ہی الفاظ میں دیر تک دعائیں دیتے رہے۔ مجھے سارے الفاظ محفوظ نہیں رہے۔

کھانا سے فارغ ہوئے تو عرض کیا گیا آج کاموکی جلسے میں بھی جانا ہے۔ رات کے آٹھ بجنے والے تھے فرمایا: "اس وقت اور ایسے موسم ہیں۔" چھوٹے بھائی نے کہا وعدہ کر چکے

۱۔ الشیخ محمد فاضل الدین بٹالوی، ابو الفرح، مفصل حالات کے لئے دیکھئے خزینۃ الاصفیا اور نزہۃ الخواطر

ہیں اب ہر حال میں جانا چاہیے چاہے کچھ ہو۔" تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا: "جب آپ پہنچیں گے تو وہ لوگ حیران رہ جائیں گے۔" عرض کیا: "انہیں توقع ہوگی کہ ضرور پہنچ جائے گا۔" "اچھا آپ کی طبیعت سے واقف ہوں گے۔" "اچھا بھئی جاؤ خدا کی امان اور اس کی حفاظت میں۔"

آج ہی فرمایا کہ "آج دن کے وقت حضرت مولانا غلام علی صاحب اوکاڑوی عیادت کے لئے تشریف لائے تھے نیز مولانا غلام رسول سعیدی اور مولانا عبدالحکیم شرف صاحبان بھی آج ملاقات کے لئے آئے مولانا سعیدی اپنی "تالیف" "توضیح البیان" کا ایک نسخہ دے گئے۔ مولانا شرف آج دوسری بار تشریف لائے تھے۔

۱۵۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء

بارہ بجے دن کے قریب ہسپتال حاضر ہوا فرمایا: "آیئے قاضی صاحب! آج ہم منتظر بیٹھے ہیں ہمیں اپنا رات کا سفرنامہ سنایئے۔" اس پر کاموں کے جہاد کانفرنس کی تفصیل سنائی گئی۔ آپ ساتھ ساتھ استفسار کر کے آمدورفت کے حالات پوچھتے رہے۔ مطلب یہ تھا کہ آندھی اور بارش کے موسم میں سفر کس طرح گزرا، جب سب کچھ عرض کر دیا گیا تو فرمانے لگے: "بھئی! میرا خیال غلط نکلا سمجھتا تھا کہ ماشاءاللہ ہمارے محمد میاں سفر کے معاملے میں بڑے بہادر ہیں مگر آپ تو ان سے بھی آگے نکلے۔ کس قدر خوفناک طوفان تھا رات، اللہ اور زیادہ ہمت عطا کرے۔"

اس کے بعد یادِ شہید کی آخری فصل "شہداء کی یاد منانے کا طریقہ" کا ابتدائی حصہ پڑھوا کر سنا اور یہ مشورہ دیا کہ اس میں اپنے الفاظ میں یہ مضمون بڑھا دینا: "ہر بڑے باکمال شخص کی یاد ایسے طریقے سے منائی جاتی ہے جو اس کے کمالات سے مناسبت رکھتی ہو مثلاً شاعر ہوگا تو اس کی یاد میں مشاعرہ اور شعر و ادب کی محفلیں منعقد کی جائیں گی۔ وعلیٰ ھذا القیاس! لہٰذا

شہید کی یاد اور بالخصوص سیدنا امام حسینؓ کی یاد ایسے انداز میں منائی جانی چاہئے جوان کے کردار سے مناسبت رکھتی ہو، وہ نمازی تھے، متقی تھے، پرہیزگار تھے اور صابر و شاکر تھے۔ اگر ان کی یاد مناتے ہوئے نماز اور تقویٰ چھوڑ دیا جائے اور صبر کے بجائے بے صبری کا اظہار کیا جائے تو ایسی یاد ان کے شایانِ شان نہیں ہوسکتی اور نہ ہی قابلِ قبول۔'' عرض کیا گیا انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں تعمیل ارشاد کردی جائے گی۔

رات کے وقت دوبارہ حاضر ہوا تو عشاء کی نماز کیلئے بستر سے اٹھ کر برآمدے میں تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ وہیں پہنچا، فرض، جماعت کے ساتھ پڑھ چکے تھے سنت، وتر پڑھ کر اٹھے تو ساتھ ہولیا۔ بستر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں یہ گفتگو شروع فرمادی۔ مجھے ایک دعا میری ماں نے دی تھی اور ایک دعا باپ نے، میں دیکھتا ہوں کہ وہ دونوں پوری ہوئی ہیں۔ والد ماجد فرمایا کرتے: ''میرا بیٹا جہاں رہے لوگ اسے بڑے عالم سمجھیں۔'' تو دیکھ لو میں کیا ہوں اور کیا میری حقیقت لیکن جس جگہ رہا اپنے پرائے سب سے حتیٰ کہ شدید ترین مخالفوں نے بھی یہ ہمیشہ تسلیم کیا کہ مفتی صاحب ہیں عالم۔ یہ محض والد مرحوم کی دعا کا نتیجہ ہے اور والدہ نے فرمایا تھا۔ میرا بیٹا جہاں کہیں ہو رزق اس کے آگے پہنچے''۔ یہ بھی دیکھ لو کہ اب یہاں ہسپتال میں پڑا ہوں لیکن رب کی ساری نعمتیں یہاں پہنچ رہی ہیں اور بعض اوقات اس سلسلے میں حیرت انگیز واقعات بھی پیش آئے ہیں۔ ایک دفعہ کسی سفر میں رات ایک چھوٹے گاؤں میں آگئی۔ اپنی جان پہچان وہاں کوئی نہ تھی گاؤں کے کنارے پر ایک چھوٹی سی نیم آباد مسجد میں رات گذاری۔ صبح فجر کی نماز پڑھی تو سخت بھوک محسوس ہوئی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہاں کہیں قریب کوئی چیز کھانے کی مل جائے گی کہ اتنے میں ایک اجنبی ایک تھال لئے ہوئے مسجد میں داخل ہوا اور وہ تھال میرے سامنے رکھ کر کہنے لگا۔ ''کھایئے''، کپڑا اٹھایا تو تھال میں عمدہ ناشتہ تھا۔ میں نے اس شخص سے پوچھا کہ ''آپ یہ کیوں اور کیسے

لائے ہیں؟" وہ بولا "بس ایسے ہی آج میرا جی چاہ رہا تھا کہ مسجد میں ناشتہ لے کر جاؤں شاید کوئی مسافر ہو۔"

اس کے بعد مزید فرمانے لگے: "دیکھو بیٹا اپنی ماں کو راضی رکھنا اور ان سے دعا لینا جس شخص کی والدہ زندہ ہو مجھے اس پر رشک آتا ہے یہ بہت بڑی نعمت ہے بشرطیکہ دعائیں لی جائیں۔ ایک ہے دعا کرانا اور ایک ہے دعا لینا دونوں میں فرق ہے۔ ایک مثال سے یہ فرق سمجھاتا ہوں۔ گجرات میں حضرت سائیں کاواں والے زندہ تھے تو ان کے پاس ایک سید صاحب آئے اور کہنے لگے "سائیں میرے لئے دعا کر" سائیں صاحب کی جلالی طبیعت تو معروف تھی ہی بولے "اچھا کراں گے"۔ سید صاحب نے کہا "کراں گے نہیں ابھی کر۔" سائیں صاحب نے پھر وہی بات دہرائی تو سید صاحب جوش میں آ گئے۔ معلوم ہوتا ہے وہ بھی کوئی بڑے زور کے سید تھے۔ اٹھے اور سائیں صاحب سے گتھم گتھا ہو گئے۔ سائیں صاحب کو نیچے گرا لیا اور خود ان کے اوپر چڑھ بیٹھے اور کہنے لگے" کر دعا ابھی کر اور فوراً کر۔" سائیں صاحب سادات کا بڑا احترام کرتے تھے فرمانے لگے' اچھا سیدا دعا کر دی جا اللہ تیرا بھلا کرے۔" تب کہیں سید صاحب نے پیچھا چھوڑا۔ حضرت صاحب فرمانے لگے: "یہ ہے دعا کرانا لیکن میں کہتا ہوں کہ دعا لی جائے ایسے طریقے سے کہ خود بخود دل سے دعا نکلے۔"

اسی نصیحت کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا والدہ کو ساتھ لے کر حج پہ جانا، میں بھی اپنی والدہ کو حج پہ لے کر گیا تھا۔ ایک دن ہم ماں بیٹا مسجد نبویؐ میں روضۂ اطہر کے قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ مجھ پر عجیب رقت طاری ہوئی تو میں نے اپنی والدہ کے قدم پکڑ لئے اور عرض کیا: "میں ساری زندگی آپ سے دور پردیس میں ہی رہا ہوں مجھے معاف کر دو اور میرے لئے دعا کرو۔"

میری ماں اسی وقت روضے کی جالی کے قریب ہو کر حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوئیں اور یوں باتیں کرنے لگیں جیسے آمنے سامنے کی جاتی ہیں عرض کرنے لگیں "یا رسول اللہ! میرے بیٹے کا بھائی کوئی نہیں۔ یہ اکیلا ہے۔ آپ خود اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھیو!"

نوٹ

ہسپتال کے مذکورہ ایام میں حضرت صاحب قدس سرہ کی عیادت کے لئے ہسپتال میں بہت سے بزرگ اور احباب ایسے بھی آئے جن کی آمد کی تاریخیں اب مجھے یاد نہیں رہیں مثلاً حضرت علامہ مفتی اعجاز ولی خان رضوی، صاحبزادہ سید محمد حسن شاہ جیلانی نوری، مسٹر غلام مصطفےٰ شاہ مولوی محمد افضل صاحب ڈھڈی (پنجاب یونیورسٹی) محمد اقبال صابر گجراتی (لاہور چھاؤنی) مولوی محمد یٰسین صاحب چشتی، مولانا حافظ سید علی صاحب اور شیخ منظور احمد صاحب (گجرات) سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری (گجرات) صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب (آلومہار) اور بہت سے دیگر حضرات بھی۔ علاوہ ازیں صاحبزادگان مفتی مختار احمد و مفتی اقتدار احمد صاحبان اکثر و بیشتر وقت ہسپتال میں موجود رہے۔ مولانا احمد حسن نوری[1]، مولانا محمد صابر الامینی، صاحبزادہ افتخار الحسن لائکپوری اور راقم الحروف کے برادران، اپنی بساط کے مطابق خدمات انجام دیتے رہے۔ جزاھُمُ اللّٰہُ تعالٰی اَحسَنَ الْجَزَاء

---

[1] علامہ احمد حسن نوری حضرت صاحب کے قرابت داروں میں سے ہیں اور مفتی اقتدار احمد صاحب کے ہم [سبق] ہیں۔ یہ علامہ احمد حسن نوری مفتی محمد حسین نعیمی کے شاگرد ہیں اور جامعہ مسجد فاروقیہ ڈاکخانہ مظفورہ میں [خطیب] ہیں۔ ان کا اصل وطن بھرت پور ہندوستان ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قطعاتِ تاریخِ وصال

مفسرِ قرآن حکیم الامت حضرت مولانا علامہ مفتی احمد یار خان اوجھیانی بدایونی برد اللہ مرقدہٗ

از نتیجہ فکر

عالیجناب سید ابوالکمال برق نوشاہی سجادہ نشین دربار نوشاہی ڈوگہ شریف ضلع گجرات

برائے ملتِ مختارِ عالم حکیمِ امت سرکارِ عالم
فقیہہ عصر فاضل شیخ قرآن جنیدِ وقت او شبلیِ دوراں
بعلم و فضل بُود اعلیٰ مقامش بہ تفسیرِ نعیمی زندہ نامش
وحید العصر در تحریر و تقریر خطیب اہل سنت شیخ تفسیر
دریغا! مردِ راہ ازما نہاں شد کہ جانِ اُو سوئے جنت رواں شد
حیاتش بود در عالم کرامت وفاتش از علاماتِ قیامت

چوں یکتا بود او اندر شرافت
وفاتش برق گو شمعِ شرافت
۱۳۹۱ھ

قطعہ تاریخ

وفات حضرت حکیم الامت مولانا احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۹۷۱ء

نتیجہ فکر

حضرت مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ

آفتاب شرع احمد یار خان ذاکرِ اسمِ خدا شام و پگاہ

حاجیِ حرمین ہم مفتیِ دیں فاضلِ تفسیرِ قرآں ہم چو ماہ

در حدیث و فقہ کس مثلش نبود صوفیانِ اہلِ حق را بود شاہ

آں حکیمِ امتِ فخرِ رسل یافت سوئے جنت الفردوس راہ

از شرافت سالِ ترحیلش شنو

مخزنِ انوار شد مستور آہ

۷۱ ۱۹ء

حالات زندگی

مقالہ پی ایچ ڈی

میسور یونیورسٹی، ہندوستان

مولف

شیخ بلال احمد صدیقی

مَنْ وَرَّخَ مُؤمِنًا فَكَاَنَّهٗ اَحْيَاهُ

جس نے مومن کی تاریخ لکھی یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے اسے زندہ کر دیا

پہلا باب

حالاتِ زندگی

وطن، خاندان، پیدائش، شجرۂ نسب، تعلیم و تدریس اساتذہ، عقدِ نکاح، روزمرہ زندگی، سیرت و اخلاق لقب، دارالافتا کی خدمات نامور شاگرد، تحقیقات و تالیفات، سفرِ حج، وصال اور اہلِ قلم کی رائے

حرف آغاز

حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان عالم اسلام کی ایک عظیم اور مقتدر شخصیت کا نام ہے۔ وہ ایک مایہ ناز مفسر، محدث، مفکر، مورخ اور مفتی ہیں۔ انہوں نے اپنے فکر وفن اور تالیف وتصنیف سے نہ صرف اپنے عہد کو متاثر کیا ہے بلکہ بعد میں آنے والے زمانے کو بھی متاثر کیا۔ ان کے دامنِ تربیت سے فیضیاب ہو کر بڑے بڑے علماء نکلے جنہوں نے اپنے اپنے حدود میں مذہب وملت کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

حضرت صاحب نے خدمتِ دین اور اصلاح مذہب کی جو شمع روشن کی تھی اس سے ان گنت لوگوں نے روشنی حاصل کی۔ ان کی گونا گوں خوبیوں اور گراں بہا کارناموں کے پیش نظر بلا جھجک یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک فعال اکاڈمی اور ایک زندہ تنظیم تھے۔ یوں تو ان کی شخصیت اور کارناموں پر مختلف مضامین لکھے گئے ہیں لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کے تمام کارناموں کا جائزہ لیا جائے تاکہ ان کی خدمات کا اعتراف کیا جاسکے۔ یہی مقصد اس موضوع کے انتخاب کا باعث بنا۔ اس موضوع کو حسب ذیل ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا باب حکیم الامت مفتی احمد یار خان کی حیات اور ان کی خدمات سے متعلق ہے۔ اس میں سن، ولادت، ان کی تعلیم، ان کے اساتذہ، مختلف مقامات پر ان کی تدریسی خدمات اور ان کی زندگی کے اہم گوشوں کا تعین کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان کی تفاسیر، ''تفسیر نعیمی''، ''نور العرفان فی حاشیہ القرآن'' اور ''شرح مشکوٰۃ المصابیح'' کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی تفاسیر وشرح کا دیگر تفاسیر سے تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ حضرت مفتی احمد یار خان بحیثیت مفسر ایک ممتاز

مقام رکھتے ہیں۔ان کی زندگی کا وافر حصہ تفسیر و شرح کے لیے وقف تھا۔انہوں نے اپنی تفاسیر و شرح میں جو بیش بہا نکات پیش کئے ہیں وہ انہیں مفسرین میں ایک منفرد حیثیت عطا کرتے ہیں۔تفسیر نعیمی گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور نور العرفان فی حاشیہ القرآن ایک بے مثال حواشی تفسیر ہے جو اردو تفاسیر کے ذخیروں میں بے بہا اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ان میں انہوںؒ نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ آیات کے شان نزول، سورۂ مبارکہ کے مختلف نام، ناسخ و منسوخ آیات و کلمات کے تعداد، معترضین کے اعتراضات، مسائل کا استنباط، مترجمین و مفسرین کی اغلاط کی نشاندہی، آیات قرآنی سے متعلق تمام تفسیری، تاویلی، تحریفی، تعبیری اور تغییری اقوال نقل کر کے ایک مفسر کا حق ادا کیا ہے ان تفاسیر میں تفسیر کی تعریف اصول، اس کے اقسام اور مفسر کے فرائض بیان کئے ہیں۔اس باب میں راقم نے مفسر کی حیثیت سے حضرت صاحب کی خدمات کا تعین کرنے کے لئے دیگر مفسرین سے ان کا موازنہ کیا ہے تا کہ بحیثیت مفسر ان کی عظمت واضح ہو سکے۔

تیسرے باب میں حکیم الامت احمد یار خان کا بحیثیت محقق مرتبہ متعین کرنے کے لیے راقم نے درج ذیل کتابوں کا جائزہ لیا۔"شانِ حبیب الرحمٰن مِنْ آیات القرآن"، "ایک اسلام"، "جاء الحق و زهق الباطل"، "سلطنت مصطفےٰ"، "اسرار الاحکام بانوار القرآن"، "رحمتِ خدا بوسیلہ اولیاء اللہ"، "علم القرآن لترجمۃ الفرقان، رسالۂ نور"، "امیر معاویہ پر ایک نظر"، "اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں"، "فتاوے نعیمیہ"، "الکلام المقبول فی طہارۃ نسب الرسول"۔ان کتابوں کے تفصیلی جائزہ سے راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ بحیثیت محقق ان کے فکر و فن، شعور و آگہی اور نظریات و خیالات مین بڑی گہرائی و گیرائی و باریکی ہے۔وہ اپنی وسیع معلومات اور حقائق کی روشنی میں لاینحل مسائل کا تجزیہ کرتے ہیں۔ان کی تحریروں میں تحقیقی شان پائی جاتی ہے۔

چوتھے باب میں حضرت مفتی احمد یار خان کے کلام سے بحث کی گئی ہے۔ وہ ایک نعت گو کی حیثیت سے اہم مرتبت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام میں الفاظ کا طلسم نہیں باندھا بلکہ ان کے کلام میں بڑی روانی، سلاست اور تاثیر ہے جو قارئین کو اپنی طرف کھینچتی اور ان کے دلوں کو عشقِ رسول سے گرماتی ہے۔ ان کے کلام کا ہر شعر اس بات کا بین ثبوت ہے کہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ عشقِ رسول میں ڈوب کر کہا۔ عشق رسول سے ان کا والہانہ پن ان کے اشعار کو پرگداز بنا دیتا ہے۔ انہوں نے نعت گوئی کی تعریف میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ خلوص، محبت، شیفتگی اور عقیدت نے ان کی نعتوں کو شعوری اور معنوی حسن عطا کیا ہے۔ ان کا کلام صنعت گری کی نمائش سے دور ہے۔ پاکیزہ خیالات، بیان کی سادگی، اسلوب کی تازگی رسولِ اعظم کی ذاتِ بابرکت ان کی عظمت و جلالت کے شایانِ شان مناسب الفاظ کا استعمال سالک کی نعتوں کا خاص وصف ہے۔

پانچویں باب میں حضرت صاحب کے سفرناموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان کے سفرنامے اپنے اندر غیر معمولی کشش رکھتے ہیں۔ ان سے مصنف کے شوقِ تجسس، ذوقِ زیارت تاریخی مقامات اور شہروں کی تہذیبی وسماجی زندگی کے مطالعہ کی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ یہی بات ہے کہ ان کے سفرناموں میں ادبیت بھی ہے واقعہ نگاری بھی۔ تہذیب، معاشرت اور ثقافت کا مرقع بھی ہے۔

چھٹا باب اختتامیہ ہے۔ اسی میں راقم نے اپنے مقالہ کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ مجھے اپنی ادبی بے بضاعتی کے باوجود اس بات کا اطمینان ہے کہ مجھے حکیم الامت مفتی احمد یار خان کے ادبی جواہر پاروں کو کھنگالنے کا موقع ملا اور میں نے پہلی بار شرح بسط کے ساتھ ان کے کارناموں کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان کی حیات کے سلسلہ میں راقم کو بہت دشواریوں سے دوچار

ہونا پڑا اس سلسلہ میں بار بار حضرت صاحب کے دوسرے صاحبزادے مفتی اقتدار احمد خان مقیم لندن سے بذریعہ فون اور خط و کتابت ربط پیدا کیا۔ مواد کی فراہمی کی سلسلے میں راقم کو میرٹھ "مراد آباد"، دہلی، کلکتہ، اڑیسہ کا دورہ کرنا پڑا اور جن حضرات نے اپنا قیمتی وقت نکال کر راقم کو زرین مشوروں سے نوازا ان مین حضرت علامہ ارشد القادری، علامہ عبدالمتین نعمانی، علامہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری (پاکستان)، علامہ شاہد رضا صاحب نعیمی ولد علامہ قبلہ محمد حبیب اللہ نعیمی" جنرل سیکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن، علامہ محمد علی جناح حبیبی، علامہ سید عبدالمسجود حبیبی لائق ستائش ہیں۔

راقم حسب ذیل اداروں اور کتب خانوں کے اراکین و منتظمین کا شکر گذار ہے جنھوں نے اپنے کتب خانوں کے مطبوعات و مخطوطات سے استفادہ کرنے کا موقع عطا فرمایا۔

۱۔ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد، دکن　　۲۔ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد، دکن
۳۔ کتب خانہ نواب سالار جنگ حیدر آباد، دکن　　۴۔ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ میسور
۴۔ میسور یونیورسٹی لائبریری میسور　　۶۔ مسلم لائبریری بنگلور
۷۔ کتب خانہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ میسور

زیر نظر مقالہ کی تیاری، ترتیب اور تکمیل دراصل استاذ گرامی ڈاکٹر مسعود سراج پروفیسر و صدر شعبۂ اردو، میسور یونیورسٹی کی نگرانی ان کی حوصلہ افزائی، رہنمائی اور رہبری کا نتیجہ ہے جس کے بغیر مقالہ کی یہ صورت گری نہ ہو پاتی۔ پروفیسر موصوف نے جس دلچسپی شفقت اور انہماک کے ساتھ مقالہ کی ابتداء سے انتہا تک تحریر و زبان کی نوک پلک کو درست فرمایا اور مختلف ابواب کے مواد کی جانچ اور ان کی ترتیب کے بعد مسودہ پر نظر ثانی اور نظر ثالث کیلئے جس مشقت کو خندہ پیشانی سے قبول فرمایا اس کے لئے راقم کما حقہ اظہار تشکر سے قاصر ہے پروفیسر صاحب موصوف نے صحیح معنوں میں رہنمائی اور نگرانی کا حق ادا کیا ہے اور راقم کو ہر

مرحلہ پر مفید مشوروں سے سرفراز فرمایا۔

کتبوں کی فراہمی کے سلسلے میں جناب فیاض احمد صاحب جیبی مقیم ابوذہبی نے بڑی زحمت گوارہ کی اور ڈاکٹر محمد ضیاء اللہ لیکچرار میسور یونیورسٹی نے مقالہ کی تیاری کے دوران راقم کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور جب بھی کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تو اس کا سدِ باب کرنے کے لئے جو تعاون فرمایا وہ نا قابل فراموش ہے۔ راقم ان دونوں حضرات کا بے حد ممنون ہے۔

ناانصافی ہوگی اگر میں اپنے برادرِ صغیر شیخ ظہیر احمد رضوی و میرے فرزند اکبر شیخ غلام شبیر احمد رضوی اور میری شریکِ حیات قمر النساء بیگم جیبی کا قلب کی گہرائیوں سے شکریہ ادا نہ کروں جن کے بھرپور تعاون اور ہر گام پر مدد کے بغیر اس مقالہ کی تکمیل میرے لیے ممکن نہ تھی۔ اس لئے راقم ان تینوں کا سپاس گذار ہے۔

شیخ بلال احمد صدیقی

مَنْ وَرَّخَ مُؤمِنًا فَکَاَنَّهٗ اَحْیَاهٗ

جس نے مومن کی تاریخ لکھی یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے اسے زندہ کر دیا

پہلا باب

حالاتِ زندگی

وطن، خاندان، پیدائش، شجرۂ نسب، تعلیم وتدریس
اساتذہ، عقدِ نکاح، روزمرہ زندگی، سیرت واخلاق
لقب، دارالافتا کی خدمات نامور شاگرد، تحقیقات
وتالیفات، سفرِ حج، وصال اور اہلِ قلم کی رائے

شہر بدایوں کو ہندوستان کی ادبی علمی اور ثقافتی تاریخ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ ایک ایسی بستی ہے جہاں سے بڑے بڑے اہل علم حضرات عالم بالا سے عالم وجود میں آئے۔ اس شہر کا لقب اس وجہ سے قبۃ الاسلام رکھا گیا تھا۔

"خلجیوں اور تغلقوں کے عہد میں جیسے جیسے اسلام کا قدم یورپ کی سمت میں بڑھتا جاتا تھا علم کی روشنی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اسلام کے علم و فضل کا مرکب جب دہلی سے آگے نکلا تو اس کی پہلی منزل بدایوں معلوم ہوتی ہے۔ حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین بدایونی دہلوی وہ سیاحِ معرفت ہیں جنہوں نے بدایوں اور دِلی کی منزلوں کو ملا دیا۔ اس زمانے میں اس سرزمین کے دوسرے نامور مولانا علاؤالدین اصولی بدایونی (خواجہ نظام الدین اولیاء کے استاد) قاضی جمال بدایونی ملتانی، رکن الدین بدایونی، خواجہ بخشی بدایونی وغیرہ ہیں"[۱]

شہر بدایوں (یوپی) کا ضلع ہے۔ اس شہر بدایوں کے ریلوے اسٹیشن سے تیرہ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بستی اجھیانی ہے۔ اسی مقام پر یکم مارچ ۱۸۹۴ء مطابق ۴ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ بروز جمعرات بوقت صبح صادق حضرت قبلہ احمد یار خان کی ولادت ہوئی حضرت قبلہ احمد یار خانؒ کے دوسرے صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے۔[۲] اجھیانی بلدیہ کے رجسٹر میں بھی یہی سنہ ولادت درج ہے۔

حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے یوسف زئی پٹھان حضرت

۱۔ مقدمہ حیات شبلی صفحہ ۲ ۲۔ مکتوب بنام راقم

بنیامین ابن یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے آپ کا دھدیال علمی وادبی اعتبار سے اور ننھیال بھی بڑی شہرت رکھتا ہے۔ آپ کی پرورش انتہائی مہذب اور علمی ماحول میں ہوئی۔ آپ کے جد کریم حضرت منور خان علیہ الرحمہ گردیزی افغانستان سے ہجرت کر کے بستی اجھیانی میں مقیم ہوئے۔ آپ کے دادا محترم مولانا منور خان اپنے علاقہ کے معززین میں شمار ہوتے تھے۔ آپ فارسی کے زبردست عالم تھے۔ حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کے والد محترم مولانا محمد یار خان اپنے وقت کے متبحر عالم دین تھے۔ آپ کو تین مرتبہ بحالت بیداری حضور اقدس ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے اپنے علاقہ میں ایک شاندار مسجد تعمیر فرمائی اور تاعمر اس کی امامت اور خطابت فی سبیل اللہ کی۔[1]

حلیہ: آپ کا رنگ سفید سرخی مائل، قد پانچ فٹ گیارہ انچ، داڑھی گھنی چار انگل لمبی

لباس: آپ شلوار قمیض یا کرتا پائجامہ پہنتے تھے کبھی کپڑے کی ٹوپی کبھی ترکی ٹوپی اکثر عمامہ استعمال کرتے تھے۔

تسمیہ خوانی

حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان تین سال گیارہ ماہ ایک دن کے ہوئے تو آپ کی تسمیہ خوانی خاندانی رسم و رواج کے مطابق ۱۸۹۸ء/۱۳۱۸ھ بدایوں شریف کے ایک بڑے بزرگ عبدالقدیر میاں کے ذریعہ ہوئی۔ اس وقت موسم بہار کی پہلی بارش ہلکی ہلکی ہو رہی تھی۔ حضرت مفتی صاحب نے قرآن مجید، دینیات، فارسی اور درس نظامی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ آپ ۱۳۲۵ھ میں اوجھیانی سے نکل کر بدایونی شہر کے مدرسہ شمس العلوم میں داخل ہوئے جہاں آپ نے تین سال تک علامہ قدیر بخش بدایونی کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی۔ والیان ریاست کے قائم کردہ ادارہ دارالعلوم مینڈھو میں ملاحسن تک کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۳۲ھ میں اپنے چچازاد بھائی کی وساطت سے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں داخل ہوئے۔

---

[1] مکتوب بنام راقم مورخہ 27.8.1994

جس وقت حضرت مفتی احمد یار خانؒ جامعہ نعیمیہ پہنچے اس وقت صدر الافاضل سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی ملاحسن پڑھا رہے تھے۔ اس درس میں حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان نے بھی شرکت کی۔ دوران سبق حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان نے ایک اعتراض کیا اور کہا کہ ملا حسن سے یہاں لغزش ہوئی ہے۔ اس پر آپ نے اچھی خاصی تقریر فرمائی طالب علم جو زیرِ درس تھے سب محو حیرت ہو گئے۔ صدر الافاضل نے بڑے غور سے ان کی تقریر سنی اور ان کے اعتراض کے جو بصیرت افروز جوابات دیئے اس سے حضرت مفتی احمد یار خان بے حد متاثر ہوئے اور اسی مدرسہ میں داخلہ لے لیا اور پھر حضرت صدر الافاضل کی دوربین نگاہ نے اس ہیرے کو اس طرح تراشا کہ دیکھتے ہی دیکھتے انمول نگینہ بن گیا۔

جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں آپ نے جن اساتذہ کرام سے کسب فیض کیا ان میں علامہ عاشق الٰہی، مولانا مشتاق احمد میرٹھی، صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی قابل ذکر ہیں۔ یہاں کی تعلیم نے آپ کو محدث، محقق، مفسر، مفتی بلکہ مفتی اعظم، مصنف، مناظر، مقرر، مفکر، شاعر بنا دیا۔ آپ نے اپنے اساتذہ سے چوبیس علوم میں مہارت حاصل کی۔ انیس سال کی عمر میں سنہ ۱۹۱۳ء/۱۳۳۲ھ بروز چہار شنبہ آپ کو اسناد تعلیم ملیں۔ بعد دستار فضیلت صدر الافاضل سید نعیم الدین صاحب نے حضرت مفتی احمد یار خان کو جامعہ نعیمیہ کی تدریس و خدمتِ افتا سپرد کر دیں۔ جہاں آپ ایک سال تک خدمات انجام دیتے رہے۔ انہی دنوں دارالسلام مسکینیہ دھوراجی گجرات (ہندوستان) سے صدر الافاضل کے پاس ایک ایسے عالم دین کے لئے درخواست آئی جو تدریس، فتاویٰ اور خطابت وغیرہ کی خدمات عمدہ طریقہ سے انجام دے سکے۔ حضرت صدر الافاضل کی نگاہ انتخاب حضرت مفتی احمد یار خان پر پڑی۔ ان کی ایماء پر آپ نے اس ملازمت کو قبول کیا اور نو سال تک یہاں کی خدمات انجام دیں جہاں سینکڑوں طلباء نے آپ سے اکتساب علم کیا۔ جب دارالعلوم مسکینیہ مالی مشکلات کا

شکار ہوا اور حضرت مفتی صاحب کو بھی پریشانیاں لاحق ہوگئیں تو مجبوراً دارالعلوم چھوڑ کر اپنے وطن اوجھیانی چلے گئے۔ صدرالافاضل نے دوبارہ انہیں جامعہ نعیمیہ طلب کیا اور تدریسی خدمات سپرد کردیں۔ اسی سال شیخ المشائخ حضرت شاہ سید علی حسین صاحب اشرفی میاں کی دعوت پر دارالعلوم اشرفیہ کچھوچھہ تشریف لے گئے۔ کچھوچھہ شریف میں حضرت مفتی صاحب تین سال تک رہے یہیں مفتی صاحب کی بڑی صاحبزادی تولد ہوئیں پھر بعض وجوہات کی بنا پر جامعہ اشرفیہ چھوڑ کر اپنے وطن چلے گئے۔ اس کے بعد صدرالافاضل نے علامہ سید ابوالبرکات کی وساطت سے آپ کو بھکھی ضلع گجرات (پاکستان) سید جلال الدین شاہ کے دارالعلوم میں (دارالعلوم جلال الدین شاہ) روانہ کیا۔ مگر حضرت مفتی صاحب کو یہاں کوئی دلبستگی پیدا نہ ہوسکی۔ آب و ہوا راس نہ آئی۔ اس لئے وہ وطن جانے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ مگر سید محمود شاہ ابن پیر سید ولایت شاہؒ نے سید ابوالبرکات صاحب کی وساطت سے حضرت مفتی صاحب کو ''دارالعلوم انجمن خدام الصوفیہ'' (گجرات پاکستان) کو جانے کے لئے آمادہ کرلیا۔ وہ گجرات کیا گئے کہ گجرات ہی کے ہوکر رہ گئے۔ ''علم المیراث'' کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کی تمام تصنیفات و تالیفات اسی دارالعلوم انجمن خدام الصوفیہ میں تصنیف ہوئیں۔ یہ دور حضرت مفتی صاحب کی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

خود حضرت مفتی احمد یار خان کا ارشاد ہے کہ:

> ''تدریس سے تصنیف زیادہ مشکل کام ہے اور ہمارے پہلے استاذ جامعہ نے ہمیں مدرس بنا دیا اور دوسرے استاد جامعہ نے ہمیں مصنف بنادیا۔'' [1]

یعنی یہاں آپ کا اشارہ مولانا مشتاق احمد میرٹھی اور صدرالافاضل سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی کی طرف ہے۔

---

[1] مکتوب بنام راقم از مفتی اقتدار احمد خان

عقدِ نکاح

آپ کی عمر پچیس سال کی ہوئی تو آپ کا نکاح سنت رسول کے مطابق ۱۹۱۹ء مطابق ۱۳۳۹ھ بروز پیر بعد نماز ظہر شیخوپور ضلع بدایوں کے ایک معزز افغان خاندان میں عبداللطیف خان کی صاحبزادی سے ہوا۔ خطبۂ نکاح مولانا عبدالقدیر میاں بدایونی نے پڑھا۔ آپ نہایت دیندار اور پارسا خاتون تھیں۔ خانگی مصروفیات اور نماز و عبادت کے ساتھ محلہ کے بچوں کی ابتدائی تعلیم اور تربیت کا کام بھی کرتی تھیں۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب کے فرائض منصبی کا انہیں اچھی طرح احساس تھا۔ اس لئے تمام گھریلو ذمہ داریاں خود سنبھال لیتی تھیں۔ اس لئے حضرت قبلہ مفتی صاحب کو گھر کا کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ یہ اپنے آبائی وطن سے ہزاروں میل دور حضرت قبلہ مفتی صاحب کے ساتھ رہیں۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب کی بیوی کا انتقال ۲۲ رجب ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء گجرات (پاکستان) میں ہوا۔ آپ کی جدائی کا حضرت قبلہ مفتی صاحب کو بے حد قلق رہا۔ آپ کے بطن سے پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔

نکاحِ ثانی : آپ نے دوسرا نکاح ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں کیا۔ آپ کی اس بیوی کا تعلق کشمیری خاندان سے تھا (مقبوضہ کشمیر)۔ ۱۹۴۷ء میں اس خاتون کا خاوند تقسیم ہند کے موقع پر شہید ہو گیا تھا۔ یہ خاتون عقد ثانی میں حضرت مفتی صاحب کے نکاح میں آئیں اور ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آپ کی اس بیوی کے خاندان کا روحانی تعلق گولڑہ شریف پیر مہر علی شاہ صاحب سے ہے۔ آپ بھی بہت عبادت گذار، صاحب مجاہدہ مکاشفہ تھیں۔ ان کا انتقال ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں ہوا۔

روزمرہ زندگی : ہر روز نماز تہجد سے شروع ہوتا۔ جماعت فجر سے ایک گھنٹہ پہلے بیدار ہوتے۔ وضو ہمیشہ اپنے ہاتھ سے پانی لا کر کرتے کسی خادم یا شاگرد سے یہ کام نہ

کراتے۔ عموماً بارہ رکعت نفل، وتر پھر دو رکعت نفل بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ باقی تمام نوافل ہمیشہ کھڑے ہو کر ادا کرتے تھے۔ سنت فجر گھر میں ادا کرتے اور سب گھر والوں کو جگا دیتے اور فرماتے کہ ہر نماز کے وقت گھر میں عید کا سا سماں ہونا چاہئے۔ جب تک بجلی نہ تھی ہر کمرہ میں چراغ یا لالٹین روشن کر دی جاتی تھی۔ مستورات اور بچیاں اپنے اپنے کمروں میں نماز ادا کرتیں۔ پھر قدرے بلند آواز سے تلاوت قرآن مجید کا حکم تھا اس آواز سے گھر میں دھوم مچ جاتی۔ سنت فجر پڑھ کر اپنے دونوں صاحبزادوں کو ساتھ لے کر مسجد جاتے اور باجماعت نماز ادا فرماتے۔ باجماعت نماز کا عشق تھا۔ سفر میں بھی دو آدمی ساتھ رکھتے تا کہ اسٹیشن یا بس کے اڈہ پر اگر نماز کا وقت آجائے تو نماز باجماعت ادا کرسکیں۔ پابندیٔ وقت کی اتنی سختی تھی کہ ضرب المثل بن چکی تھی۔ لوگ آپ کے چلنے پھرنے سے گھڑیاں ملاتے تھے بعد نماز فجر درس قرآن مجید فرماتے تھے۔ آدھا گھنٹہ، درس حدیث پاک، مشکوٰۃ شریف پندرہ منٹ، چالیس سال میں ایک مرتبہ قرآن مجید اس طرح ختم فرمایا کہ آپ ہر آیت میں گیارہ چیزیں بیان فرماتے تھے۔ ۱۔ لفظی ترجمہ، ۲۔ بامحاورہ ترجمہ، ۳۔ شان نزول، ۴۔ ربط آیات (تعلق آیات)، ۵۔ تفسیری نحوی، ۶۔ تفسیر عالمانہ، ۷۔ خلاصۂ تفسیر، ۸۔ فوائد آیت، ۹۔ مسائل فقہی، ۱۰۔ اعتراضات و جوابات، ۱۱۔ تفسیر صوفیانہ۔ درس کے بعد گھر تشریف لا کر مختصر ناشتہ کرتے۔ پھر کچھ لکھتے تفسیر، خطوط کے جواب یا فتوے یا شرح حدیث یا کوئی اور کتاب۔ پھر طلباء کی تعلیم کا وقت ہو جاتا۔ ہر روز صبح 9 بجے تا ایک بجے دن مدرسہ میں پڑھاتے۔ پھر بعد نماز ظہر مسجد میں دس منٹ چہل قدمی فرماتے ہوئے وظیفہ پڑھتے رہتے تھے۔ ایک بجے گھر تشریف لا کر کھانے سے فارغ ہو کر دن ڈھائی بجے تک قیلولہ کرتے، سردیوں کے موسم میں دو بجے تک پھر اٹھ کر وضو کرتے۔ ہر وضو میں تقریباً دو منٹ مسواک کرتے۔ مسواک ہمیشہ مدینہ منورہ کی ہوتی۔ پھر مدرسہ تشریف لا کر ایک پارہ قرآن مجید تلاوت کرتے۔ ایک حذب

دلائل الخیرات شریف کا ورد کرتے۔ پھر طلباء کو مطالعۂ کتب کے لئے وہیں صفوں میں بٹھاتے۔ اپنے سامنے مطالعہ کرنے کی تاکید فرماتے خود بھی دوسرے دن کے اسباق کتب کا مطالعہ فرماتے حالانکہ یہ کتب آپ کو حفظ تھیں۔ آپ فرمایا کرتے کہ طلباء کو مطالعہ فرض اور تکرار اسباق اشد فرض اور اساتذہ کو مطالعہ کرنا واجب سمجھنا چاہئے۔ یہ کام نمازِ عصر تک جاری رہتا۔ پھر نماز عصر کی تیاری ہوتی سنت عصر وہیں مدرسے میں یا پھر گھر میں ادا کرتے۔ پھر اپنے دونوں صاحبزادوں کو ساتھ لے کر مسجد میں باجماعت نماز عصر ادا کرتے بعد نماز عصر حضرت کرم الٰہی سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دیتے جو مسجد سے دو میل کے فاصلہ پہ ہے۔ پیدل سیر کرتے۔ راستے میں شوقین طلباء سے عربی یا فارسی میں گفتگو فرماتے۔ اس طرح طلباء کو بول چال کی مشق ہو جاتی۔ یہ آنا جانا ہر روز چار میل کی سیر و تفریح کہلاتا۔ اس میں بھی وقت کی سختی سے پابندی ہوتی۔ عین مغرب کی اذان شروع ہوتی کہ آپ کا داہنا قدم مسجد میں داخل ہوتا۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے یہ عمل تیس سال تک مسلسل دیکھا بجز سفر کے۔ آپ کے آنے جانے سے لوگوں نے اپنے اوقاتِ کار مقرر کر رکھے تھے۔ جس دن آپ اس راستے سے نہ گذرتے لوگ سمجھ جاتے کہ حضرت آج سفر پر گئے ہوئے ہیں۔ آپ بعد نماز مغرب گھر آ کر سنت، نفل اور اوابین ادا فرماتے۔ پھر کھانا کھاتے اور گیارہ منٹ گھڑی دیکھ کر چہل قدمی فرماتے۔ پھر اسی طرح نماز عشاء کی تیاری کرتے۔ وضو، نفل تحیۃ الوضو اور چار سنتیں گھر میں ادا فرماتے۔ باجماعت نماز کے بعد خود اکیلے گھر تشریف لے آتے اور بقیہ نماز ادا فرماتے۔ صرف چند منٹ، بعد نماز عشاء وظائف اور دینی مسائل پر گفتگو فرماتے اور جلد سو جاتے۔ یہ آپ کی روزمرہ زندگی آخری دم تک رہی۔

ایک دفعہ حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان بنگال کے سفر پر تشریف لے گئے۔ طلباء کو جانے کی

تاریخ یاد نہ رہی۔ ڈائری اور مدرسہ کا روزنامچہ لکھنے میں دقت پیش آئی اور حضرت کی ناراضگی کا خوف دامن گیر تھا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ فلاں کسان سے جا کر پوچھو۔ طلباء حیران ہو گئے۔ جب اس سے جا کر پوچھا تو کسان نے صحیح دن اور تاریخ بتادی کہ آپ فلاں اتوار کو گئے ہیں۔ آج پچیس دن ہو گئے ہیں۔ طلبہ نے حیرت سے پوچھا کہ تم کو کس طرح علم ہوا؟ تو کہنے لگا کہ میں نے اس دن سے حضرت کو یہاں سے گذرتے نہیں دیکھا۔

آپ نے اپنی زندگی میں بہت دور دراز کا سفر بھی کیا۔ جیسے بنگلہ دیش، حجاز مقدس، بیت المقدس، عراق، ایران، ملک شام وغیرہ وغیرہ۔ دوران سفر آپ کے پاس دو عدد جیبی گھڑیاں، قطب نما، چھوٹی گول کنگھی، چھوٹا سا چاقو، تھوڑے پیسوں کا بٹوہ، چھوٹی سی قینچی، مسواکیں، قلم، پنسل، نیل کٹر، چھوٹی سی کاپی، جنتری، عطر کی شیشی اور مدینہ منورہ کی چند الائچیاں۔ مصری کے چند ڈلے وغیرہ چیزیں ہوتیں۔ آپ کے ہمراہ سفر میں نماز کے لیے لوٹا، بڑا چوڑا مصلیٰ اور ایک دری نماز میں پچھلی صف کے لئے ضرور ہوتی۔ سفر ہو کہ حضر تا زندگی ایک وقت کی بھی نماز با جماعت قضا نہیں ہوئی۔ آپ کی زندگی میں پابندیٔ وقت سنت نبوی ﷺ کا عملی نمونہ تھا۔ نماز با جماعت کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہونے دیتے تھے۔ سفر و حضر ہر حالت میں تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر درود شریف کا ورد کیا کرتے تھے۔ یہ ان کی روحانی غذا کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ گفتگو کے دوران جب ان کا مخاطب بات کرتا تو اس وقفہ میں وہ درود شریف پڑھ لیا کرتے تھے۔

لوگوں کے آپسی تنازعات کا تصفیہ کرنے میں ان کو خداداد ملکہ حاصل تھا۔ لوگ آپس میں لڑ کر کٹ مرنے کے لئے تیار ہو جاتے لیکن جب معاملہ حضرت صاحب کی عدالت میں پہنچتا تو ایسا شاندار فیصلہ فرماتے کہ فریقین خوش ہو کر آپس میں مل جل کر زندگی گذارنے کا حوصلہ لے کر جاتے۔

آپ کی رہائش گاہ میں اوپر نیچے جملہ گیارہ کمرے تھے۔آپ کو گیارھویں شریف سے بڑی عقیدت تھی۔ہر چیز میں گیارہ کا عدد ملحوظ رکھتے۔اس پر یہ آیت مدرسہ "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" بطورِ دلیل پیش فرماتے۔

غذا

حضرت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ ناشتہ میں گندم کے آٹے کی روٹی، بعد ناشتہ سبز کشمیری الائچی والی چائے، پھر دوپہر میں اکثر گوشت، آلو اور خصوصاً بکری کے پہلو کا گوشت پسند فرماتے۔ پلاؤ، فرنی، ترکاری میں کدو، لوکی، مٹھائیوں میں قلاقند سوہن حلوہ بدایوں والے پیڑے اور پھلوں میں آم پسند فرماتے تھے۔بعد نماز عشاء بھینس کا خالص دودھ ایک پاؤ نوش فرماتے تھے۔کھانے کے ساتھ اکثر دو پتلی روٹیاں، ادرک کا پانی، مولی یا چقندر ضرور ہوتے۔ایک روٹی ایک چھٹانک کی ہوتی۔اگر کوئی زیادہ پکا دیتا تو نہ کھاتے یا پھر تھوڑی چھوڑ دیتے۔اگر کھانے پر غسل کر کے بھی بیٹھتے تب بھی ہاتھ ضرور دھوتے۔ہمیشہ ہاتھ سے کھاتے چمچہ صرف دودھ اور چائے کیلئے استعمال کرتے۔چٹائی پر بیٹھ کر کھانا کھاتے اور کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو جائز قرار دیتے اور حدیث پاک سے استدلال فرماتے۔ہر چیز جو اپنے لئے ہوتی وہ مکمل چاٹ کر ختم کرتے۔سب بچوں کو ایک بڑی پلیٹ پر ساتھ بٹھا کر کھلاتے۔ بسم اللہ ابتداء میں بلند آواز سے پڑھتے۔ہر نوالہ کے ساتھ آہستہ۔حضرت قبلہ مفتی صاحب جس محفل میں ہوتے سب پر لازم ہوتا کہ ہاتھ دھوئیں اور بسم اللہ شریف بلند آواز سے پڑھ کر کھانا شروع کریں۔گھر یا مدرسہ میں جاتے آتے وقت سلام ضرور کرتے۔بچوں، شاگردوں اور مریدوں کو بھی اس کا پابند بناتے۔تینوں اوقات کے علاوہ کچھ نہ کھاتے۔

پھولوں میں گلاب، چمبیلی اور عطریات میں گلاب، حنا، صندل اور چمبیلی مرغوب تھیں۔

سیرت واخلاق

آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ تلامذہ میں بیٹھ کر بھی اجنبی کے لئے آپ کو پہچاننا مشکل تھا۔ آپ اگر کسی شہر میں دعوت کیلئے جاتے تو اکثر استقبال کرنے والوں کو پوچھنا پڑتا کہ حضرت حکیم الامت کون ہیں۔ آپ مستجاب الاعوات تھے۔ وعدہ کرنے سے پرہیز فرماتے اگر کرلیا تو پورا کرنا فرض سمجھتے۔ تمام عمر کسی سے نہ قرض لیا نہ کسی کو دیا۔ اگر کسی نے مانگا تو اس کی ضرورت بطور ہدیہ پوری کردی اور کبھی رقم واپس نہ لی۔ آپ نے اپنے مدرسے کے لئے بھی کبھی کسی سے چندہ نہیں مانگا لوگ خود لا کر مدرسے کی خدمت کر کے دارین سنوارتے، حضرت صاحب کی زندگی کا نہایت روشن وبے داغ باب آپ کی پوری زندگی بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا۔ وہ سراپا شرافت ومحبت اور پیکر کے خلوص تھے آپ کی ذات حسن و خلق، نیکی وپاکیزگی خلوص کی تصویر تھی بڑوں کا ادب چھوٹوں سے شفقت، امیر وغریب سے مساوی سلوک کرتے۔ وہ بڑے ہی روشن خیال وسیع النظر فراخ دل آدمی تھے وہ حقیقی معنی میں دین وملت کیلئے بنے تھے اور اسی کیلئے وقف ہو کر رہ گئے۔ آپ کے شمائل وخصائل کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ آپ کو کبھی دنیوی جاہ وثروت کا خیال نہیں آیا۔ ان میں وہ تمام اوصاف ملتے ہیں جو ملت کے سچے بہی خواہ میں ہوتے ہیں۔ ہمیشہ اپنی تالیفی وتصنیفی مصروفیت کے آگے زندگی کی آرام وآسائش کو تجدیا ان کا مطمح نظر نہایت بلند تھا تمکنت، وقار، تحمل، بردباری ان کے مزاج کا حصہ تھا۔ وہ واقعی بلند پایہ شخصیت مرد مجاہد صاحب جلال تھے، جن کا فیض سب کیلئے عام تھا، ان کی عظمت وبزرگی کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ وہ بے لوث خادم قوم وملت تھے۔ غرض وہ تمام جواہر ومحاسن جو ایک بزرگ کامل میں ہوتے ہیں وہ سب کچھ آپ کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔

طریقۂ درس: حکیم الامت مفتی احمد یار خان کا طریقہ درس بھی انوکھا تھا خواہ وقت تعلیم ہو کہ وقت اعلام رموز واسرار خداداد نکات سے پر ہوتا آپ کا طریقہ درس سے متعلق

ایک ہی مثال بطور نمونہ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی آیت مبارکہ پیش خدمت ہے۔

"قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک خبر یا اطلاع ہے مگر ذرا سا قرآن وحدیث میں تدبر کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک چیلنج اور دعوی ہے۔ دیکھو بشریت ذات نہیں بلکہ صفت ہے کیونکہ بشر سے بنا ہے جس کا معنی ظاہر کھال یعنی میں صفات بشری میں تم سب کی مثل ہوں اور بشری صفات تو کروڑوں ہیں دنیا میں کسی کو ایک کسی کو دو کسی کو آٹھ یا تو حد درجہ در گیارہ، یعنی کوئی بشر عالم، کوئی ڈاکٹر، کوئی سائنسدان، کوئی منطقی، کوئی فلسفی، کوئی پہلوان۔ ایک آدمی ڈاکٹر بھی ہو منطقی بھی ہو فلسفی پہلوان سائنس دان خوبصورت بھی تو وہ اکیلا ان سب کی مثل ہوگا۔ لیکن وہ سب فرداً فرداً اس کی مثل نہیں ہوسکتے کہ جو ڈاکٹر ہے وہ منطقی نہیں۔ دنیا میں لوگ زیادہ سے زیادہ دس بارہ آدمیوں کی مثل ہوسکتے ہیں۔ مگر کائنات میں ایک ہی ہستی ہے جس کو رب نے کائنات کی ہر صفت عطا فرمادی اور قرآن مجید ابدی تا قیامت رہنے والی کتاب میں یہ دعویٰ کرایا گیا۔ قُلْ کہہ کر بتادیا ہے کہ ہمارے حکم سے یہ دعویٰ کردو۔ ۱: دعویٰ کرانے والا رب تعالیٰ، ۲: دعویٰ بتانے والا قرآن مجید، ۳: اور دعویٰ کرنے والا نبی محمد مصطفیٰ ﷺ۔ لہٰذا دعویٰ سچا کیونکہ قرآن سچا، اللہ سچا اور نبی سچا۔ یہ دعویٰ دنیا میں بجز محمد مصطفیٰ کوئی نہیں کرسکتا نہ آدم نہ نوح نہ ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام اور حدیث پاک میں ایک خدشہ کو دور کرتے ہوئے فرمادیا کہ اَيُّكُمْ مِّثْلِيْ تم میں سے کوئی بھی میری

مثل نہیں ہوسکتا۔ مثل کا معنی برابر یعنی میں تم سب کی مثل ہوں
تمہاری صفات میرے پاس ہیں۔ طاقت قوت بھی علم وغیرہ وغیرہ مگر
میری صفات شان وقوت بھی تمہارے پاس نہیں۔''

''مکتوب بنام راقم''

لقب : حکیم الامت کا لقب آپ کو ۱۹۵۷ء میں حاشیہ قرآن مجید لکھنے پر پیر سید معصوم شاہ صاحب نوشاہی قادری مالک نوری کتب خانہ لاہور کی تحریک پر پاکستان کے جید علماء اکرام نے متفقا تجویز فرمایا اور ہندوستان کے علماء اہلسنت نے اس لقب کو تسلیم کیا اور پہلی بار آپ کے حاشیہ القرآن مسمّی ''نور العرفان'' سرورق پر طبع ہوا۔ ان علما کرام کے اسماء گرامی جنہوں نے حکیم الامت کے لقب سے نوازا۔

۱: پیر سید معصوم شاہ نوشاہی
۲: سید ابوالکمال برق نوشاہی
۳: شیخ الحدیث عبدالغفور ہزاروی
۴: شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد
۵: حضرت غزالی زماں مولانا سید احمد سعید کاظمی شاہ
۶: حضرت پیر سید محمد حسین شاہ ابن سید امیر ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری (حیدر آباد دکن پاکستان)
۷: حضرت بابوجی گولڑہ شریف
۸: حضرت قاری احمد حسین رہتکی خطیب اعظم عیدگاہ گجرات
۹: صاحبزادگان حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی [1]

---

[1] مکتوب بنام راقم

دارالافتاء کی خدمات و مدت

آپ کا پہلا فتویٰ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں ۱۹۱۳ء ماہ ربیع الاول شریف کی پہلی تاریخ بعمر انیس سال شائع ہوا۔ استاذ محترم سید نعیم الدین صاحب نے پڑھ کر اطمینان کا اظہار فرمایا۔ اسی فتویٰ کی بنا پر مختصر سی تقریب میں آپ کو دارالافتاء کی سند عطا کی گئی اور آپ جامعہ نعیمیہ کے مفتی قرار دیئے گئے۔ آپ نے ۱۹۱۳ء تا ۱۹۵۷ء جملہ چوالیس سال تک فتاویٰ نویسی کی خدمات کا فریضہ انجام دیا چنانچہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں ۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۴ء، دارالعلوم مسکینیہ دھوراجی انڈیا میں ۱۹۱۴ء تا ۱۹۲۳ء، جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں ۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۴ء، جامعہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف میں ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۷ء گجرات (پاکستان) میں ۱۹۲۷ء تا ۱۹۵۷ء یہ خدمات انجام دیتے رہے آپ سے صادر ہونے والے جملہ فتاوے کو اگر جمع اور محفوظ کیا جاتا تو فتاوے کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی تھی۔

عدالتِ اسلامیہ کا قیام

آپ نے مراد آباد، دھوراجی، کچھوچھہ شریف گجرات میں دارالافتاء بطرز عدالت اسلامیہ قائم فرمایا اور تقریباً چالیس شاگردوں کو مفتی اعظم کا کورس پڑھا کر سند اور فتاوے نویسی کی اجازت دی یہ تعداد مکمل تعلیم اور سند حاصل کرنے والوں کی ہے۔ اس کے علاوہ ان طلباء کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے جنہوں نے آپ سے استفادہ کیا۔

حضرت مفتی احمد یار خان ؒ ۱۹۵۷ء میں فتاوے نویسی سے سبکدوش ہو گئے اور یہ اہم ذمہ داری اپنے بڑے صاحبزادے ''محمد مختار احمد'' صاحب (مرحوم) کے سپرد فرما دی مگر وہ اس کا صحیح فریضہ انجام دے نہ سکے۔ تب آپ نے چھوٹے صاحبزادہ ''مفتی اقتدار احمد خان'' کو یہ ذمہ داری سونپ دی جو ان دنوں لندن میں مقیم ہیں۔ آپ تیس کتابوں کے مصنف ہیں۔

تلامذة

حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کے نامور شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا سید مختار اشرف صاحب کچھوچھوی عرف محمد میاں (۲) مولانا حافظ محمد فاضل صاحب نعیمی لاہور (۳) مولانا عبدالکریم صاحب مفلت گنج بنگلہ دیش (۴) مولانا عبدالقدیر صاحب، چٹا گانگ (۵) صاحبزادہ مفتی مختار احمد خان (۶) صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان (۷) مولانا لیاقت حسین صاحب بنگلہ دیش (۸) مولانا سید مسعود الحسن صاحب چورہ شریف (۹) حافظ الحدیث مولانا سید جلال الدین شاہ صاحب بھکھی گجرات (۱۰) مولانا ریاض الحسن صاحب سنبھل بھارت (۱۱) مولانا نذر محمد صاحب خطیب سلانوالہ (۱۲) مولانا محمد ادریس صاحب ماریشس افریقہ (۱۳) مولانا غلام علی صاحب اوکاڑوی (۱۴) مولانا حافظ سید غنی شاہ صاحب گجرات (۱۵) مولانا حامد علی شاہ صاحب چورہ شریف (۱۶) مولانا سید محمود شاہ صاحب گجرات (۱۷) مولانا حکیم غلام سرور صاحب سرگودھا (۱۸) مولانا سید فضل شاہ صاحب گجرات (۱۹) مولانا قاری محمد رفیع صاحب ہریاوالہ گجرات (۲۰) مولانا نذیر حسین صاحب خطیب شاہ دولہ گجرات (۲۱) مولانا عبداللطیف صاحب قادری نکوآنی (۲۲) مولانا عبداللطیف صاحب خطیب سائیں کانواں والا (۲۳) مولانا سید محمد قاسم صاحب خطیب بری امام راولپنڈی (۲۴) مولانا محمد بشیر صاحب ضلعی خطیب اوقاف گجرات (۲۵) مولانا حافظ غلام محی الدین سائل فاروقی (۲۶) مولانا زاہد صدیقی لاہور (۲۷) مولانا الشاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی (۲۸) قاری احمد حسین رہتکی (۲۹) مولانا سید حمید شاہ صاحب گجرات (۳۰) خطیب اہلسنت سید حامد علی شاہ گجرات (۳۱) پیر طریقت حاجی احمد شاہ صاحب (۳۲) مفتی وقارالدین صاحب چاٹگام مشرقی پاکستان (۳۳) مولانا حافظ سید علی صاحب (۳۴) صاحبزادہ سید ایوب علی شاہ چورہ شریف (۳۵) مولانا سید حامد علی جیدھڑ شریف (۳۶) مولانا سید ارشاد حسین

چورہ شریف سبور (۳۷) مولانا قاضی عبدالنبی کوکب لاہور (۳۸) مولانا سید محمد شاہ کڑیانوالہ ضلع گجرات، پاکستان (۳۹) مولانا سید فضل شاہ گجرات (۴۰) ماسٹر محمد عارف صاحب گجرات (۴۱) شیخ الحدیث علامہ غلام علی اکاڑوی (۴۲) چراغ اہلسنت مولانا حافظ محمد بشیر صاحب حافظ آباد (۴۳) مدرس اعظم مولانا محمد اسلم صاحب نعیمی مراڑیاں (۴۴) مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد حسین نعیمی جامعہ نعیمیہ لاہور

تحقیقات و تالیفات

۱۔ علم المیراث ۱۳۵۲ھ — علم فرائض اور قانون وراثت میں ہے یہ حضرت صاحب کی پہلی تصنیف ہے

۲۔ فتاویٰ نعیمیہ ۱۳۵۷ھ — آپ کے قلم سے صادر ہونے والے فتاوے اس کتاب میں پائے جاتے ہیں

۳۔ مسمّٰی باسم تاریخی محامد پیغمبری مقلب دیوان سالک ۱۳۵۷ھ — یہ حضرت کی نعتیہ کتاب ہے اس میں حمد، نعت ترانۂ وِلادت، منقبت وقصیدہ، رباعیات پر طبع آزمائی کی گئی ہے

۴۔ شان حبیب الرحمٰن بآیات القرآن ۱۳۶۱ھ — میں آیات قرآنیہ پر مختصر اور جامع بحث موجود ہے جن سے صراحۃً نعت رسول ﷺ ثابت ہوتی ہے۔

۵۔ جاء الحق وزھق الباطل المعروف فیصلۂ مسائل اول ۱۳۶۱ھ — مختلف فیہ عقائد و معمولات پر بحث کی گئی ہے باب اول میں مسلک اہلسنت کا قرآن وحدیث، اجماع وقیاس اور اقوال علماء سے اثبات

۶۔ تفسیر نعیمی مسمّٰی بہ اشرف التفاسیر گیارہ پارہ تک کی تفسیر ۱۳۶۳ھ — جلد اول پہلا پارہ صفحات ۷۵۸ پر مشتمل
جلد دوئم دوسرا پارہ صفحات ۶۵۰ پر مشتمل
جلد سوئم تیسرا پارہ صفحات ۷۰۳ پر مشتمل

جلد چہارم چوتھا پارہ صفحات ۶۴۶ پر مشتمل

جلد پنجم پانچواں پارہ صفحات ۵۸۷ پر مشتمل

جلد ششم چھٹا پارہ صفحات ۶۲۷ پر مشتمل

جلد ہفتم ساتواں پارہ صفحات ۸۴۴ پر مشتمل

جلد ہشتم آٹھواں پارہ صفحات ۷۴۳ پر مشتمل

جلد نہم نواں پارہ صفحات ۶۸۸ پر مشتمل

جلد دہم دسوں پارہ صفحات ۵۶۸ پر مشتمل

جلد یازگیارھویں پارہ صفحات ۵۶۸ پر مشتمل[1]

۷۔ اسلامی زندگی ۱۳۶۳ھ — شادی بیاہ، ختنہ، عقیقہ، مختلف تقریبات میں رائج رسوم کا تفصیلی ذکر بیان کر کے ان کی خرابیاں بتائی گئی ہیں

۸۔ ضمیمہ شان حبیب الرحمٰن ۱۳۶۵ھ — یہ شان اولیاء و شہداء میں لکھا گیا ہے یہ بھی درحقیقت شان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

۹۔ سلطنت مصطفےٰ ۱۳۶۷ھ — خدا کے ملک میں ساری کائنات پر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہنشاہی کا ثبوت اور نظام مصطفےٰ جاری ہے اس پر مدلل دلائل موجود ہیں

۱۰۔ اسرار الاحکام بانوار القرآن ۱۳۶۸ھ — مختلف اسلامی مسائل کی عقلی حکمتیں سوال و جواب کے انداز میں پیش کی گئی ہیں

۱۱۔ رحمت خدا بوسیلۂ اولیاء اللہ ۱۳۷۱ھ — اس میں استعانت، استمداد پر دلائل دیے گئے ہیں۔

---

[1] اس سے آگے پارہ ۱۹ اور ۲۰ تک تصنیف الحاج احمد خان کو سعادت حاصل ہوئی

۱۲۔ علم القرآن لترجمۃ الفرقان ۱۳۷۱ھ — قرآنی اصلاحات کا محققانہ بیان، قواعد ترجمہ اور مسائل قرآن کا ذکر موجود ہے۔

۱۳۔ سفرنامے حج وزیارت (اول)، (دوئم)، (سوئم) ۱۳۷۳ھ — جس میں مکۃ المکرمہ، مدینہ منورہ کربلائے معلیٰ، نجف شریف، بغداد شریف، دشت مجنوں اور بیت المقدس، فلسطین، مقبوضہ فلسطین، دیگر زیارت گاہ کے قلمبند کئے گئے ہیں۔

۱۴۔ رسالہ نور ۱۳۷۵ھ — حضور ﷺ کے نور ہونے کا ثبوت موجود ہے

۱۵۔ امیر معاویہ پر ایک نظر ۱۳۷۵ھ — حضرت امیر معاویہؓ کی عظمت شان کا اظہار اور ان پر کئے جانے والے اعتراضات کے جوبات موجود ہیں۔

۱۶۔ ایک اسلام ۱۳۷۵ھ — پہلا باب ضرورت حدیث کے ثبوت میں دوسرا باب اس پر سوال وجواب موجود ہیں

۱۷۔ جَآء الحق وَزَهَقَ الْبَاطِل (اول)، (دوئم) المعروف فیصلہ مسائل ۱۳۷۶ھ — ان مختلف مسائل پر بحث کی گئی ہے جو دیوبندی، غیر مقلد وہابی اور اہلسنت والجماعت کے مابین نزاعی ہیں۔

۱۸۔ نور العرفان فی حاشیۃ القرآن ۱۳۷۷ھ — یہ مصنف کی حواشی تفسیر ہے بے مثال، مختصر اور جامع ہے ۱۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۹۔ مراۃ المناجیح، اردو ترجمہ، شرح مشکوٰۃ المصابیح تاریخی نام ذوالمرآت ۱۳۷۸ھ — آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے ایک شاہکار شرح ہے احادیث مشکوٰۃ شریف کا لفظی ترجمہ، پھر ان کی آسان شرح، عقائد ومسائل کا دلکش بیان ہے۔

جلد اول ۴۹۵ صفحات پر مشتمل ہے
جلد دوم ۵۳۵ صفحات پر مشتمل ہے
جلد سوئم ۳۹۹ صفحات پر مشتمل ہے
جلد چہارم ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے
جلد پنجم ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے
جلد ششم ۶۸۸ صفحات پر مشتمل ہے
جلد ہفتم ۴۴۴ صفحات پر مشتمل ہے
جلد ہشتم ۱۰۰۴ صفحات پر مشتمل ہے
کل ۴۶۴۵ صفحات

۲۰۔ سفرنامے حج وزیارت ۱۳۸۳ھ	جس میں بیت المقدس، چہل ابدال کا پہاڑ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزار، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت وغیرہ کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ فلسطین اور مقبوضہ اسرائیلی علاقے
۲۱۔ اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں ۱۳۸۴ھ	الٰہ، رسول، نبی، ایمان سے متعلق بحث اور لوازماتِ نبوت کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔
۲۲۔ الکلام المقبول فی طہارۃ نسب الرسول	اہلبیت اطہار کی عظمت شان ثابت کی گئی ہے
۲۳۔ ضمیمہ جاء الحق وزھق الباطل	۱: قہر کبریا بر منکرِ عصمتِ انبیاء، تلافی
موضوع نام سے ظاہر ہے	۲: الادلۃ فی حکم الطلاق الثلاثۃ
	۳: لمعات المصابیح علیٰ رکعات التراویح
تقریری کتب مختلف آیات پر تفسیری تقریریں	۱: درس القرآن، ۲: نئی تقریریں، ۳: مواعظ نعیمیہ، ۴: اول، دوئم، سوئم

غیر مطبوعہ

حاشیہ صدرا	فلفسہ پر	بزبان عربی
حاشیہ حمداللہ	علم منطق پر	بزبان عربی
انشراح بخاری	قواعد نحویہ پر	
نعیم الباری شرح بخاری شریف (عربی)	تکمل شرح	
رسالہ تصوف	تصوف پر	

ان کے علاوہ متعدد نصابی کتب پر حواشی تا حال غیر مطبوعہ ہیں۔

حضرت مفتی احمد یار خان کی بہت ساری کتابیں تقسیم ہند کے وقت ہجرت کی وجہ سے ضائع ہوگئیں ور جو کچھ باقی ہیں بے احتیاطی کی وجہ سے قابل اشاعت نہیں رہیں کئی کتابیں کرم خوردہ ہیں۔

سفرِ حج وسیاحت

پہلا حج — حکیم الامت مفتی احمد یار خان پہلا حج ۱۹۲۰ء میں حکومت ترکیہ کے دور میں پانی کے جہاز اور اونٹوں کے ذریعہ کیا۔ باقی چھ حج سعودی حکومت کے زمانے میں

دوسرا حج — اپنی والدۂ ماجدہ کے ساتھ ۱۹۴۳ء میں کیا

تیسرا حج — ۱۷ اگست ۱۹۵۴ء ۷ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ یوم شنبہ کیا تیسرے حج کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ہم نے قران کی نیت کی ہے یہ قران نبی کریم ﷺ کی طرف سے ادا کیا۔ یہ حج وعمرہ حضور ﷺ کا ہے میں نے حج بدل کیا ہے"۔[1]

چوتھا حج اور پانچواں حج — بذریعہ ہوائی جہاز اور موٹر کار کے ذریعے ۱۹۵۶ء، ۱۹۵۷ء اور ایک سال کا عرصہ آپ مدینہ منورہ ہی میں رہے دوسرے سال پانچواں حج کر کے وطن تشریف لائے۔

چھٹا حج — اپنے والد بزرگوار مرحوم کے طرف سے ۱۹۶۰ء میں کیا بذریعہ بس قافلہ

ساتواں حج — اس آخری سفرِ حج کا تذکرہ حجاز، قبلتین، فلسطین اور مختلف ممالک کا احوالِ سفر مصنف نے قلمبند کیا ہے۔ یہ حج آپ نے ۱۳۸۳ھ ۱۹۶۴ء میں کیا۔ اس حج میں آپ کی دوسری بیوی ہمراہ تھیں۔

آپ نے حج کے علاوہ پچیس عمرے کئے لیکن علیحدہ سفر سے نہیں بلکہ انہی سفرِ حج کے زمانوں میں۔

۱۔ سفرنامۂ حج وزیارات، حصہ اول صفحہ ۷۴

وصال

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے اپنی ساری زندگی دین حق کے لئے وقف کر دی وہ تاحیات تبلیغ وتدریس، تعلیم واعلام میں مصروف رہے۔ آپ کی لوحِ حیات نہایت ہی تابناک اور قابلِ رشک رہی ہے۔

"آپ کے ہو کر جئیں ہم نام نامی پہ مریں ہم
جب قیامت میں اٹھیں ہم عرض اس طرح کریں ہم
عرض ہے سالک کی آقا جانکنی کا ہو یہ نقشہ
سامنے ہو پاک روضہ اور لبوں پر ہو یہ کلمہ"[1]

وہ آخری ایامِ زندگی میں بیمار ہو کر لاہور ہسپتال میں داخل ہوئے۔ ۳ رمضان المبارک بروز اتوار بعد نماز ظہر ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو گجرات پاکستان میں داعیٔ اجل کو لبیک کیا اور موت کی آغوش میں سو گئے۔ جہاں انہوں نے برسہا برس درس قرآن وحدیث دیا اسی کمرہ میں ان کی آرام گاہ بنی جو مرجع خلائق ہے۔

حضرت مفتی احمد یار خان کی مفارقت سے تمام اسلامی ممالک میں غم کی لہر دوڑ گئی بلکہ عالم اسلام کی عظیم ہستی کی رحلت سے خلا پیدا ہو گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جو ذہن عطا کیا تھا۔ جو قوتِ تفہیم عطا فرمائی تھی جو فراست روحانی ہی تھی، ربِ قدیر نے ان کو بے مثال کمالات وفضائل اور علمی اور عملی اوصاف سے نوازا تھا۔ آپ نے ان کے استعمال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ کی زبان وبیان برگ گل کی طرح نرم اور خون جگر کی طرح گرم ہوتی تھی۔

مت، سہل انہیں سمجھو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

---

[1] "دیوان سالک" سلام صفحہ نمبر ۲۷

حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کو جن فنون میں دسترس حاصل تھی۔ان میں انہوں نے قیمتی یادگاریں چھوڑی ہیں، ان کے تحریری سرمائے کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے قرآن کی تفسیر اور حدیث کی شرح کو وسعت دی اور سنوارا۔ عصری اختلافات کو سمجھا اور دور کیا۔ اس سلسلے میں نئے نئے نکات رموز و اسرار ڈھونڈ نکالے۔ موضوع کے اعتبار سے ان کی تصنیفات و تالیفات بڑی وقعت کی حامل ہیں۔ وہ کون سا اختلاف ہے جس کا انہوں نے دلائل کے ساتھ جواب نہیں دیا! یہ حضرت صاحب کے علم وفن کی دین ہے کہ جس کی وجہ سے عصرِ حاضر میں بیشتر متنازع فیہ مسائل کا حل بخوبی ہو گیا۔ وہ کون ہے جو ان کی تحریری سرمایہ سے مستفیض نہیں ہوا اور ان کی شان محدثانہ جھلک نہیں رہی ہے قرآن حکیم کی اردو تقاسیر اور شرح حدیث میں جو خامیاں پائی جاتی تھیں ان کو علم کی روشنی میں پرکھا اور اپنی قلمی قوت علمی لیاقت اور خداداد صلاحیت سے دور کرنیکی کوشش کی اور کامیابی کی منزل تک پہنچے عام طور پر ان کا اسلوب بیان سادہ سلیس اور عام فہم ہے نہ زبان میں الجھن ہے اور نہ بیان میں ناہمواری ہے۔ان کی تحریروں میں تحقیق و تنقیدی شعور اور ربط و تسلسل پایا جاتا ہے۔ان کی افضلیت مفسر کی حیثیت سے بھی ہے، شارح حدیث کی حیثیت سے بھی۔ مفتی، مورخ، محدث، مفسر، مفکر، مدبر، مدرس، مقرر ونعت گو شاعر کی حیثیت سے بھی ہے۔صدر الافاضل سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی جیسے صاحب کمال نے ان کے جوہر کا اندازہ پہلی نظر میں لگا لیا تھا اور انہیں مختلف علوم سے سرفراز کیا اور انہی کے ایماء پر حضرت صاحب نے مختلف مقامات پر ملازمت کی۔ اگر ان میں تجسس اور تحقیقی جذبہ نہ ہوتا تو ایسی گراں قدر تصانیف کہاں سے وجود میں آتیں۔تمام اہل علم حضرات ان کے فضل وکمال کے قائل ہیں۔ان کی تفسیر وشرح حدیث میں علمی بانکپن کے ساتھ عشق رسول کا غلبہ بھی پایا جاتا ہے۔ان کی تحریر عالمانہ طمطراق کی وجہ سے وجدانی

کیفیت پیدا کرتی ہے ان کی تحقیقی وسعتوں کا اندازہ لگانا مشکل کام ہے وہ تحقیق کے میدان کے یکتا ہیں۔ انہوں نے جس طرف بھی رخ کیا قلم اٹھایا خواہ وہ کیسا ہی میدان کیوں نہ ہو تشنگان علم وادب کو سیراب کردیا انہوں نے حقائق بیان کرنے میں صداقت وصرافت سے بھی کام لیا ہے۔ جس کی وجہ سے مہارت اور مجتہدانہ بصیرت نمایاں ہوگئی ہے۔ انہوں نے اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاکر میدان علم وفن میں عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

محمد فاروق رضا رضوی قادری مدرس الجامعۃ الاسلام گنج قدیم رامپور (یو پی)

حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''چودھویں صدی ہجری ختم ہوچکی ہے۔ اس صدی میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں نابغۂ روزگار ہستیاں عالمِ رنگ و بو میں اپنے علم وفضل، زہد وتقویٰ اور رشد و ہدایت کے نقوش ثبت فرما کر عالم جاودانی کو تشریف لے گئیں۔ ان حضرات میں حکیم الامت حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت بہت نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنے پیچھے تصانیف کا گراں قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ برصغیر ہندو پاک کے علماء نے ان کے جلالت، علم اور فضل وکمال کا سکہ تسلیم کیا۔''

آپ کی شرح ''مشکوٰۃ المصابیح مرأت المناجیح'' کے متعلق فاضل شہیر مولانا فاضل خان اختر شاہ جہاں پوری (مترجم بخاری شریف، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف) لکھتے ہیں:

> ''حضرت قبلہ مفتی احمد یار خانؒ بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ، پاکستان المتوفی ۱۳۹۱ھ نے ذوالمرأت کے نام سے مشکوٰۃ شریف کی جو روح

پرور اور ایمان افروز شرح لکھی وہ اپنی مثال آپ ہونے کے ساتھ ساتھ آٹھ جلدوں میں دستیاب ہے۔"[1]

محمد انوار عالم چاٹگام بنگلہ دیش لکھتے ہیں:

"بالخصوص حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصنیفات عظمتِ شان مصطفٰے اور حب رسول ﷺ سے بھر پور ہے۔"[2]

مفتی محمد مختار خان علی گڑھی حضرت مفتی احمد یار خان کی دینی خدمات یعنی فتاوے نویسی کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"آپ کی ذات سے فقط گجرات ہی کو نہیں بلکہ دنیائے اسلام کو برکتیں حاصل ہوئیں۔ اللہ تعالٰے نے آپ کے ذریعہ سے بڑے بڑے علمائے دین پیدا فرمائے جن سے زمانہ فیض پا رہا ہے۔ آپ کے دارالافتاء سے ہر سال بہت شرعی فتاوے جاری ہوتے ہیں۔ آپ کی تصنیفات سے بہت سے ممالک کے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔"[3]

مولانا محمد احمد الاعظمی حضرت مفتی صاحب کے کارناموں سے متعلق لکھتے ہیں:

"حضرت علامہ مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ برصغیر ہند و پاک کی ان مقتدر شخصیتوں میں سے ہیں جن کے دم سے علم و عمل کی بہار قائم ہے اور اپنے پیچھے جنہوں نے عظیم تصنیفی سرمایہ چھوڑا۔ ہمارے نزدیک

۱۔ مشکوٰۃ شریف (عربی اردو) جلد اول صفحہ ۸
۲۔ دیوان سالک صفحہ ۵
۳۔ درس القرآن صفحہ ۳

سے زیادہ قابل قدر ان کا وہ خلوص عمل اور جذبۂ دل ہے جس نے دین کی خاطر انہیں زندگی بھر متحرک وفعال رکھا۔"[1]

حافظ محمد عارف فارسی ٹیچر پبلک ہائی اسکول گجرات (پاکستان) حضرت حکیم الامت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کیا ہی مبارک تھی وہ گھڑی جب مولانا الحاج حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی بدایونی گجرات میں رونق افروز ہوئے۔ جناب نے صوبۂ پنجاب میں تشریف لاکر زبان وقلم کے ذریعہ گجرات ہی نہیں بلکہ سارے پنجاب میں روشنی پھیلادی۔ آپ کے فیض قلم سے پنجاب ہی نہیں بلکہ دیگر صوبے بھی مستفیض ہوئے"۔[2]

حافظ ظہیر الدین قادری مدیر اعلیٰ ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ کانپور لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مفتی صاحب کا یہ علمی کارنامہ رہتی دنیا تک تاریخ کے زرین صفحات پر نقش جاوداں کی صورت میں ہمیشہ زندہ وتابندہ رہے گا۔"[3]

۱۔ دیوان سالک صفحہ ۷

۲۔ مواعظ نعیمیہ حصہ اول صفحہ ۲

۳۔ مشکوٰۃ المصابیح مرأت المناجیح جلد اول صفحہ ۲۰

باب دوم

حکیم الامت بدیوانی مفتی احمد یار خان بحیثیت مفسر

تفسیر نعیمی	تاریخی نام	اشرف التفاسیر

قرآن بظاہر ایک کتاب ہے حقیقت میں یہ علم و فنون کا گنجینہ ہے ان ہی علوم قرآنی سے ایک علم ناسخ و منسوخ بھی ہے۔ قرآن میں آیا ہے:

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ

زمین و آسمان کی ہر غائب شی اس روشن کتاب میں

آیات قرآنیہ تین طرح کی ہیں بعض وہ جن کا مطلب عقل و فہم سے بالاتر ہے انہیں متشابہت کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کے معنی ہی سمجھ میں نہیں آتے جیسے الٓمٓ، حٰمٓ، الٓر وغیرہ انہیں مقطعات کہا جاتا ہے۔ بعض وہ آیات ہیں جن کے معنی تو سمجھ میں آتے ہیں مگر یہ سمجھنا محال کہ ان کی حقیقی مطلب کیا ہے۔

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط

تم جدھر منہ کرو ادھر اللہ کا وجہ (منہ) ہے

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ط

اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ط

پھر رب نے عرش پر استوٰی فرمایا

وَجْهَ کے معنی چہرہ۔ یَد کے معنی ساتھ۔ اِستویٰ کے معنی برابر ہوتا ہے مگر یہ چیزیں رب کی شان کے لائق نہیں لہٰذا متشابہات میں سے ہیں۔ اس قسم کی آیتوں پر ایمان لانا ضروری۔ مطلب بیان کرنا درست نہیں۔ [1]

بعض آیات وہ ہیں جو اس درجہ کی مخفی نہیں۔ انہیں قرآنی اصطلاح میں محکمات کہتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

هُوَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ

رب وہ ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری اس کی کچھ آیات محکم واضح وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں۔ گمراہی کا فتنہ چاہنے اور اس کے ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔

ان محکمات میں بعض آیات وہ ہیں جن کے معنی بالکل صاف وصریح ہیں۔ جن کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اے فرمادو وہ اللہ ایک ہے۔ انہیں نصوص قطعیہ کہا جاتا ہے اور بعض آیات وہ ہیں۔ جن میں نہ تو متشابہات کی سی پوشیدگی ہے کہ ذہن کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکے نہ نصوص قطعیہ کی طرح ظہور ہے کہ تامل کرنا ہی نہ پڑے۔ اس قسم کی آیتوں میں تفسیر کی ضرورت ہے بغیر تفسیر کے صرف ترجمہ کبھی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ [2]

۱۔ مقدمہ "علم القرآن" صفحہ نمبر ۵ مصنف حکیم الامت مفتی احمد یار خان

۲۔ مقدمہ "علم القرآن" حکیم الامت مفتی احمد یار خان

قرآن حکیم اسرار الٰہی ہے

قرآن حکیم کی ہر آیت کا ظاہری معنٰی بھی ہے اور باطنی بھی۔ ظاہری معنٰی اس کا لفظی ترجمہ ہے۔ باطنی اس کا منشاء، ظاہری شریعت ہے، باطنی طریقت، ظاہری احکام ہیں، باطنی اسرار ہیں۔ ظاہر وہ ہے جس سے علماء واقف ہیں، باطن وہ جس سے صوفیائے کرام خبردار ہیں۔ ظاہر وہ ہے جو نقل سے معلوم ہو، باطن وہ ہے جو کشف سے معلوم۔ جیسے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوْا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ ط

اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اپنے قریبی کافروں پر لوہے کی تلوار وغیرہ سے جہاد کرو۔ باطنی یہ ہے کہ قریبی کافر اپنے نفس امارہ پر مجاہدے کی تلوار اور عبادت سے جہاد کرو۔

قرآن کے ظاہر و باطن معلوم کرنے کے علیحدہ مقامات ہیں۔
اس کا ظاہر علماء سے اور باطن مشائخ سے معلوم ہوتا ہے، ظاہر قال
سے باطن حال ہے، ظاہر نحو سے باطن فنا اور محو سے، ظاہر کتابوں
سے باطن اہل نظر کی نظر سے۔

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر علم و حکمت از کتب دیں از نظر[1]

قرآن حکیم اسرار الٰہی ہے

لفظ تفسیر، فسر سے مشتق ہے جس کا معنٰی ہے کھولنا۔ تفسیر سے مراد یہ ہے کہ کلام کرنے والے کا مقصد اس طرح واضح ہو جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

ا۔ ''مراۃ شرح مشکوۃ'' صفحہ ۲۱۰، جلد اول

اصطلاح میں تفسیر سے مراد قرآن پاک کے وہ احوال بیان کرنا جس میں عقل کو دخل نہ ہو بلکہ نقل کی ضرورت ہو۔ تفسیر بالرائے حرام ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

”قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِرَأْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ“[1]

(رواہ الترمذی)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانہ آگ سے بنائے اور ایک روایت میں ہے کہ جو قرآن میں بغیر علم کے کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانہ آگ سے بنائے۔

جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے اور اگر صحیح بھی کہے تب بھی وہ خطا کار ہے تفسیرِ قرآن کے مختلف مراتب ہیں۔

۱: تفسیر قرآن بالقرآن، ۲: تفسیر قرآن بالحدیث، ۳: تفسیر قرآن صحابہ کرام خصوصاً فقہاءِ صحابہ اور خلفاء راشدین کے قول سے، ۴: تفسیر قرآن تابعین یا تبع تابعین کے قول سے۔

علمِ تفسیر عطاءِ الٰہی ہے اس کے لئے لازم ہے کہ ایک مفسر ایسا عالِم ہو جو راسخ فی العلوم ہو، نیز قلب صالح رکھتا ہو۔

چنانچہ حدیث میں آیا ہے:

”کہ قلب مصنف جب صلاحیت پر ہوتا ہے تو تمام جسم صالح ہو جاتا ہے اور اس کے فساد سے تمام جسم فاسد ہوتا ہے اور قلب کی اعلیٰ اصلاح یہ ہے کہ اس میں اعتقاد راسخ موافق سنت و اجماع سلف ہو کہ یہی

۱۔ ”مرآۃ کتاب العلم“ الفصل الثانی جلد اول صفحہ ۲۰۷ تا ۲۰۸

نورِ ربانی ہے اور اس سے بندہ عالم ربانی ہوتا ہے"[1]

تفسیر خدائے پاک پر گواہی دینا ہے اور اس کا یقین کرنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کلمہ کے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ اسی لئے فقہا نے فیصلہ کر دیا کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

قرآن حکیم کی تفسیر وہی کر سکتا ہے جو کہ قرآن کے مقصد کو پہچان سکے، ناسخ و منسوخ کی پوری خبر رکھتا ہو۔ آیاتِ قرآنیہ اور احادیث مصطفےٰ ﷺ میں مطابقت کرنے پر قادر ہو یعنی جن آیتوں کا آپس میں مقابلہ معلوم ہوتا ہو یا جو آیات حدیث کے خلاف معلوم ہوتی ہیں ان کی توجیہ کر سکے کہ دونوں میں مطابقت پیدا ہو جائے۔ جسے آیتوں کے شان نزول کا علم ہو، آیتوں کی توجیہ کر سکے یعنی جو آیات عقل کی رو سے محال معلوم ہوتی ہوں ان کو حل کر سکے۔ مثلاً قرآن پاک میں آیا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لوگوں نے کہا۔ یَـا اُخْتَ هَارُوْن ۔ حالانکہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور حضرت مریم ان کی بہن کیسے ہو سکتی ہیں۔ ایسی آیات کی موزوں اور مناسب توجیہیں کر سکے۔

آیات میں محذوفات نکالنے پر قدرت رکھتا ہو۔ عرب کے محاورے سے پورے طور پر واقف ہو کیونکہ قرآن میں کئی جگہ عرب کے خاص محاورے استعمال ہوئے ہیں۔ محکم اور آیات متشابہات کو پہچانتا ہو۔ قراتوں کے اختلافات سے واقف ہو۔ مکی اور مدنی آیتوں کو جانتا ہو۔

ایک مفسر کے لئے مندرجہ بالا اصولوں کے علاوہ پندرہ علوم پر عبور کی ضرورت ہے۔ مفسرین تفسیر کے مقدمے میں لکھتے ہیں۔

"واضح ہو کہ قرآن کی تفسیر کے واسطے پندرہ علوم کی ضرورت اور بغیر

[1] "مقدمہ مواہب الرحمٰن" صفحہ ۱۸

علم ودلیل کے تفسیر کرنا، حرام بلکہ قریب کفر ہے۔"

ان پندرہ علوم میں سے بارہ علوم ناسخ ومنسوخ سے متعلق ہیں۔

اردو میں تفسیر "موضح القرآن" سے لے کر عہد حاضر تک بہت تفاسیر لکھی گئیں ہیں۔ کسی کی تحریر میں فصاحت وبلاغت ہے کسی نے مسائل کو موضوع بنایا۔ کسی نے شان نزول پر پوری توجہ صرف کردی۔ کسی کی توجہ صرف صَرف ونحو پر رہی۔ جن مفسرین نے تمام پہلوؤں اور ناسخ ومنسوخ آیات متشابہات، محذوفات پر نہایت عبور کے ساتھ قلم اٹھایا ان میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے۔

آپ کی تفسیر "تفسیر نعیمی" اردو تفسیر کے ذخیرے میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اس تفسیر کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس میں کوئی گوشہ تشنہ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ حضرت قبلہ صاحب کو علوم عقلیہ، نقلیہ وفروعیہ پر عبور حاصل تھا آپ کی تفسیر عالمانہ بھی ہے عاشقانہ بھی عارفانہ بھی ہے صوفیانہ بھی۔ آپ نے نہایت کمال فن کے ساتھ آیات کی شان نزول، سورہ مبارکہ کے مختلف نام، ناسخ ومنسوخ آیات سے آیات کا ربط وتعلق، آیات کی تعداد اور رموز اسرار کی توضیح فرمائی نیز معترضین کے اعتراضات کے مسکت جوابات بھی دیئے ہیں۔

حضرت صاحب کو مفسر کی ذمہ داریوں کا بھرپور احساس تھا۔ وہ لکھتے ہیں، مفسرین کا کام آیات قرآنی سے متعلق تمام تفسیری، تاویلی تحریفی، تعبیری فرق کو مدِ نظر رکھنا ہے اور تفسیر میں تمام آیٰت میں اقوال نقل کردینا[1]۔ یہ تمام پہلو خود آپ کی تفسیر میں ملیں گے۔

حضرت مفتی احمد یار خان ایک ممتاز مفسر ہیں انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ فنِ تفسیر میں صرف کردیا۔ انہوں نے دیگر تفاسیر میں جو اغلاط پائے ہیں ان کی نشاندہی ہی نہیں بلکہ قوی دلائل سے ان کی تردید بھی کی ہے۔ آپ نے اصول تفسیر سے کہیں سر مو انحراف نہیں کیا۔

۱۔ "تفسیر نعیمی" پارہ پندرہ صفحہ ۳

پ نے اپنی تفسیر میں مختلف جہتوں سے مختلف زاویوں سے ایسے ایسے نکات بیان کئے ہیں
ہ آپ کی حیرت انگیز معلومات کا پتا چلتا ہے۔

حمد کی تفسیر فرماتے ہوئے آپ نے اسم حمد کی وضاحت کرتے ہوئے نبوت
ر رسالت حقہ کے دلائل پیش کئے کہ اگر الف۔ لام استغراقی ہو تو اس سے کیا مفہوم مراد لیا
سکتا ہے۔ الف لام عہدی ہو تو کیا معنٰی ہوں گے۔ وہ لکھتے ہیں۔

الف لام عہدی ہو تب اس کے معنٰی ہوں گے کہ وہ خاص حمد اللہ
کی ہے یعنی رب تعالیٰ ہر حمد قبول نہیں فرماتا بلکہ خاص حمد اس کے
یہاں مقبول ہوتی ہے۔ وہ وہ حمد ہے جو اس کے محبوب ﷺ نے
اپنے رب کی کی یا ان کے بتانے سے کوئی اور کرے اس لئے آپ کا
اسم شریف "احمد" یعنی رب کی بہت حمد کرنے والے اور رب کا
نام ہے "محمود" یعنی اپنے پیارے محبوب کا حمد کیا ہوا۔" [1]

س مقام پر شیخ التفسیر والحدیث حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے لفظ 'الحمد' سے توضیح فرما
ر محمد رسول اللہ کی مقبولیت پر استدلال پیش کیا ہے۔ جو محمد رسول اللہ کی رسالت پر
بردست دلیل ہے۔

"حمد مقبول وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے"

سی حمد سے متعلق اور ایک معنٰی ثابت کرتے ہوئے مفسر نے عظمت رسالت کو آشکار کیا ہے
لکہ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کے مفہوم کو "الحمد" میں ثابت کیا ہے۔ آگے چل کر لکھتے
یں۔

"محبوب ﷺ کی کامل حمد وہی ہے جو رب نے کی۔ اسی لئے رب کا
نام ہے "حامد" اور حضور ﷺ کا نام ہے "محمد" یعنی رب

[1] "اشرف التفاسیر" جلد اول صفحہ ۵۴

تعریف فرمانے والا۔ کس کی؟ اپنے محبوب ﷺ کی۔"[1]

اسی "الحمد" سے متعلق توضیح فرماتے ہوئے شیخ التفسیر والحدیث اس طرح تفسیر لکھتے ہیں۔

"پہلی تمام توجیہوں کی بنا پر اس آیت میں اللہ محمود ہے اور ساری مخلوق یا نبی ﷺ اس کے حامد۔ اس آخری توجیہ کی رو سے حضور ﷺ محمود ہیں اور اللہ حامد۔ تو یہ آیت جس طرح حمد خدا ہے اسی طرح نعت مصطفٰے ﷺ بھی ہے۔"[2]

"الحمد للہ" کی تفسیر صوفیانہ میں شیخ التفسیر والحدیث نے محمد رسول اللہ کی رسالت پر زبردست استدلال کرتے ہوئے مسئلہ وحدت الوجود کا حل بھی پیش کیا۔

"صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ صرف حق تعالیٰ موجود ہے۔ دنیا کی باقی سب چیزیں اس کا سایہ اور اعتبار ہیں .... حقیقت محمدیہ اس کا اعتبار اول باقی سارا عالم اس کے اعتبارات .... اسی طرح حقیقی نور حق تعالیٰ (اَللہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) حقیقت محمدیہ پہلا مخلوقی نور لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ سے حضور ﷺ کے ذرے ذرے میں موجود ہونے کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اسی مسئلہ کو صوفیائے کرام، مسئلہ موجود وحدت الوجود کہتے ہیں۔"

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر میں۔ شیخ التفسیر والحدیث حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے ھدایت کے اقسام بیان فرما کر نبی و رسول کے اثبات میں استدلال

ا۔ "اشرف التفاسیر" صفحہ ۵۴

مب ۲۔ "اشرف التفاسیر" صفحہ ۵۵

کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی و رسول خدا کے خاص فرستادہ ہیں اور مخصوص ہدایت کے لئے ان کی بعثت ہوتی ہے۔ نیز مفسر نے ان مفسرین پر کاری ضرب بھی لگائی جو لوگ نبی کو محض ڈاکیہ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

”ہدایت الہامی جو بغیر کسی کے بتائے خود بخود حاصل ہو جائے .... دوسری ہدایت احساسی جو کہ حواس درست ہونے کے بعد حاصل ہو .... تیسری ہدایت عقلی جو عقل کی مدد سے حاصل ہو .... چوتھی ہدایت الٰہیہ جو کہ پیغمبروں کی مدد اور حق تعالیٰ کے خاص کرم سے حاصل ہو یعنی جن چیزوں کو ہم عقل اور دلائل سے معلوم نہیں کر سکتے اس کی رہبری کے لئے حق تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھیجا۔“[1]

حضرت قبلہ صاحب کی تفسیر کا جائزہ لینے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے متعلق دیگر مفسرین کے تفسیری بیانات پیش کیے جائیں۔ چنانچہ شبیر احمد عثمانی۔

”اس کے خالص کرنے کی اول وجہ تو یہی ہے کہ اس دن بڑے بڑے امور پیش آئیں گے ایسا خوف ناک روز نہ پہلے ہوا نہ آگے کو ہو دوسرے اس روز بجز ذات پاک حق تعالیٰ کے کسی کو ملک وحکومت ظاہری بھی تو نصیب نہ ہوگی۔ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“[2]

اور تفسیر قادری میں:

خداوند روز جزا و شمار کا یعنی روز قیامت کا یا تصرف کرنے والا اس دن

۱۔ ”اشرف التفاسیر“ جلد اول صفحہ ۸۷ تا ۸۸

۲۔ ”تفاسیر شبیر احمد عثمانی“ صفحہ ۲

جو کچھ چاہے یا بندوں کے اعمال کا حافظ تا کہ نامۂ اعمال دینے لینے میں غلطی نہ ہو یا روز حساب کا قاضی کی بندوں کے درمیان حق حق حکم کرے یا روز جزا میں جزا دینے والا۔"[1]

تفہیم القران میں ہے۔روز جزا کا مالک:

"یعنی اس دن کا مالک جب کہ تمام اگلی پچھلی نسلوں کو جمع کر کے ان کے کارنامۂ زندگی کا حساب لیا جائیگا اور ہر انسان کو اس کے عمل کا پورا صلہ یا بدلہ مل جائے گا۔"[2]

تفسیر ماجدی میں ہے۔مالک روز جزا کا:

"قرآن مجید کے ایک لفظ مالک میں ان سب باطل عقائد کی تردید آ گئی یَـوْمِ الـدِّیْـن، دین کے لفظی معنٰی جزا یا بدلہ کے ہیں۔الدین الجزاء (کبیر) اللہ تعالٰی مالک تو آج بھی ہے روز جزا کے ساتھ تخصیص کا مطلب یہ ہے کہ اس روز اس کی صفت مالکیت کا مشاہدہ وتحقیق بڑے سے بڑے منکر کو ہو کر رہے گا۔"[3]

تفہیم القرآن میں ہے۔

مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝

روز جزا کا مالک۔ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

"یعنی اس دن کا مالک جب کہ تمام اگلی پچھلی نسلوں کو جمع کر کے ان کے کارنامۂ زندگی کا حساب لیا جائیگا اور ہر انسان کو اس کے عمل کا پورا

۱۔ "تفسیر قادری" صفحہ ۳
۲۔ "تفہیم القرآن" صفحہ ج
۳۔ "تفسیر ماجدی" صفحہ ۴

صلہ مل جائے گا۔ اللہ کی تعریف میں رحمان اور رحیم کہنے کے بعد
مالک روز جزا کہنے سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہ نرا مہربان ہی نہیں ہے
بلکہ منصف بھی ہے۔"[1]

تفہیم القرآن میں ہے:

"عبادت کا لفظ بھی عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے
(۱) پوجا اور پرستش، (۲) طاعت اور فرمانبرداری، (۳) بندگی اور
غلامی اس مقام پر تینوں معنی بیک وقت مراد ہیں۔ یعنی ہم تیرے
پرستار بھی ہیں، مطیع فرمان بھی اور بندہ وغلام بھی۔"[2]

"یعنی تیرے ساتھ ہمارا تعلق محض عبادت ہی کا نہیں ہے بلکہ
استعانت کا تعلق بھی ہم تیرے ہی ساتھ رکھتے ہیں۔"

"ابوالکلام آزاد" کی تشریح:

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ

"ربوبیت کے بعد جس صفت کا ذکر کیا گیا ہے وہ عدالت ہے اور
اس کے لئے یَوْمِ الدِّیْنِ کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔"

اس سلسلے میں کئی باتیں قابل غور ہیں: اولاً قرآن نے نہ صرف اس
موقع پر بلکہ عام طور پر جزا کے لیے "الدِّین" کا لفظ اختیار کیا اور اسی
لیے وہ قیامت کو بھی عموماً "یَوْمِ الدِّیْنِ" سے تعبیر کرتا ہے یہ تعبیر
اس لیے اختیار کی گئی کہ جزا کے بارے میں جو اعتقاد پیدا کرنا چاہتا
تھا۔ اس کے لیے یہی تعبیر سب سے زیادہ موزوں اور واقعی تعبیر تھی۔

۱۔ "تفہیم القرآن" جلد اول صفحہ ج؛ ۲۔ "تفہیم القرآن" جلد اول صفحہ د/ج

وہ جزا کو اعمال کا قدرتی نتیجہ اور مکافات قرار دیتا ہے۔" [۱]

اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ

مالک روز جزا کا

"جو مالک ہیں روز جزا کے (مراد قیامت کا دن ہے جس میں ہر شخص اپنے عمل کا بدلہ پاوے گا)۔" [۲]

تفسیر مظہری میں ہے:

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ

مالک انصاف کے دن کا [۳]

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ

جو مالک ہیں روز جزا کا

"قیامت کے دن کے ساتھ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس دن تو کوئی ملکیت کا دعویدار بھی نہ ہوگا۔ یَوْمِ الدِّیْنِ سے مراد مخلوق کے حساب کا یعنی قیامت کا دن ہے جس دن تمام بھلے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔" [۴]

صدر الافاضل سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ کے متعلق رقم

۱۔ "ترجمان القرآن" جلد اول صفحہ ۱۱۴
۲۔ "اشرفی معارف القرآن" صفحہ ۶۸
۳۔ "تفسیر مظہری" صفحہ ۵
۴۔ "تفسیری ابن کثیر" (اردو جزا) صفحہ ۳۳ تا ۳۴

طراز ہیں۔

ترجمہ: روز جزا کا مالک

”مِلک کے ظہورِ تام کا بیان اور یہ دلیل ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں اور مملوک مستحق عبادت نہیں ہوسکتا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ دنیا دار العمل ہے اور اس کے لئے ایک آخر ہے جہان کے سلسلے کو ازلی وقدیم کہنا باطل ہے اختتام دنیا کے بعد ایک جزا کا دن ہے۔ اس سے تناسخ باطل ہوگیا۔“

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے ”تفسیر نعیمی“ میں مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ سے متعلق اس طرح تفسیر فرمائی۔

ترجمہ: روز جزا کا مالک

”اس سے پہلے اللہ کی ربوبیت اور رحمت کا ذکر ہوا۔ جس سے سننے والے کے قلب میں امید کا دریا موجیں مارنے لگا۔ اب ضرورت تھی کہ اس کے دل میں رب کا خوف پیدا کیا جائے کیونکہ ایمان امید اور خوف کے درمیان ہے لہٰذا اس آیت میں رب تعالیٰ کی ملکیت غلبے وغیرہ کا ذکر فرمایا حق تعالیٰ قیامت کے سارے وقت کا مالک ہے یا قیامت میں جو واقعات ہوں گے ان سب کا مالک ہے خود ارشاد فرمائے گا۔ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ آج کس کا ملک ہے؟ اس وقت کوئی سوال کا جواب دینے والا نہ ہوگا تو خود جواب میں ارشاد فرمائے گا۔ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

یَوْمِ الدِّیْنِ۔ بدلے کا دن۔ یوم عربی میں دن کو کہتے ہیں اور دن

ہوتا ہے آفتاب کی حرکت سے اور قیامت کے دن آفتاب کی حرکت نہ ہوگی اس لئے یوم سے مراد وقت یا زمانہ ہے۔

اس کو دین کا دن یا تو اس لئے کہتے ہیں کہ اس دن تمام دینوں یعنی ملتوں کے فیصلے کئے جائیں گے۔ دنیا میں دیندار اور بے دین یکساں چل رہے ہیں ہر دین والا دین اس لئے اختیار کرتا ہے کہ اس دن نجات مل جائے۔ یا (دین) س لئے کہتے ہیں کہ اس دن کوئی دنیاوی کام نہ ہوگا۔"[1]

حکیم الامت مفتی یار خان حواشی تفسیر میں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ترجمہ: روز جزا کا مالک

"اس سے معلوم ہوا کہ اگر چہ ہر چیز کا خالق و مالک رب تعالیٰ ہے مگر اسے اعلیٰ مخلوق کی طرف نسبت کرنا چاہیے لہٰذا یہ نہ کہا جاوے ابو جہل کے رب بلکہ محمد رسول اللہ کے رب۔"[2]

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے متعلق مختلف مفسرین کی تفسیروں کے غائرانہ مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت صاحب نے اپنی تفسیر میں بڑے ہی لطیف نکات بیان فرما کر افہام و تفہیم کا حق ادا کر دیا۔ اس تفسیر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ایجاز کا اعجاز ہے فصاحت کا جمال ہے۔ نیز یہ تفسیر معرفت کا گنجینۂ بے بہا ہے۔

شبیر احمد عثمانی دیوبندی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں خدا کے مقبول

۱۔ "اشرف التفاسیر" جلد اول صفحہ ۵۷

۲۔ "نور العرفان" صفحہ ۲

بندوں کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری طلب کرنا جائز ہے۔

تفسیر اس طرح فرماتے ہیں۔

ترجمہ: تیری ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

"اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔

ہاں اگر مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔" [1]

اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

ترجمہ: تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

"بعض سلف صالحین نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کا راز (خلاصہ) ہے اور آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پوری سورۂ فاتحہ کا راز (خلاصہ) ہے کیونکہ اس کے پہلے جملے میں شرکت سے بری ہونے کا اعلان ہے اور دوسرے جملے میں انسانی فانی قوت وقدرت سے بری ہونے کا انکار ہے کہ بندہ عاجز بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے کچھ نہیں کرسکتا۔" [2]

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر، مودودی صاحب اس طرح کرتے ہیں۔

ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

"عبادت کا لفظ بھی عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے

۱۔ "شبیر احمد عثمانی" دیوبندی صفحہ ۲

۲۔ "اشرفی معارف القرآن" صفحہ ۸۸

(۱) پوجا اور پرستش (۲) اطاعت اور فرمانبرداری (۳) بندگی اور غلامی۔ اس مقام پر تینوں معنی بیک وقت مراد ہیں.............

یعنی تیرے ساتھ ہمارا تعلق محض عبادت ہی کا نہیں ہے بلکہ استعانت کا تعلق بھی ہم تیرے ہی ساتھ رکھتے ہیں[1]

تفسیر قادری کے مفسر اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں۔

''اِیّـاکَ نَعْبُدُ تجھی کو عبادت کرتے ہیں۔ ہم بس اس واسطے کہ تیرا غیر عبادت کا مستحق نہیں۔

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور خاص تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم تیری عبادت میں اور سب حاجتیں اور ضرورتیں برآنے میں۔''[2]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں۔

ترجمہ: اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

معنی یہ ہیں کہ اے خدا جو صفات مذکورہ کے ساتھ متصف ہے ہم خاص کر تیری بندگی کرتے اور تجھی سے توفیق اطاعت کے خواستگار ہیں بلکہ اپنے سارے چھوٹے بڑے کاموں میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔[3]

''تفسیر ابن کثیر'' ترجمہ، اشرف علی صاحب تھانوی میں اِیّـاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر اس طرح ہے۔

۱۔ ''تفہیم القرآن'' صفحہ ۱/ج؛ ۲۔ ''تفسیری قادری'' صفحہ ۲

۳۔ ''تفسیر مظہری'' صفحہ ۱۲

ترجمہ: ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں۔

"بعض سلف کا فرمان ہے کہ سارے قرآن کا راز سورۂ فاتحہ میں ہے اور پوری سورت کا راز اس آیت میں ہے۔ آیت کے پہلے حصے میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور دوسرے جملے میں اپنی طاقتوں اور قوتوں کا انکار ہے اور اللہ عزوجل کی طرف اپنے تمام کاموں کی سپردگی ہے۔"[1]

عبدالحق حقانی دہلوی اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے (ہر کام میں) مدد مانگتے ہیں۔

"بندہ جب کہ اس کی حمد ان اوصاف کے ساتھ کر چکا جن کی تجلی نے خدا تعالیٰ کی ہستی اور صفات کمالیہ کا وہ نقشہ اس کے دل پر جمایا کہ اس کے سوا پھر نظروں میں نہ سمایا تو اس شوق غائبانہ نے اس کو بارگاہ حضور تک پہنچایا۔ پس جیسا کہ وہ ابتداء میں خدائے تعالیٰ کو بن دیکھے اس کے صفات مخصوصہ سے یاد کر کے دلشاد کرتا تھا۔ اسی طرح اب اس کے روبرو ہو کر یہ کہنے لگا کہ اے میرے معبود میں تجھ پر سے قربان تیرے سوا کون ہے۔ میں تیری عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے کام میں مدد مانگتا ہوں۔"[2]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ سے متعلق تفسیر فرماتے ہیں۔

۱۔ "تفسیر ابن کثیر اردو" صفحہ ۳۵ ج اول

۲۔ "تفسیر حقانی" جلد دوم صفحہ ۲۷ تا ۲۸

ترجمہ: ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔

''نَعْبُدُ کے جمع فرمانے سے معلوم ہوا کہ نماز جماعت سے پڑھنی چاہئے اگر ایک کی قبول ہو سب کی قبول ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقتاً مدد اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جیسے حقیقتاً حمد رب کی ہے خواہ واسطہ سے ہو یا بلا واسطہ۔ عبادت صرف اللہ کی ہے۔ مدد لینا حقیقتاً اللہ سے ہے مجازاً اس کے بندوں سے۔ اس فرق کی وجہ سے ان دو چیزوں کو علیحدہ جملوں میں ارشاد فرمایا۔ عبادت اور مدد لینے میں فرق یہ ہے کہ مدد تو مجازی طور پر غیر خدا سے بھی حاصل کی جاتی ہے۔ رب فرماتا ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اور فرماتا ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى لیکن عبادت غیر خدا کی، کی ہی نہیں جا سکتی نہ حقیقتاً نہ مجازاً کیونکہ عبادت کے معنی ہیں کسی کو خالق یا خالق کے مثل مان کر اس کی بندگی یا اطاعت کرنا یہ غیر خدا کے لئے شرک ہے۔ اگر عبادت کی طرح دوسرے سے استعانت بھی شرک ہوتی۔ تو یہاں یوں ارشاد ہوتا۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَنَسْتَعِيْنُ اللہ کے نیک بندے بعد وفات مدد فرماتے ہیں۔ معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام نے پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں۔ اب بھی حضور کے نام کی برکت سے کافر کلمہ پڑھ کر مومن ہوتا ہے۔ لہٰذا صالحین سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد مانگنا اس آیت کے خلاف نہیں۔''[1]

شیخ التفسیر والحدیث مفتی احمد یار خان اِس مسئلۂ استعانت انبیاء و اولیاء حاصل کرنا بالکل درست ہے، سے متعلق اہم نکاتی فکر و فن پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

[1] ''نور العرفان'' حواشی تفسیر صفحہ ۲

"جس طرح اللہ کی ذات سے برکت حاصل کی جاتی ہے اسی طرح اللہ کے نام یعنی لفظ اللہ سے بھی برکت اور مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ حالانکہ لفظ اللہ رب نہیں یہ تو کچھ حروف کا مجموعہ ہے جب الف لام، لام، ہ سے مدد اور برکت لینا جائز ہے تو اللہ کے پیاروں سے مدد لینا بھی بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔"[1]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے اپنی دوسری تفسیر "تفسیر نعیمی" میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے:

ترجمہ: ہم تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔

"اِیَّاکَ نَعْبُدُ یعنی ہم ظاہری شرطیں ادا کر کے تیری عبادت کرتے ہیں اور دوسری قسم کی شرطوں کے لحاظ سے کہا گیا وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ اے خدا ان شرطوں میں تیری مدد مانگتے ہیں۔ عبادت کا رب کی بارگاہ تک بخیر پہنچ جانا اور مقبول ہونا۔ یہ رب ہی کے کرم پر موقوف ہے۔"

مفسر نے اسی آیت مبارکہ کی روشنی میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ حضور ﷺ حاظر و ناظر ہیں۔

"گویا کہ نمازی نماز شروع کرنے کے وقت رب سے غائب تھا اور اب خدا کی صفت بیان کرنے کی برکت سے اس کی بارگاہ میں اس طرح حاضر ہو گیا کہ اس کو دیکھ رہا ہے اور اس سے کلام کر رہا ہے نیز اب تک خدا کی صفتوں کا ہی بیان تھا اور اب عرض و معروض ہے۔"

---

[1] "اشرف التفاسیر" صفحہ ۳۷

صفتوں کا بیان غائب کے صیغے سے اچھا ہوتا ہے اور عرض و معروض حاضر کے صیغے سے، نماز میں کسی کو خطاب کر کے کلام کرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی ایسا کرے تو نماز جاتی رہے گی۔ سوا اللہ کے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اس طرح کہ یہاں کہتا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ اور اَلتَّحِیَّات میں کہتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی جس طرح اللہ کو حاضر و ناظر جانے۔ اسی طرح اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور جس طرح رب کو راضی کرنے کی نیت کرے ایسے ہی اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔ اس لئے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عین حالت نماز میں حضور ﷺ کا ادب کیا ہے[1]

اس آیت مبارکہ سے متعلق شیخ التفسیر والحدیث مفتی احمد یار خان، تفسیر صوفیانہ اس طرح فرماتے ہیں۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک درجہ ہمارے یہاں یہ بھی ہے کہ وہاں پہنچ کر انسان ظاہری اسباب پر نظر نہیں رکھتا بلکہ بعض موقعوں پر حق تعالیٰ سے بھی اپنی زبان سے عرض حال نہیں کرتا۔ تاکہ یہ دعائیہ الفاظ بھی آڑ نہ ہو جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نمرودی آگ کی طرف چلے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ کچھ آپ کو حاجت ہے؟ فرمایا تم سے کچھ نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا رب ہی سے عرض کیجئے، فرمایا حَسْبِیْ مِنْ

۱۔ "تفسیر نعیمی" اشرف التفاسیر صفحہ ۷۲ اول

سُوَالِی عِلْمُهٗ بِحَالِی یعنی وہ خود جانتا ہے، اس کا جاننا کافی ہے۔
پھر میری عرض کی کیا ضرورت ہے۔ سبحان اللہ یہ وہ حالت ہے کہ
جس میں دعا مانگنے سے بھی گریز ہے اسی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔
وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"

حکیم الامت مفتی احمد یار خان کا علم ان کی تفسیر، ان کی باریک بینی، نکتہ رسی، ان کی قوتِ تخیلہ، قوتِ استدلال، ان کی قوت قلم کا بین ثبوت ہے آپ ایسے ایسے پہلو ڈھونڈ نکالتے ہیں جہاں دوسروں کا ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ آپ نے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر میں عبادت اور مدد کے فرق کو واضح کر کے بعد وصال مقبولین کی مدد، باجماعت نماز کا اہتمام کرنا، حضور نبی کریم ﷺ کے حاظر وناظر ہونے کے مسئلہ کو پیش کر کے نئے نئے پہلو اجاگر کیے ہیں۔ آپ افق علم پر ایک درخشاں ماہتاب کی طرح جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ آپ عطارِدِ رقم منصف بھی ہیں، زہرہ نگار ادیب بھی، عرش خیال مفکر بھی، فلک وقار مفسر بھی ہیں۔ آفتاب خیالات روشن بھی۔[1]

[1] "تفسیر نعیمی" مسمّٰی "اشرف التفاسیر" جلد اول صفحہ ۸۱

نسخ کی تعریف

''نسخ کے لغوی معنی ہیں کسی حکم کا ازالہ کرنا اور دوسرے حکم کو اس کی جگہ نافذ کرنا۔''[1]

''رد کرنا، دور کرنا، اُس چیز کی جگہ دوسری چیز قائم کرنا۔''[2]

''نسخ کی شرعی اور اصطلاحی تعریف ہے۔ کسی قانون کی مدتِ نفاذ ظاہر کرنا اور دوسرا قانون لانا۔''[3]

''نسخ کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ۔ آلآخر

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے۔ کافر کہیں تم تو دل سے بنالاتے ہو۔ بلکہ ان میں اکثر کو علم نہیں۔''[4]

اگر کلام الٰہی میں نسخ نہ ہوتا تو آج تورات وانجیل کیوں منسوخ ہوتیں۔

نسخ کے ذریعہ احکام کو بدل دینے میں یہ عظیم حکمت ہے کہ بندے کی آزمائش کی جاتی ہے کہ اپنی طبعی خواہش پر عمل کرتا ہے یا اللہ کی رضا پر چلتا ہے کیونکہ کسی کام کے کرنے کی جب عادت پڑ جاتی ہے تو اس کا چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ ناسخ ومنسوخ کے ذریعے جذبۂ سرکشی اور جذبۂ اطاعت کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ مومن کی آزمائش کے لئے نسخ احکام ایک حسین طریقہ ہے۔

۱۔ ''لغاتُ القرآن'' صفحہ ۳۷۶ ''منجد عربی'' صفحہ ۸۷۴

۲۔ ''تعلیمی انگریزی اردو و اردو عربی لغات'' صفحہ ۲۹۷

۳۔ ''النطایا الاحمدیہ'' جلد دوم صفحہ ۲۰۶

۴۔ ''قرآن کریم پارہ ۱۴، سورۃ ۱۶، رکوع ۱۹

نسخ کی چار صورتیں ہیں

اول .... نسخ آیت کا آیت سے

"جیسے لَکُمْ دِیْنُکُم کی آیت قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کی آیت سے منسوخ ہے یا مَتَاعٍ اِلَی الْحَوْلِ کی آیت اَرْبَعَةَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرَ کی آیت سے منسوخ۔"

دوم .... نسخ حدیث کا حدیث سے

"عینی شرح بخاری میں ہے کہ براء بن عاذب نے کسی کو نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا تو فرمایا کہ رفع یدین شروع اسلام میں تھا پھر چھوڑ دیا گیا۔"

سوم .... آیت کا نسخ حدیث سے

"غیر اللہ کو سجدہ کسی کا جواز قرآن سے ثابت اُسْجُدُوْا لِاٰدَم وغیرہ۔ مگر حدیث سے منسوخ یا جیسے ماں باپ اور اہل قرابت کو وصیت کرنا قرآن سے ثابت الوصیة لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ مگر یہ حکم حدیث لَاوَصِیَّةَ لِلْوَارِثِ سے منسوخ یا اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکَ کی آیت سے ثابت تھا کہ ماں بہن وغیرہ چند عورتوں کے سوا تمام عورتیں حلال ہیں۔ مگر یہ آیت اس حدیث سے منسوخ ہے کہ لَا تُنْکِحُ الْمَرْاَۃُ عَلٰی عَمَّتِھَا وَلَا عَلٰی خَالَتِھَا جس سے معلوم ہوا کہ پھپھی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع نہیں کر سکتے۔ اس قسم کی بہت سے آیتیں ہیں جو حدیث سے منسوخ ہیں۔"

چہارم .... نسخ حدیث کا قرآن سے

"بیت المقدس کا قبلہ ہونا حدیث سے ثابت تھا اور وہ اس آیت سے منسوخ ہوا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ ایسے ہی رمضان کی راتوں میں بیوی سے جماع کی حرمت حدیث سے ثابت تھی مگر وہ اس آیت سے منسوخ ہوئی۔ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں جو آیات سے منسوخ ہیں۔"[1]

پھر نسخ کی تین قسمیں ہیں

اوّل: نسخ تلاوت دوم: نسخ حکم سوم: نسخ تلاوت وحکم

اوّل: نسخ تلاوت یہ ہے کہ آیت کے الفاظ قرآن میں نہ رہیں اور نماز وغیرہ میں اس کی تلاوت جائز نہ ہو مگر اس کے احکام باقی ہوں۔ جیسے یہ آیت اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْا هُمَا نَكَالاً مِّنَ اللهِ، وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ یعنی جب بوڑھا اور بوڑھی زنا کر بیٹھیں تو ان کو سنگسار کر دو۔ اللہ سے ڈرانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ یہ آیت تلاوتاً "منسوخ لیکن اس کا حکم باقی"۔

دوم: "منسوخ فی الحکم یہ کہ آیت قرآن موجود ہے اس کی تلاوت بھی ہوتی ہو مگر اس کا حکم باقی نہ ہو جیسے مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ، سے عدت وفات ایک سال معلوم ہوتی ہے۔ مگر اب یہ حکم منسوخ ہو چکا مگر آیت کی تلاوت باقی"۔

[1] "تفسیر نعیمی" الٓمٓ البقرہ صفحہ ۷۱۱ تا ۷۱۲

سوم: ”منسوخ التلاوت والحکم یہ ہے کہ نہ تو آیت کا حکم باقی رہے اور نہ اس کی تلاوت جیسے ایک آیت تھی عَشْرَ رِضْعَاتٍ مَّعْلُوْمَاتٍ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عورت کا دودھ دس گھونٹ پینے سے رضاعت ثابت ہوگی مگر اب نہ اس آیت کی تلاوت رہی اور نہ اس کا حکم بلکہ ایک گھونٹ سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ان تینوں قسموں کو۔مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَا میں بیان فرمایا“

مَانَنْسَخْ جو کچھ منسوخ کرتے ہیں ہم مِنْ اٰيَةٍ قرآن سے موافق مصلحت خلق اور مقتضائے زمانہ کے اَوْنُنْسِهَا یا بھلاتے ہیں ہم اسے اور دلوں سے لے جاتے ہیں نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا لاویں ہم بہتر اس آیت منسوخہ سے چنانچہ مصابرت (صبر کرنا) ایک غازی کا ساتھ دس تنوں کے کافروں سے منسوخ کیا اور ساتھ دو تن کے مقرر فرمایا اَوْمِثْلِهَا یالادیں ہم مثل اس کے کہ نسخ کیا ہے ہم نے نفع دینے اور ثواب دینے میں باوجود رکھنے مصلحت کے جیسے پھیرنا قبلہ کا بیت المقدس سے کعبہ کی طرف اَلَمْ تَعْلَمْ کیا نہیں جانتا ہے تو خطاب طرف منکرین نسخ کے ہے جو لوگ نسخ میں مجادلہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ پشیمانی ہے خدا کو روا نہیں ہے اور حکمت الٰہی اور مصلحت بادشاہی سے نسخ احکام میں غافل تھے۔“ [۲]

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو بھائی مسلمان ہوئے اور ان کو آنحضرت ﷺ نے ایک سورہ پڑھایا پس یہ دونوں رات کی نماز میں اس کی تلاوت کیا کرتے تھے ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ رات میں جب دونوں نماز کے واسطے کھڑے ہوئے تو اس سورہ میں سے ایک حرف بھی نہ پڑھ سکے (انہوں نے دوسری سورتوں سے اپنی نماز پڑھی) پھر صبح کو دونوں روانہ ہو

[۱] ”تفسیر نعیمی“ الٓمٓ البقرہ صفحہ ۱۰۷
[۲] ”تفسیر عزیزی“ اردو حسینی تفسیر صفحہ ۲۷

آقاءِ کائنات ﷺ کی خدمت میں آئے (اور خوفناک ہوکر) دونوں نے آقاءِ کائنات ﷺ سے اپنا حال عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ ڈرومت کہ یہ سورہ منسوخ کی گئی وہ بھلادی گئی ہے۔'' (رواہ الطبرانی وابوبکر بن الانباری) [1]

قرآن وحدیث میں جس قدر نسخ ہونا تھا وہ حضور کی زندگی پاک میں ہوگیا اب حضور کی وفات شریف کے بعد کسی قسم کا نسخ ممکن نہیں کیونکہ نہ اب وحی آسکتی ہے اور نہ نئی حدیث لہٰذا اب سارا قرآن اور ساری احادیث محکم ہیں۔'' [2]

قرآن مجید کی وہ ۴۳ سورتیں جن میں ناسخ ومنسوخ آیت نہیں

''سورۃ فاتحہ، یوسف، یٰسٓ، حجرات، رحمٰن، حدید، الصّف، جمعہ، تحریم، ملک، الحاقہ، نوح، قمر، مرسلٰت، نبا، مطففین، نازعات، انفطار، انشقاق، بروج، فجر، بلد، شمس، واللیل، والضحیٰ، الم نشرح، والتین، قلم، قدر، لم یکن، زلزالہ، عادیات، قارعہ، التکاثر، ھمزہ، قریش، ماعون، کوثر، نصر، تبت، اخلاص، فلق، ناس۔'' [3]

قرآن مجید کی وہ ۶ سورتیں جن میں صرف ناسخ آیتیں ہیں۔

''سورۃ فتح، حشر، منافقون، تغابن، طلاق، الاعلیٰ۔'' [4]

قرآن مجید کی وہ ۴۰ سورتیں جن میں صرف منسوخ آیتیں ہیں۔

''سورۃ انعام منسوخ ۱۴، اعراف ۲، یونس ۴، ھود ۳، رعد ۲، حجر ۵، نحل ۵، اسراء ۳، کہف ایک، طٰہٰ ۳، مومنون ۲، نمل ایک، قصص ایک، عنکبوت ایک، روم ایک آخری آیت، لقمان ایک، سبا یعنی مضاجع ایک آیت، زخرف ۲، دخان ایک، جاثیہ ایک، احقاف ۲،

[1] ''مواہب الرحمٰن'' صفحہ ۲۵۸
[2] ''العطایا الاحمدیہ'' فی فتاوی نعیمیہ دوم صفحہ ۲۰۸
[3] ''تفسیر نعیمی'' پہلا پارہ اول الم البقرہ صفحہ ۱۲،۷
[4] ''العطایا الاحمدیہ'' فی فتاوی نعیمیہ دوم صفحہ ۲۰۸

سورت محمد ۲، ق ۲، نجم ۲، جن ایک، ممتحنہ ۳، ن ۲، معارج ایک، قیامہ ایک، الانسان ۲، عبس ایک، طارق ایک، غاشیہ ایک، والتین ایک، کافرون ایک۔"[1]

قرآن مجید کی وہ ۲۵ سورتیں جن میں ناسخ اور منسوخ دونوں قسم کی آیتیں ہیں۔

"سورۃ بقر منسوخ ۲۵ ناسخ ۶، آل عمران منسوخ ۵ ناسخ ایک، نسآء منسوخ ۲۳ ناسخ ۱۳، مائدہ منسوخ ۹ ناسخ ۶، الانفال منسوخ ۶ ناسخ ۵، توبہ منسوخ ۷ ناسخ ۶، ابراہیم منسوخ ایک ناسخ ایک مریم منسوخ ۵ ناسخ ۲، انبیاء منسوخ ۲ ناسخ ایک حج منسوخ ۲ ناسخ ایک، نور منسوخ ۷ ناسخ ۷، فرقان منسوخ ۲ ناسخ ایک، شعراء منسوخ ایک ناسخ ایک، سجدہ منسوخ ایک ناسخ ایک، احزاب منسوخ ۲ ناسخ ایک، مومن منسوخ ۲ ناسخ ایک، شوریٰ منسوخ ۸ ناسخ ۲، زاریات منسوخ ۲ ناسخ ایک، طور منسوخ ایک ناسخ ایک، واقعہ منسوخ ایک ناسخ ایک، مجادلہ منسوخ ایک ناسخ ایک، مزمل منسوخ ۶ ناسخ ایک، مدثر منسوخ ایک ناسخ ایک، تکویر منسوخ ایک ناسخ ایک۔"[2]

نسخ سے متعلق سرسید رقم طراز ہے۔

مَانَنسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ اَوۡنُنۡسِہَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡہَا اَوۡمِثۡلِہَا

ترجمہ: ہم آیت میں سے منسوخ کرتے ہیں یا ہم اس کو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی کی مانند لاتے ہیں۔[3]

سرسید احمد خان، ناسخ و منسوخ آیت مبارکہ کی تردید میں اس طرح لکھتا ہے جو تارعنکبوت

---

[1] "العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ دوم" صفحہ ۲۰۹
[2] "العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ دوم" صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۱
[3] "تفسیر القرآن" صفحہ ۱۵۷

سے بھی کمزور ہے۔

"اس آیت کی تفسیر میں ہمارے ہاں کے مفسروں نے بے انتہا کج بحثیاں کی ہیں اور مذہب اسلام کو بلکہ خدا کو بدنام کیا ہے اور قرآن مجید کو ایک شاعر کی بیاض بنادیا ہے۔" [1]

اس کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جس آیت کو ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اسکی جگہ اسی کی مانند یا اس سے بہتر آیت دیتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام میں آیت کے لفظ سے قرآن کی آیت مراد نہیں ہے بلکہ موسوی شریعت کے احکام جو شریعتِ محمدیؐ میں تبدیل ہو گئے یا جن احکامِ شریعتِ موسوی کو یہودیوں نے بھلا دیا تھا وہ مراد ہیں۔" [2]

ہمارے اکثر مفسروں نے نہایت کج بحثی سے اس آیت میں جو لفظ، آیت ہے اسکو قرآن مجید کی آیتوں پر محمول کیا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو جاتی ہے اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ نُنسِهَا کے لفظ سے یہ قرار دیا کہ پیغمبر خدا صلعم بعض آیتوں کو بھول بھی گئے تھے اور ان دو لفظوں یعنی نسخ اور نسیا کی بنا پر جھوٹی اور مصنوعی روایتوں کے بیان کرنے سے اپنی تفسیروں کے ورق کے ورق سیاہ کر دیئے ہیں۔ مگر ان میں کی ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ انہی جھوٹی روایتوں کی بنا پر انہوں نے قرآن کی آیتوں کو

---

[1] "تفسیر البقرۃ" صفحہ ۱۴۷

[2] "تفسیر بقرۃ" صفحہ ۱۷۵

چار قسم کی آیتوں پر تقسیم کیا۔"

اوّل: وہ آیتیں جن کی تلاوت اور احکام دونوں بحال ہیں اور وہ سب آیتیں قرآن میں موجود ہیں۔

دوم: وہ آیتیں جن کی تلاوت بحال ہے اور احکام منسوخ ہو گئے۔ ان آیتوں کی نسبت بھی کہتے ہیں کہ قرآن میں موجود ہیں۔

سوم: وہ آیتیں جن کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے مگر احکام بحال ہیں۔

چھارم: وہ آیتیں جن کی تلاوت اور احکام دونوں منسوخ ہو گئے ہیں۔

اور تیسری اور چوتھی قسم کی آیتوں کی نسبت کہتے ہیں کہ قرآن میں موجود نہیں ہیں مگر ان جھوٹی روایتوں میں ان کا موجود[1] ہونا بیان کرتے ہیں۔

ہم ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے اور یقین جانتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی طرف سے اترا وہ بے کم وکاست موجودہ قرآن میں جو در حقیقت آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات میں تحریر ہو چکا تھا موجود ہے اور کوئی حرف بھی اس سے خارج نہیں ہے اور نہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ ہے۔"[2]

اس مقام پر شیخ التفسیر والحدیث حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے نسخ کے متعلق آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے، نسخ کی مختلف صورتیں درج فرماتے ہوئے۔ معرکۃ الآرا تفسیر بیان فرمائی ہے، نسخ کی بحث میں اکثر مفسرین نے الجھ کر ایک نزاعی مسئلہ بنا دیا تھا۔

---

[1] "تفسیر بقرہ" صفحہ ۱۵

[2] "تفسیر القرآن" صفحہ ۱۷۰ سورۃ البقرہ

شیخ التفسیر والحدیث نے اس مسئلہ کو دلائل سے حل فرما کر عظیم خدمت انجام دی ہے۔

مودودی نے اپنی تفسیر میں اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح کی ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

ترجمہ: محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گذر چکے ہیں۔

تفسیر: ''انہی باتوں کے جواب میں ارشاد ہورہا ہے کہ اگر تمہاری ''حق پرستی'' محض محمد کی شخصیت سے وابستہ ہے اور تمہارا اسلام ایسا ست بنیاد ہے کہ محمد (ﷺ) کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی تم اسی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے جس سے نکل کر آئے تھے تو اللہ کے دین کو تمہاری ضرورت نہیں ہے۔''[1]

ابوالکلام آزاد نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے۔

ترجمہ: اور محمد (ﷺ) اس کے سوا کیا ہے کہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گذر چکے ہیں۔

تفسیر: ''اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ بنائے کار اصول اور عقائد ہیں۔ نہ کہ شخصیت افراد۔ کوئی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، لیکن اس کے سوا کچھ نہیں کہ کسی اصل اور سچائی کی راہ دکھانے والی ہے۔''[2]

ابوالکلام آزاد نے مذکورہ آیت کی جو تفسیر پیش کی ہے وہ درحقیقت تفسیر ثنائی میں پائی جاتی ہے۔ اسی کو ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر میں ہو بہو نقل کر دیا ہے۔

---

[1] ''تفہیم القرآن'' سورہ ال عمران صفحہ ۲۹۱

[2] ''ترجمان القرآن'' سورہ ال عمران صفحہ ۳۴۷

تفسیر قادری کے مفسر اس آیت مبارکہ کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں۔

"وَمَا مُحَمَّدٌ اور نہیں ہے محمد یعنی میرا بندہ تعریف کیا ہوا

اِلَّا رَسُوْلٌ مگر رسول میری طرف سے

قَدْ خَلَتْ تحقیق کہ گذرے

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ پہلے اُس سے رسول" [۱]

تفسیر احمد عثمانی کی تفسیر اس طرح ہے۔

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ الخ یعنی محمد (صلعم) بھی آخر خدا تو نہیں۔ ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے کتنے رسول گذر چکے جن کے بعد ان کے متبعین نے دین کو سنبھالا اور جان و مال فدا کر کے رکھا۔" [۲]

تفسیر ابن کثیر اردو میں اس طرح تشریح ہے۔

ترجمہ: اور محمد نرے رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی رسول گذر چکے ہیں۔

"کہ اگلے انبیاء کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں ہو سکتا ہے کہ میدان میں قتل کر دیئے جائیں لیکن کچھ خدا کا دین جاتا نہیں رہے گا۔" [۳]

تفسیر مظہری میں اس طرح تشریح ہے۔

ترجمہ: اور نہیں محمد مگر پیغمبر بے شک گذر گئے پہلے ان سے بہت پیغمبر

"یعنی محمد رسول اللہ، اللہ کے پیغمبر ہیں آپ سے پہلے بھی بہت پیغمبر گذر چلے تو

---

[۱] "تفسیر قادری" جلد اول صفحہ ۱۳۳

[۲] "تفسیر شبیر احمد عثمانی" دیوبندی صفحہ ۸۸

[۳] "تفسیر ابن کثیر اردو" صفحہ ۱۳۰

جس طرح وہ دنیا سے چلے گئے ان کا جانا بھی ضرور سمجھو۔[۱]

تفسیر عزیزی وحسینی اردو کے مفسر نے اختصار کے ساتھ تفسیر فرمائی ہے۔

ترجمہ: اورنہیں محمد مگر پیغمبر تحقیق کے گذرے پہلے اس سے پیغمبر

"وَمَا مُحَمَّدٌ اور نہیں ہے محمد یعنی بندہ وہ میرا

اِلَّا رَسُوْلٌ مگر پہنچا ہوا نزدیک میرے سے

قَدْ خَلَتْ تحقیق کہ گذرے ہیں

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ آگے اس سے پہنچے ہوئے۔"[۲]

اس طرح کی تفسیر اشرفی معارف القرآن میں درج ہے۔

ترجمہ: اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول

"یعنی محمد ﷺ ایک رسول ہی ہیں (خدا تو نہیں) آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔"[۳]

تفسیر مظہری میں اس طرح تشریح تحریر ہے۔

ترجمہ: اور محمد ﷺ نہیں ہیں مگر رسول

"یعنی خدا نہیں ہیں جن کا مرنا اور فنا ہونا ناممکن ہو اور نہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی

---

۱ "خلاصۃ التفاسیر" صفحہ ۳۰۲
۲ "تفسیر عزیزی وحسینی اردو" صفحہ ۱۲۲
۳ "اشرفی معارف القرآن" صفحہ ۸۸

دعوت دیتے ہیں قَدْ خَلَتْ یعنی گذر گئے اور مر گئے۔ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل۔ ان سے پہلے پیغمبر پس وہ بھی مریں گے۔'' [1]

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

ترجمہ: محمد اللہ کے صرف رسول ہیں (جن کا ہمیشہ کے لئے جینا ممکن نہیں) ان سے پہلے کئی رسول ہو گزرے ہیں۔

''اس اصل عظیم کی طرف اشارہ ہے بنائے کار اصول اور عقائد ہیں نہ کہ شخصیت اور افراد کوئی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو لیکن اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسی اصل اور وجہ سے شخصیت ہم میں موجود نہ رہے یا درمیان سے ہٹ جائے تو ہم سچائی کی راہ سے کیوں منہ موڑ لیں یا ادائے فرض میں کیوں کوتاہی کریں؟

سچائی کی وجہ سے شخصیت قبول کی جاتی ہے یہ بات نہیں ہے کہ شخصیت کی وجہ سے سچائی سچائی ہو گئی ہو۔'' [2]

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترجمہ: اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے۔

''اور رسولوں کی بعثت کا موجب رسالت کی تبلیغ اور حجت کا لازم کر دینا ہے نہ کہ اپنی قوم کے درمیان ہمیشہ موجود رہنا۔'' [3]

---

[1] ''خلاصہ التفاسیر'' صفحہ ۳۰۳ [2] ''تفسیر عزیزی وحسینی اردو'' صفحہ ۱۲۲

[3] ''کنز الایمان'' سورۃ العمران صفحہ ۱۰۰

حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے مذکورہ آیت کی بہت ہی جامع تفسیر فرمائی ہے۔

ترجمہ: امام احمد رضا فاضل بریلوی۔

"اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے۔"

"یہ حصر اضافی ہے یعنی وہ صرف رسول ہیں رب نہیں اور ہمیشہ رہنا رب کی صفت ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور میں رسالت کے سوا اور کوئی وصف نہ ہو۔ حضور شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ صفات بخشے جو ہمارے وہم وگمان سے بھی باہر ہیں۔" [1]

مذکورہ آیت مبارکہ سے متعلق تمام مفسرین کی تفاسیر کا تحقیقی جائزہ مختلف زاویوں سے لینے کے بعد شیخ التفسیر والحدیث مفتی احمد یار خان کی تفسیر کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یقیناً آپ کا تفسیری سرمایہ علمی تبحر، کتاب وسنت، فہم وسعت، فکر ونظر کی جولانی ہے۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کوئی گوشہ نہیں رہتا آپ کا قلم موضوع کے ہر پہلو حاوی ہے۔ آپ نے یہ سمجھایا کہ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا کا حصر اضافی ہے جس نے صرف اُلوہیت کی نفی فرمائی نہ کہ دیگر خصوصیات کی اور آیت یہ بتا رہی ہے کہ نبی کریم کی نبوت آپ کا دین تا قیامت قائم آپ کی وفات اور آپ کی شہادت سے آپ کی حیات ختم نہیں ہوتی۔ آج بھی جو آپ کی نبوت کا منکر ہوگا وہ کافر ہے۔

اشرف علی تھانوی اس آیت مبارکہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الخ پارہ کے متعلق لکھتا ہے۔

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میں تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا

[1] "خزائن العرفان" نعیم مرادآبادی سورۃ ال عمران" صفحہ ۱۰۷

معبود ایک ہی معبود ہے۔

"آپ فرما دیجئے کہ (بھائی تم کو ایمان پر مجبور کرنے کی تو میں قدرت رکھتا نہیں جو زبردستی قبول کرا سکوں کیونکہ) میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں (لیکن خدا تعالیٰ نے مجھ کو یہ امتیاز دیا ہے کہ) مجھ پر (وحی نازل ہوتی ہے اور وحی بھی ایسے مضمون کی جو عقلاً قابل قبول ہے۔"[1]

اشرف علی تھانوی بشریت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اس آیت مبارکہ کی تشریح اس طرح کرتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے میں تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

آپ (یوں بھی) کہہ دیجئے کہ (تم جو میرے ساتھ انکار سے پیش آتے ہو تو میں امر ممتنع یا مستبعد کا تو مدعی نہیں ہوں بلکہ) میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں (اس کا اقرار کرتا ہوں ملکیت وغیرہ کا مدعی نہیں کیونکہ موجبِ ہو اور) میرے پاس بھی یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (برحق) ایک ہی معبود ہے۔"[2]

مودودی صاحب نے سورہ کہف میں اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیا ہے۔ تفسیر نہیں لکھی۔

ترجمہ: آپ محمد ﷺ کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔[3]

---

1. "تفسیر بیان القرآن" سورۃ حٰم السجدۃ، جلد ن، ۱۰، صفحہ ۵۳
2. "بیان القرآن" جلد ۶ سورۂ کہف صفحہ ۱۴۰
3. "تفہیم القرآن" الکہف صفحہ ۵۰

اس آیت سے مشابہ آیت کا ترجمہ اور تفسیر پارہ ۲۴ پر کرتے ہیں۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ ان سے کہو، میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا۔ مجھے وحی کے ذریعہ سے بتایا جاتا ہے کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے۔

''میں تو ایک انسان ہوں اُسی کو سمجھا سکتا ہوں جو سمجھنے کیلئے تیار ہو، اُسی کو سنا سکتا ہوں جو سننے کیلئے تیار ہو اور اُسی سے مل سکتا ہوں جو ملنے کیلئے تیار ہو۔''[1]

عبدالماجد دریابادی، اس آیت مبارکہ کی تشریح اور ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ میں تو بس تمہارے ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

''یعنی امتیازی چیز میرے پاس صرف یہ ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں آتی، میں صرف وصف رسالت میں دوسروں سے ممتاز ہوں۔''

اِنَّمَا اول تو خود ہی کلمہ حصر ہے۔ پھر مِّثْلُكُمْ میں اس کی مزید تصریح کہ میں بشر ہی نہیں ہوں بلکہ تم ہی جیسا بشر ہوں۔ صفات بشری میں تم سے ذرا الگ نہیں ہوں۔ اِنَّمَآ .... وَّاحِدٌ میرا پیام تو پیام توحید ہی ہے۔''[2]

اس آیت مبارکہ کے متعلق شبیر احمد عثمانی تشریح فرماتے ہیں۔

ترجمہ: تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم۔ حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے۔

---

[1] ''تفہیم القرآن'' ۴ حٰمٓ السجدۃ صفحہ ۴۴۱

[2] ''تفسیر ماجدی'' ۴ سورہ کہف صفحہ ۳۸۶

"یعنی میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، خدا نہیں، جو خود بخود ذاتی طور پر تمام علوم وکمالات حاصل ہوں، ہاں اللہ تعالیٰ علوم حقہ اور معارف قدسیہ میری طرف وحی کرتا ہے۔ جن میں اصل اصول علم توحید ہے اس کی طرف میں سب کو دعوت دیتا ہوں۔"[1]

پھر اس آیت مبارکہ متعلق پارہ ۲۴ میں لکھتے ہیں۔

ترجمہ: تو کہو میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم۔ حکم آتا ہے مجھ کو کہ تم پر بندگی ایک حاکم کی ہے۔

"یعنی نہ میں خدا ہوں کہ زبردستی تمہارے دلوں کو پھیر سکوں، نہ فرشتہ ہوں جس کے بھیجے جانے کی تم فرمائش کیا کرتے ہو، نہ کوئی اور مخلوق ہوں بلکہ تمہاری جنس ونوع کا ایک آدمی ہوں جس کی بات کا سمجھنا تم کو ہم جنسی کی بنا آسان ہونا چاہیے اور وہ آدمی ہوں جسے حق تعالیٰ نے اپنی آخری اور کامل ترین وحی کے لئے چن لیا ہے۔"[2]

تفسیر قادری کے مفسر نے اس طرح سے تفسیر فرمائی ہے۔

قُلْ، کہو اے محمد ﷺ کہ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ سوا اس کے نہیں کہ میں آدمی ہوں مِثْلُکُمْ مثل تمہارے اور کلمات الٰہی گھیر لینے کا دعویٰ نہیں کرتا ہوں اس قدر ہے کہ جبریل کی وساطت سے یُوْحٰۤی اِلَیَّ وحی کی جاتی ہے میری طرف اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ سوا اس کے نہیں کہ تمہارا معبود اِلٰهٌ وَّاحِدٌ معبود ہے ایک بے شریک۔"[3]

اس آیت مبارکہ سے مشابہ آیت ۲۴ پارہ میں مزید تشریح فرمائی ہے۔

---

[1] "تفسیر ماجدی" سورۂ کہف صفحہ ۶۲۳

[2] "تفہیم شبیر احمد عثمانی" سورہ حٰم السجدۃ صفحہ ۶۱۸

[3] "تفسیر قادری" جلد دوم، سورہ کہف صفحہ ۹

قُلْ، کہوائے محمد ﷺ کہ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سوااس کے نہیں کہ میں آدمی ہوں مثل تمہارے یعنی جنس بشر میں سے ہوں، فرشتہ اور جن نہیں ہوں کہ تم ان کی بات نہیں سمجھتے ہو اور میں تم کو ایسی چیز کی طرف نہیں بلاتا ہوں جس سے ساعت کو کراہیت اور طبیعت کو نفرت ہو بلکہ یُوْحٰٓی اِلَیَّ وحی کی گئی ہے میری طرف اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ نہیں ہے تمہارا خدا مگر اِلٰهٌ وَّاحِدٌ خدا ایک۔" [1]

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے متعلق شیخ التفسیر والحدیث مفتی احمد یار خان پارہ ۲۴ پر بھی تحقیق کی روشنی میں تدقیق کرتے ہوئے نہایت ہی دلائل کے ساتھ تفسیر کی ہے۔

ترجمہ: امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

"تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔"

"یہاں قُلْ صرف حضور کے فرمانے کیلئے فرمایا گیا کسی اور کو حق نہیں کہ حضور کو بشر کہہ کہ پکارے۔ رب فرماتا ہے (قرآن) لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا، جیسے کہ بعض پیغمبروں نے اپنے کو ظالم یا خطا کار کہہ کر فرمایا۔ اگر ہم انہیں ان الفاظ سے یاد کریں تو کافر ہو جائیں یہاں فقط یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا۔ خاص بندہ ہوں یہ حصر اضافی ہے اُلوہیت کے لحاظ سے کلی حقیقی نہیں یعنی۔ یہ مطلب نہیں کہ میں نہ رسول ہوں نہ شفاعت کرنے والا، نہ عالم کا مختار، صرف بشر ہوں تمہاری طرح۔ خیال رہے کہ نبی کو بشر مثلکم کہنے والا یا خدا تعالیٰ ہے یا خود نبی یا شیطان و کفار۔ اَب انہیں بشر کہہ کر پکارنے والا خود سوچ لے کہ وہ کون ہے۔

---

[1] "تفسیر قادری" جلد دوم، سورہ حٰم السجدہ صفحہ ۳۷۴

اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ہم میں اور نبی میں وحی الٰہی کا فرق ہے کہ وہ صاحب وحی ہیں ہم نہیں۔ اس وحی کے فرق نے نبی نے کو امتی سے ایسا ممتاز فرمادیا جیسے ناطق نے انسان کو دیگر حیوانات سے۔

دوسرے یہ کہ ہمارے عقیدۂ توحید اور رسول کے عقیدۂ توحید میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انہوں نے وحی سے توحید جانی، مانی، ہم نے ان کے بتانے سے۔ ان کا استاد رب تعالیٰ ہے ہمارے استاد وہ حضرات ہیں۔"[1]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے متعلق بہت ہی نفیس ولطیف تفسیر فرمائی ہے۔

ترجمہ: امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

"تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں تو تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔"

"حضور ﷺ آئینہ جمالِ کبریا ہیں اور آئینہ میں تب پورا عکس آتا ہے جب کہ اس کی ایک جانب شفاف ہو اور دوسری جانب مصالحہ ہو۔ حضور ایک طرف نور ہیں۔ دوسری طرف بشریت کا غلاف ہے تا کہ مکمل آئینہ ہوں۔ یہاں بشریت والی جانب کا ذکر ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ۔ میں دوسری جانب کا۔"

"یعنی میں بشر صاحب وحی ہوں، جیسے کہا جاوے کہ انسان حیوان ناطق ہے۔ ناطق نے انسان کو تمام جانوروں سے ممتاز کردیا۔ ایسے ہی وحی نے حضور کو تمام انسانوں سے ممتاز کردیا۔ مثلیت صرف بشریت یعنی ظاہری چہرے مہرے میں ہے۔ جیسے جبریل جب شکل بشری میں آتے تھے تو کپڑے سفید اور بال سیاہ

---

[1] "نور القرآن" سورۂ حٰمٓ السجدۃ صفحہ ۷۶۰ تا ۷۶۱

رکھتے تھے۔اس کے باوجود نور تھے۔ایسے ہی حضور ظاہری چہرے مہرے میں بشر، حقیقت میں نور ہیں۔قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ''[1]

جہاں جملہ مفسرین ومترجمین نے مسئلہ بشریت مصطفےٰ سے متعلق لکھا کہ میں تم ہی جیسا بشر ہوں، سوا اس کے نہیں کہ میں آدمی ہوں وغیرہ۔ وہیں مفتی صاحب نے جملہ مفسرین و مترجمین کی تفسیر سے ہٹ کر ارشاد فرمایا کی حضور لباس بشریت میں نور مجسم ہیں۔

اس تفسیر میں متعدد دلائل کے ساتھ بشریت اور نورانیت کا صحیح مفہوم پیش کیا ہے۔ جہاں دوسرے نے صرف بشری پہلو پر زور دیا ہے وہاں مفتی صاحب نے بشری پہلو کے ساتھ ساتھ نورانیت کا انکشاف کیا ہے۔ ہر جگہ مفہوم مطالب کی تفہیم کے لئے ایک بہتر اسلوب اختیار کرتے ہیں۔

---

[1] ''نور العرفان'' سورۂ حٰم السجدہ صفحہ ۲۸۵ تا ۲۸۶

قُرْآنٌ مَّجِیْدٌ

لفظ قرآن، قرء سے بنا، قرء کے معنی جمع ہونے کے ہیں۔ قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سارے اولین و آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔

قرآن مجید کے مختلف اسماء گرامی مختلف آیتوں میں مذکور ہیں۔

کتاب[۱]، قرآن[۲]، ذکر و تذکرہ[۳]، تنزیل[۴]، الحدیث[۵]، موعظہ[۶]، حکم[۷]، حکمت[۸]، حکیم[۹]، محکم[۱۰]، شفاء[۱۱]، ہدیٰ[۱۲]، صراط مستقیم[۱۳]، حبل[۱۴]، حجت[۱۵]، روح[۱۶]، قصص[۱۷]، بیان[۱۸]، تبیان[۱۹]، بصائر[۲۰]، فصل[۲۱]، نجوم[۲۲]، مثانی[۲۳]، نعمت[۲۴]، برہان[۲۵]، بشیر[۲۶]، نذیر[۲۷]، قیم[۲۸]، مہیمن[۲۹]، ہادی[۳۰]، نور[۳۱]، حق[۳۲]، عزیز[۳۳]، کریم[۳۴]، عظیم[۳۵]، مبارک[۳۶]، فرقان[۳۷]، حمید[۳۸]، مجید[۳۹]

قرآن جملہ علوم کی اصل ہے، علم کلام، علم فقہ، علم اصول، علم نجوم، علم لغت، علم زہد، غیب کی خبریں، علم اخلاق، سارے علوم اس کے خادم اور یہ سب کا اصل مقصود ہے۔ یہ قرآن حکیم کی خصوصیت ہے کہ ہر وقت اس کا پڑھنا لطف دیتا ہے۔ خوشی، غم، راحت و مصیبت، جس وقت بھی پڑھا جائے دل کو تسکین اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ کوئی بھی موضوع کیوں نہ ہو اس کے اوصاف دلوں میں اتار دینا قرآن شریف کی خصوصیت ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسالت قیامت، جنت، جہنم، قبر، عذاب قبر وغیرہ حقائق کا بیان اس طرح ہے کہ فاسق و فاجر کو متقی بنا دیتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی کلمہ کیوں نہ ہو بار بار پڑھنے سے اس میں پہلی جیسی لذت نہیں رہتی مگر قرآن پاک کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ ایک مضمون کو مکرر بیان فرماتا ہے لیکن ہر مرتبہ لطف نیا ملتا۔

ابتدائی استاد قرآن کے حروف کی پہچان کراتا ہے۔ قاری اس کے پڑھنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ عالم اس کے مضامین ذہن نشین کراتا ہے۔ صوفی اس کے اسرار بیان فرماتا ہے۔ استاد سے پڑھ کر بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قرآن مجید پورے طور پر جان لیا ہے۔

قرآن حکیم کی یہ بھی ایک اہم خصوصیت ہے کہ فقط کاغذ پر ہی نہ رہا بلکہ حفاظ کے سینوں میں محفوظ کیا گیا۔ خود رب تبارک وتعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا غرض کہ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جیسا اس کا شناور ویسی اس کی تحصیل۔

تفسیر القرآن

"تفسیر القرآن" کے ایک مفسر سر سید احمد کے متعلق خود ان کے سوانح نگار حالی صاحب حیات جاوید میں لکھتے ہیں۔

"سر سید نے اس تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض مقامات پر ان سے نہایت رکیک و جاھلانہ لغزش ہوئی ہیں اور گمراہی پھیلائی" [1]

سید ناصر الدین ابوالمنصور کی "تنقیح البیان" کے نام سے تفسیر القرآن پر سخت تنقید کی ہے۔ یہ دہلی کے نصرت المطابع میں ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئی تھی۔

عبدالحق حقانی اس احمد خان کی "تفسیر القرآن" کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"تفسیر القرآن آنریبل سید احمد خان بہادر دہلوی کی تصنیف ہنوز نا تمام ہے۔ اس شخص نے ترجمہ شاہ عبدالقادر کو ذرا بدل کر ترجمہ لکھا ہے اور باقی اپنے ان خیالات باطلہ کو جو ملحدین یورپ سے حاصل کئے ہیں اور جن کے اتباع کا ان کے نزدیک ترقی قومی اور فلاح اسلام ہے درج کیا ہے اور بے مناسب آیات و احادیث و اقوال گمراہاں کو اپنی تائید میں لا کر الہام الٰہی کو تحریف کیا ہے"

ایک اور جگہ اس کی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں۔ [2]

"خان صاحب بہادر کی بے باکی اور الحاد کی وجہ سے تمام ہندوستان کے علماء نے سیّد کی تکفیر کا فتویٰ دیا ہے مگر چونکہ وہ اور ان کی ذریت،

---

[1] "قرآن حکیم کے اردو تراجم" صفحہ ۲۰۹
[2] "قرآن حکیم کے اردو تراجم" صفحہ ۲۱۲

جنت، دوزخ کے منکر اور الہامی باتوں کو لغو سمجھتے ہیں اس لئے تکفیر کی بھی کچھ پروانہیں کرتے بلکہ مضحکہ اڑاتے ہیں۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔"[1]

ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین ثنائی تفسیر کی طبع سے متعلق اس طرح لکھتے ہیں۔ "طبع اول ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں شروع ہوا امرتسر کے چشمۂ نور پریس سے شائع ہوتا رہا۔ یہ سلسلہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء تک جاری رہا۔"[2]

ابوالکلام آزاد کی تفسیر سے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"مولوی ابوالکلام آزاد متوفی ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۸ء کے "ترجمان القرآن" کا پہلا ایڈیشن ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۳۹۱ء میں دہلی کے چندبرقی پریس میں طبع ہوا۔"[3]

ابوالکلام آزاد کی تفسیری نگارش سے متعلق "ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد" "باقیات ترجمان القرآن" کے صفحہ ۲۶ سے اقتباس پیش کرتے ہوئے "غلام رسول مہر" کا قول نقل کرتے ہیں۔

"تفسیر نہیں کہا جاسکتا ترجمے اور تفسیر کے درمیان کی ایک بے معنی چیز قرار دیا جاسکتا ہے۔"[4]

اس کے آگے مزید تبصرہ کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد کی تفسیر سے متعلق اپنی رائے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس طرح سے ہم ترجمان القرآن کو "مجمل تفسیر" اور "مفصل لغویات" کا نام دے سکتے ہیں۔"[5]

۱۔ "قرآن حکیم کے اردو تراجم" صفحہ ۲۱۲
۲۔ "قرآن حکیم کے اردو تراجم" صفحہ ۲۲۷
۳۔ "قرآن حکیم کے اردو تراجم" صفحہ ۳۴۷
۴۔ "قرآن حکیم کے اردو تراجم" صفحہ ۳۶۴
۵۔ "ابوالکلام آزاد فکر وفن" صفحہ ۶۳ تا ۶۳ شریک ڈپو لکھنؤ ۱۹۶۹ء

اس تفسیر کے تنقیدی جائزے سے راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ابوالکلام آزاد نے زیادہ تر تفسیر ثنائی سے استفادہ کیا ہے۔ حتیٰ کہ آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کی تفسیر ہو بہو تفسیر ثنائی میں موجود ہے۔ ابوالکلام آزاد کی تفسیر فنی اعتبار سے صحیح نہیں کہی جا سکتی کیونکہ اس میں تفسیر سے زیادہ تعبیر اور تاریخی حقائق کی خودنمائی ہے۔

◄◄◄◄◄◄◄◄◄◄◄◄◄◆►►►►►►►►►►►►►

''فی ظلال القرآن'' قطب شہید کی تفسیر ہے جو آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے یہ تفسیر انہوں نے جیل میں لکھی۔ ''خلیل حامدی'' جادہ منزل کے مقدمے میں فی ظلال القرآن کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''اصطلاحی معنوں میں تفسیر نہیں ہے اور نہ متداول تفاسیر کے اسلوب میں اسے لکھا گیا ہے۔ یہ دراصل ان تاثرات سے عبارت ہے جو مطالعہ قرآن کے دوران ان کے نفس پر طاری ہوئے ہیں۔''[۱]

اس تفسیر سے متعلق مولف معلومات قرآنیہ لکھتے ہیں۔

> ''علامہ بلند پایہ عالم نہ تھے۔ اسی لئے اس میں علمی مواد کم ہے۔ علامہ صرف ایک سکول میں مدرس تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ انہوں نے یہ تفسیر جیل میں لکھی جہاں کوئی کتاب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔''[۲]

مشہور و معروف تفاسیر کا جب تحقیقی جائزہ لیا گیا تو یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ 'فی ظلال القرآن' 'تفسیر القران' 'ترجمان القرآن' 'بیان القرآن' 'تفہیم القرآن' 'تفسیر ابن کثیر' وغیرھم، یہ تفسیریں نہیں اور تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے سے عاری ہیں۔ ان تمام تفاسیر کے

۱۔ ''فی ظلال القرآن'' صفحہ ۳۹

۲۔ ''معلومات قرآنیہ'' صفحہ ۱۴۱ تالیف حاجی محمد ادریس بھوجیانی، سنہ اشاعت ۱۹۹۷ء

برعکس جب ہم حضرت مفتی احمد یار خان کی ''تفسیر نعیمی'' وحواشی تفسیر ''نورالعرفان'' کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ آپ کا قلم کسی بھی موضوع اور کسی بھی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑتا۔

'تفسیر نعیمی' 'نورالعرفان' یہ علمی تفاسیر بھی ہیں، صوفیانہ بھی، عارفانہ بھی ہیں عام فہم بھی، ان میں متعدد اعتراضات کے مدلل جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔ شان نزول کی وضاحت بھی ہے، ہر لفظ کے مختلف معنی بھی اور بامحاورہ ترجمہ بھی ہے۔ ہر آیات کے فوائد کے ساتھ ما قبل آیات سے ربط کے صراحت بھی ہے۔ آپ کی تفاسیر کے مطالعے سے نئے نئے گوشے سامنے آتے ہیں اندازِ بیان کئی اعتبار سے دیگر تفاسیر سے مختلف اور جداگانہ ہے اس میں بڑی جامعیت اور تفصیل کے ساتھ تمام نکات زیر بحث آئے ہیں۔ اسلوب بڑا پاکیزہ اور شگفتہ ہے سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ قرآنی آیات کے تفسیر ماضی وحال کے سماجوں کے تناظر میں کی گئی ہے اور لطیف نکات برآمد کیے گئے ہیں۔ توحید، صفات الٰہی، مشیت الٰہی، رسالت، تجلیات خداوندی، انوار محمدی، ختم نبوت، فیوض نسبت رسول، اسلامی نظام، مقصد وجود عالم، جہاد کی اہمیت وافادیت، گذشتہ اُمتوں کے احوال واعمال، استغفار واستعانت، بندگی کے احکام، صبر واستقلال، ایثار وقربانی، اتفاق واتحاد، عظمت رسول، علم غیب رسول، فضیلت امت رسول، فضائل صحابہ و اہلبیت، مرتبت ازواج مطہرات، کرامات وفضائل اولیاء، تصرفات مقبولین خدا، اہمیت حدیث، وسیلہ، تلاوت، عبادت، عدل ایثار، علامات قیامت، عذاب قبر، احکامات وحدود کفر، شرک، حرام، بدعات، سزا وجزا، امتیاز اولیاء اللہ ومن دون اللہ، احکام پردہ، حقیقت ایمان، معراج جسمانی، درجات مومنین، شفاعت مومنین، ان تمام موضوعات کا احاطہ جس چابکدستی اور عالمانہ شان سے کیا گیا ہے وہ حضرت قبلہ مفتی صاحب کی عبقری بلاغت وفصاحت پر دال ہے۔

''ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین'' نے ''کنزالایمان'' سے متعلق رہنمائے صحت ''سب رنگ'' ڈائجسٹ دہلی قرآن نمبر کے حصہ چہارم صفحہ ۱۱۸ سے اخذ کر کے ایک

اقتباس اس طرح پیش کیا ہے۔

"اعلحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ کا ترجمہ "کنزالایمان فی ترجمہ القرآن" جو مراد آباد سے مطبع نعیمی میں ۱۳۳۰ھ میں چھپا تھا اور جس میں ۴۸۸ صفحات تھے۔ کیفیت یوں ہے کہ تاج کمپنی نے جو ایڈیشن ۱۹۶۳ء میں محشی تفسیر "خزائن العرفان" از مولانا نعیم الدین مراد آبادی شائع کیا اس میں بعض مقامات پر تحریف کی گئی ہے۔ آئندہ کے لئے اس غلطی کو رفع کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ نام بھی "کنزالایمان" فی ترجمہ القرآن" کے بجائے "رفیع الشان ترجمہ قرآن عظیم میں بدل دیا گیا ہے پہلا ایڈیشن رف کاغذ پر مراد آباد سے طبع ہوا۔"

رہنما صحت سب رنگ ڈائجسٹ، دہلی، قرآن نمبر کا یہ اقتباس صداقت سے خالی ہے جس کا قدیم نسخہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ "ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین" نے قدیم نسخہ دیکھے بغیر اپنی رائے کا اظہار کردیا ہے۔

"کنزالایمان' خزائن العرفان" سے متعلق "ابوالوفا غلام رسول صاحب سعیدی" لکھتے ہیں۔

"یہود کے جانشینوں نے تاج کمپنی کے عملہ میں شامل ہو کر جس طرح صدرالافاضل کی تفسیر میں تحریف کی اس کی تفصیل اخبارات میں آچکی ہیں۔ تاج کمپنی کا معذرت نامہ بھی چھپ چکا ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی حقیقت نہ جانی جا سکے۔ ہمارے پاس قدیم نسخہ موجود ہے جس سے مقابلہ کرکے اصل حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے۔"[1]

---

[1] "محاسن تفسیر صدرالافاضل" صفحہ ۱۸۰

''کنزالایمان فی ترجمہ القرآن'' کی تحریفات سے متعلق اکابر علماء واہلسنت سے راقم نے رابطہ کیا تو حقیقت کا انکشاف ہوا۔

''مولانا عبدالمبین نعمانی قادری'' ضلع اعظم گڑھ ایک زبردست عالم دین ومحقق ہیں ایک خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''فی الحال میرے پاس ترجمہ اعلیٰ حضرت (قدس سرہٗ) کے متعدد نسخے ہیں، سالوں سے جو ایڈیشن نمبر ۲۲ کے حوالہ سے چھپ رہا ہے، جسے تاج کمپنی دہلی، حفیظ بکڈپو دہلی، اشاعت الاسلام دہلی، ناز بک ڈپو دہلی، وغیرہ ادارے چھاپ رہے ہیں، جو بعینہ تاج کمپنی لاہور کا فوٹو او رعکس ہے، اس پر اب تک غلطیاں چھپ رہی ہیں۔

تاج کمپنی لاہور کے ایک اور ترجمہ ''کنزالایمان' حوالہ نمبر ۲۸ کی مکمل تصحیح کی ہے ترجمہ کا اصل مخطوطہ کنزالایمان سے مقابلہ کیا ہے جو حضرت صدرالافاضل کے دست مقدس کا تحریر کردہ ہے۔ یہ نسخہ پریس میں ہے، رضوی کتاب گھر بھیونڈی، دہلی کی جانب سے چھپ رہا ہے۔''

صدرالافاضل سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی عظیم شخصیت اور خدارسیدہ بزرگ کا نام ہے آپ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔

''حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی'' آپ کے سامنے اپنے سیاسی خرابات اوردانستی ونادانستہ گناہوں سے تائب ہوئے۔ ''مولانا محمد علی جوہر'' ''مولانا شوکت علی'' مرحوم نے آپ کی ہاتھوں پر اپنے قومی وسیاسی گناہوں اور دانستہ ونادانستہ خطاؤں سے توبہ کی۔ مولانا

شوکت علی صاحب تو دولت کدہ پر توبہ کرنے کے لئے از خود حاضر ہوئے تھے۔ جب کہ مولانا محمد علی جوہر نے بھی ان کے دولت کدہ پر خود تشریف لے جا کر ان کے ہاتھ پر توبہ کر لی۔ ہزاروں سیاست زدہ اپنی منزل پر واپس آئے۔ ہزاروں گم کردہ راہ ہدایت یاب ہوئے۔"[1]

حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی، بیس سال کی عمر میں صاحب تصنیف و تالیف ہو چکے تھے۔ کمسنی ہی میں آپ کی تحریر اس قدر پختہ تھی کی کسی کہنہ مشق و دیدہ ور صحافی کا شبہ ہوتا قلم کی پختہ کاری کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔

ابوالکلام آزاد کے مشہور زمانہ اخبار "الہلال والبلاغ" میں آپ کے مظامین مسلسل شائع ہوتے رہے۔"[2]

---

[1] "رسالہ پاسبان" الہ آباد ماہ اپریل ۱۹۸۱ء صفحہ ۲۵

[2] "رسالہ پاسبان" الہ آباد ماہ اپریل ۱۹۸۱ء صفحہ ۲۴

مِرْاٰۃُ الْمَنَاجِیْح اردو ترجمہ وشرح مِشْکوٰۃُ الْمَصَابِیْح

شیخ التفاسیر والحدیث حکیم الامت مفتی احمد یار خان، ایک مایہ ناز مفسر ومحدث تھے۔ انہیں فن حدیث میں حد درجہ کمال حاصل تھا۔ ان کی شرح ''مشکوٰۃ المصابیح'' جو آٹھ جلدوں میں مشتمل ہے۔ ہر اعتبار سے فوقیت رکھتی ہے۔ آپ نے اپنے بلاغتِ قلم سے تشنہ گان علم حدیث کو طمانیت وتسکین قلب کا سامان مہیا فرمایا۔ آپ نے قلم کی ساری توانائی بانی اسلام اور عظمت اسلام کے لئے صرف کی۔ آپ کا قلم، ذہانت، ذکاوت، تفکر وتدبر، تنظیم وتنقید، استقامت واستحکام، تحمل وبردباری، عقائد واعمال، ایمان وایقان، کیلئے دعوت فکر دیتا ہے۔ یوں تو فنِ حدیث میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں تاہم جامعیت کے اعتبار سے سب سے اہم کتاب 'مصابیح شریف' ہے۔ اسکے مصنف نے احادیث کو بڑی ہی عرق ریزی کے ساتھ یکجا کیا ہے۔ اس کتاب کی اہم خوبی اسکا اختصار ہے۔ ''بقول حکیم الامت مفتی احمد یار خان''

> ''چونکہ مصنف (حسین ابن مسعودؒ آپ کی کنیت ابو فراء) نے طریقہ اختصار کا اختیار کیا اور اسنادوں کو چھوڑ دیا اس لئے اس بارے میں بعض ناقدین نے چہ میگوئیاں کیں۔ اگرچہ مصنف کا نقل فرمادینا ہی اسناد کی مثل ہے کیونکہ وہ معتبر ہیں مگر نشانیوں والا رستہ بے نشان راہ کی طرح نہیں، اس لئے آخر میں اللہ سے خیر اور توفیق مانگی اور ان کے بے نشانوں کو نشاندار بنادیا کہ اس کی ہر حدیث اپنے ٹھکانے میں ویسے ہی رکھی، جیسے ماہر عادل حافظ اماموں نے روایت فرمائی۔''[1]

[1] ''مقدمہ'' مراۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ ۹

حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان نے مشکوٰۃ المصابیح شریف کی شرح کرتے ہوئے سب سے اہم کام یہی کیا ہے کہ راوی حدیث کے نام تحقیق کی روشنی میں درج کر کے بے نشانوں کو نشان دار بنا دیا۔

بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، صحاح ستہ کہلاتی ہیں۔

''مصابیح'' میں چار ہزار چار سو چوالیس (۴۴۴۴) حدیثیں تھیں۔ صاحب مشکوٰۃ نے ایک ہزار پانچ سو گیارہ (۱۵۱۱) احادیث کا اضافہ کیا لہٰذا ''مشکوٰۃ شریف'' میں پانچ ہزار نو سو پینتالیس (۵۹۴۵) احادیث ہیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے کدوکاوش کے ساتھ ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی شرح جس کا تاریخی نام ''ذوالمرأت'' ہے۔ یہ شرح کرتے ہوئے صحابہ کرام تابعین عظام اور ان کے افعال کریمہ کی روایت بھی نقل فرمائی۔

تدوین حدیث صحابہ کرام کے دور میں

''احادیث رسول کی حفاظت اور کتابت کے سلسلے میں عہد رسالت سے لے کر اتباع تبع تابعین تک پورے تسلسل اور تواتر سے کام ہوتا رہا ہے اور ڈھائی سو سال کے اس طویل عرصہ کے کسی وقفہ میں بھی اس کام کا انقطاع نہیں ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو حضور ﷺ کی توجہ کی وجہ سے ان کا حافظہ بہت تیز ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے وہ حدیث نہیں لکھتے تھے تاہم ان کے پاس حضور ﷺ کی احادیث کتب صحائف کی شکل میں بھی محفوظ تھیں۔''[1]

---

[1] ''بخاری شریف'' (عکس مترجم) جلد اول صفحہ ۴۳ تا ۴۴۔

''حضرت عبداللہ ابن عمر بھی احادیث کو صحائف میں محفوظ کرتے تھے۔''[1]

حضور علیہ کے وصال کے بعد دورِ صحابہ میں تابعین نے صحابہ کی روایات کو لکھ کر محفوظ کرنا شروع کیا، حضرت ابو ہریرہ جن سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مروی ہیں۔ ان کے شاگردوں نے ان احادیث کو لکھ کر محفوظ کیا اور اس سلسلۂ روایت کو آگے بڑھایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ (۱۶۶۰) احادیث مروی ہیں۔ ان کی روایات کو دوسرے شاگردوں کے علاوہ کریب نے محفوظ کر لیا تھا اور حضرت انس جو کہ دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث کے راوی ہیں ان کے بارے میں مسند دارمی میں ہے کہ ان کی روایات کو لبان نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث کی روایت کرتی ہیں ان کی احادیث کو عروۃ بن الزبیر ایک ہزار چھ سو تیس (۱۶۳۰) احادیث کی روایت کرتے ہیں۔ طبقات ابن سعد اور دارمی میں ہے کہ ان کی روایات کو نافع نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا اور حضرت جابر جو ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث کے راوی ہیں۔ ان کی روایات کو قتادہ بن دیلمہ سروسی نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔''[2]

''بغیر کسی ترتیب کے تابعین کرام نے اپنی اپنی روایات کو اپنے

---

[1] ''بخاری شریف'' (عکس مترجم) جلد اول صفحہ ۴۵

[2] ''بخاری شریف'' (عکس مترجم) جلد اول صفحہ ۴۵

سینوں اور صحیفوں میں محفوظ کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ خلافت آیا اور انہوں نے احادیث کو یکجا کرنیکا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس کام کے لئے انہوں نے معتمد اور مستند علماء کی ایک جماعت مقرر کی جن میں ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، قاسم بن محمد بن ابی بکر اور ابوبن مسلم وعبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے مختلف علاقوں سے اُحادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ جمع کیا اور امام تابعی ابن شہاب زہری نے ان احادیث کو ترتیب دیا تہذیب سے منظّم اور منضبط کیا۔ احادیث کو جمع اور منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ حدیث کو سند کے ساتھ بیان کرنے کی ابتداء بھی ابن شہاب زہری تابعی نے کی ہے، اسی وجہ سے ان کو علم اسناد کا واضع کہا جاتا ہے۔

احادیث کی ترتیب اور تہذیب کا جو کام ابن شہاب زہری نے شروع کیا تھا اس کام کو ان کے مایہ ناز تلامذہ برابر آگے بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ دوسری صدی کے اخیر میں ان کے ایک نامور شاگرد امام مالک بن انس اصبحی نے احادیث کو ترتیب دے کر پہلا مجموعہ حدیث موطا کے نام سے پیش کر دیا۔" [1]

موطا امام مالک کے علاوہ امام اعظم نے اپنی کتاب الآثار کے نام سے پیش کیا۔..

ان حضرات کے علاوہ دوسری صدی کے جن دوسرے متعدد بزرگ

[1] "بخاری شریف" (عکس مترجم) جلد اول صفحہ ۴۷

مصنفین نے فن حدیث میں کتابیں پیش کی ہیں۔ان میں سے بعض کتابیں یہ ہیں۔سنن ابو الولید ۱۵۱ھ جامع سفیان ثوری ۱۶۱ھ مصنف ابی سلمہ ۱۶۷ھ مصنف ابی سفیان ۱۹۷ھ جامع سفیان عینیہ ۱۹۸ھ۔

اور تیسری صدی کے جن مصنفین نے حدیث کی کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں سے بعض حضرات کی کتابیں یہ ہیں۔کتاب الامام الشافعی ۲۰۴ھ مسند احمد بن حنبل ۲۴۱ھ الجامع الصحیح البخاری ۲۵۶ھ الجامع المسلم ۲۶۱ھ سنن ابو داؤد ۲۷۵ھ الجامع الترمذی ۲۷۹ھ سنن ابن ماجہ ۲۷۳ھ۔"[1]

"علم حدیث کی دو قسمیں ہیں۔علم حدیث روایۃً اور علم حدیث درایۃً حدیث از روئے روایت اس علم کو کہتے ہیں جس سے حضور ﷺ کے اقوال،افعال،احوال اور اوصاف کی معرفت حاصل ہو۔اس علم کا موضوع خود بخود حضور کی ذات مقدسہ ہے۔

علم حدیث از روئے درایت وہ علم ہے جس سے راوی اور مروی عنہ کے حالات بحیثیت رد اور قبول معلوم ہوں اس علم کا موضوع راوی اور مروی عنہ ہیں۔"[2]

---

[1] "بخاری شریف" (عکس مترجم) جلد اول صفحہ ۴۷

[2] "بخاری شریف" (عکس مترجم) جلد اول صفحہ ۴۷ تا ۴۸

اقسام حدیث

مرفوع: جس حدیث میں حضور ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

موقوف: جس حدیث میں صحابہ کرام کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

مقطوع: جس حدیث میں تابعین کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

متصل: جس حدیث کی سند سے کوئی راوی ساقط نہ ہو۔

معلق: جس حدیث کی سند کے شروع سے روایت کو حذف کر دیا جائے خواہ یہ حذف بعض کا ہو یا کل کا۔

مرسل: جس حدیث کی سند کے اخیر سے راوی کو ساقط کر دیا جائے مثلاً تابعی حضور سے روایت کرے اور صحابی کو چھوڑ دیا جائے۔

معضل: درمیان سند سے دو متصل راویوں کو چھوڑ دیا جائے۔

منقطع بمعنی اخص: دو سے زیادہ راویوں کو سند میں ایک جگہ سے یا دو راویوں کو متعدد جگہ سے چھوڑ دیا جائے۔

مضطرب: سند یا متن حدیث میں زیادتی، نقصان یا تقدیم و تاخیر کر دی جائے۔

مدرج: متن حدیث میں راوی اپنا یا غیر کا کلام ملا دے۔

شاذ: جس میں ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے (اس کا مقابل محفوظ ہو)۔

منکر: جس روایت میں زیادہ ضعیف راوی کم ضعیف کی مخالف کرے (اس کا مقابل معروف ہو)۔

معلل: جس حدیث میں علت خفیفہ قادحہ ہو مثلاً حدیث مرسل کو موصولاً روایت کیا جائے۔

صحیح لِذَاتِہٖ: جس حدیث کے تمام راوی متصل، عادل، تام الضبط ہوں اور وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو۔

صحیح لغیرہ: جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور ضبط کی کمی تعدد طریق روایت سے پوری ہو جائے۔

حسن لذاتہ: جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور یہ کمی تعدد طرف سے پوری نہ ہو۔

ضعیف: جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو اور تعدد طرق سے وہ کمی پوری نہ ہو۔

متروک: جس حدیث کی سند میں کوئی راوی مُتَّھَم بالکذب ہو۔

موضوع: جس حدیث کی سند میں کوئی راوی ہو جس سے وضع فی الحدیث ثابت ہو۔

غریب: جس حدیث کی سند کا کوئی راوی سلسلہ سند کے کسی شیخ سے روایت میں منفرد ہو۔

عزیز: جس حدیث کے دو راوی ہوں پھر سلسلہ سند کے ہر راوی سے کم از کم دو شخص روایت کرتے ہیں۔

مشہور: جو حدیث دو سے زیادہ طرق سے مروی ہو (یعنی سلسلہ سند میں کسی شخص سے بھی تین سے کم راوی نہ ہوں اور یہ زیادتی حد تواتر سے کم ہو)۔

متواتر: جو حدیث ہر دور میں اتنے کثیر طرق سے مروی ہو کہ ان روایات کا توافق علی الکذب عادۃً محال ہو۔[۱]

---

[۱] ''بخاری شریف'' (عکس مترجم) جلد اول صفحہ ۴۸ تا ۴۹

اقسام کتب حدیث وتعریف

"کتب حدیث تدوین کی نوعیت کے اعتبار سے تیرہ قسمیں ہیں
جامع، سنن، مسند، معجم، جز، مفرد، غریبہ، مستدرک، مستخرج، رسالہ،
اربعین، امالی، اطراف"

جامع: جامع وہ کتاب ہے جس میں یہ آٹھ مضامین ہوں۔ عقائد، احکام، تفسیر، سیَر و مغازی، آداب، مناقب، فتن، اشراط علامات قیامت جیسے بخاری و ترمذی، مسلم شریف مین اگرچہ یہ آٹھوں باتیں ہیں مگر تفسیر برائے نام ہے اس لئے یہ جامع نہیں سنن میں داخل ہے۔

سنن: جن میں ابواب فقہ کی ترتیب سے احکام سے متعلق احادیث ہوں۔ جیسے سنن ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔

مسند: جس کی ترتیب صحابۂ کرام کے مراتب کے اعتبار سے ہو، جیسے مسند امام احمد بن حنبل۔

معجم: جس کی ترتیب میں اساتذہ کے مراتب کا لحاظ ہو۔

جز: جس مین کسی ایک مسئلہ سے متعلق احادیث مذکور ہوں، جیسے جزءِ قرات۔

مفرد: جس میں صرف ایک شیخ کی روایات جمع ہوں۔

غریبہ: جس میں صرف ایک تلمیذ کے مفردات مذکور ہوں۔

مستدرک: وہ کتاب جس میں ان احادیث کو درج کیا جائے جو کسی مصنف سے رہ گئی ہوں جیسے حاکم کی مستدرک علی الشیخین۔

مستخرج: وہ کتاب جس میں کسی اور کتاب کی احادیث کے ثبوت کے لئے اس کتاب کے مصنف کے شیخ یا شیخ الشیخ کے دوسری سندوں کو ذکر کیا جائے۔ جیسے مستخرج لابی نعیم علی البخاری۔

رسالہ: جس میں جامع کے آٹھوں عنوان میں سے مخصوص عنوانوں سے متعلق احادیث مذکور ہوں۔ جیسے امام احمد کی کتاب الزہد والادب۔

اربعین: جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں جیسے اربعین نووی۔

امالی: جس میں کسی شیخ کی لکھائی ہوئی احادیث یا فوائد حدیث ہوں جیسے امالی امام محمد۔

اطراف: وہ کتاب جس میں حدیث کوئی ایسا جزء ذکر کیا جائے جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو۔ پھر اس حدیث کے تمام سندوں کو ذکر کر دیا جائے یا اس میں کچھ مخصوص کتابوں کی سندیں ذکر کی جائیں۔ جیسے اطراف الکتب الخمسہ لابی العباس اور اطراف المزی۔"

نامقبول روایت کے لوازمات

"راوی بدعقیدہ ہے، راوی فاسق ہے، راوی نے حدیث کے علاوہ کسی اور معاملہ میں ایک بار جھوٹ بولا ہے اور اگر اس نے کوئی روایت گھڑ لی ہے تو اس کی روایات اتنی نامقبول ہوں کہ وہ موضوع، راوی خلاف وقار و خلاف مروت افعال کا ارتکاب کرتا ہے اور اگر اس کا حافظہ کمزور ہے اور کسی کی تلقین قبول کر لیتا ہے۔ مگر جو روایت کرتا ہے وہ ثقہ راویوں کے خلاف ہے۔ سب کچھ درست ہے مگر اس نے اپنی کتاب کی کما حقہ حفاظت نہیں کی، سب کچھ صحیح ہے مگر سند میں ایک راوی کا نام چھوٹ گیا ہے تو روایت نامقبول ہے۔

بعض جھوٹوں نے اپنے اغراضِ فاسدہ کے پیش نظر کچھ حدیثیں گھڑی ہیں۔ مگر محدثین نے پکڑ لیا اور بتا دیا کہ یہ موضوع ہے، محدثین کو اس میں اتنا خداداد ملکۂ راسخہ حاصل تھا کہ ھدایت الٰہی و نصرت مصطفائی سے یہ حضرات صحیح حدیث کو مخدوش سے الگ کر لیتے تھے[1]

---

[1] "نزھۃ القاری" جلد اول صفحہ ۴۸

غیر صحیح کی تحقیق

"بعض دفعہ محدثین حضرات کسی سند کے بارے میں لکھتے ہیں لایصح یعنی یہ سند صحیح نہیں ہے۔ اس جملہ سے بعض ناواقف لوگ یہ مغالطہ کھا لیتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع یا باطل ہے حالانکہ اصطلاح محدثین میں صحیح، غلط یا باطل کا مقابل نہیں ہوتا بلکہ صحیح کے مقابلہ میں صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور ضعیف یہ سب شامل ہیں۔[1]

اور جب وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے یہ صحیح لذاتہ نہیں ہے اور ایسی صورت میں یہ صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ ہوسکتی ہے۔"

حدیث ضعیف کے افراد

"جب حدیث کی سند میں کوئی طعن یا جرح پائی جائے تو وہ حدیث باعتبار سند کے مطعون اور مجروح ہو جاتی ہے۔ مضطرب، منقطع، معلول، منکر، متروک، مبہم وغیرہ طعن کی یہ تمام اقسام حدیث ضعیف میں داخل ہیں۔ ایسا ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے۔"[2]

حدیث ضعیف کی تقویت

پہلی صورت یہ ہے:

۱ وَ قَدْ اِحْتَجَّ جُمْهُوْرُ الْمُحَدِّثِیْنَ بِا لْحَدِیْثِ الضَّعِیْفِ

۲ اِذَا كَثُرَتْ طُرُقُهٗ وَ لَحِقُوْهُ بِالصَّحِیْحِ تَارَةً وَ بِالْحَسَنِ اُخْرٰی

جب حدیث ضعیف متعدد اسانید سے مروی ہو تو جمہور محدثین اس سے استدلال کرتے ہیں اور اس کو کبھی صحیح کے ساتھ اور کبھی حسن کے ساتھ لاحق کرتے ہیں۔"[3]

---

[1] "نزھۃ القاری" جلد اول مقدمہ صفحہ ۲۹

[2] "بخاری شریف" (عکس مترجم) جلد اول صفحہ ۵۱

[3] "بخاری شریف" (عکس مترجم) جلد اول صفحہ ۵۰

دوسری صورت یہ ہے:

اِنَّ الْمُجْتَهِدَ اِذَا اسْتَدَلَّ بِحَدِيْثٍ كَانَ تَصْحِيْحاً لَهٗ كَمَا فِي التَّحْرِيْرِ وَغَيْرِهٖ

مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو اس کا استدلال بھی حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔[1]

تیسری صورت یہ ہے:

''اگر کسی حدیث ضعیف کے موافق اہلِ علم میں سے کسی کا قول ہو تو اس سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ امام ترمذی، حدیث: اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الصَّلٰوۃَ وَ الْاِمَامُ مَشْغُوْلٌ' حَالَ الْحَدِيْثِ کے تحت لکھتے ہیں۔ هٰذَا حَدِيْثٌ 'غَرِيْبٌ' لَا نَعْرِفُ اَحَدًا اَسْنَدَهٗ اِلَّا مَارُوِیَ مِنْ هٰذَا لْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَاَهْلِ الْعِلْمِ۔''[2]

چوتھی صورت یہ ہے:

''بعض اوقات صالحین کے عمل سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ صلوۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے وہ حدیث ضعیف ہے اور حاکم اور بیہقی نے اس کی تقویت کی وجہ یہ بتلاتی ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے عمل کی وجہ سے یہ حدیث تقویت پا گئی چنانچہ مولوی عبدالحئی لکھتے ہیں۔

قَالَ الْبَيْهَقِيُّ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ يُصَلِّيْهَا وَ تَدَاوَلَهَا الصَّالِحُوْنَ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ وَفِيْ ذٰلِكَ تَقْوِيَةٌ لِّلْحَدِيْثِ الْمَرْفُوْعِ ۔

''علامہ بیہقی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن المبارک صلاۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے اور بعد کے تمام علماء اس کو ایک دوسرے سے نقل کر کے پڑھتے

---

[1] ''بخاری شریف'' (عکس مترجم اردو) جلد اول صفحہ ۵۳

[2] ''بخاری شریف'' (عکس مترجم اردو) جلد اول صفحہ ۵۳

رہے اس وجہ سے اس حدیث مرفوع کو تقویت حاصل ہوگئی۔'' [1]

''مظاہر حق جدید'' شرح مشکوٰۃ شریف اردو ''اشرف المشکوٰۃ'' اور مشکوٰۃ المصابیح ذوالمرأت شرح مشکوٰۃ کا تقابلی مطالعہ

''ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِيْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ''

ترجمہ: ''اسکے بعد اسکی قبر لمبائی اور چوڑائی میں ستر ستر گز وسیع وکشادہ کردی جاتی ہے۔'' [2]

ترجمہ: ''پھر اس کی قبر کو ستر ستر گز کشادہ کر دیا جاتا ہے۔'' [3]

ترجمہ: ''پھر اس کی قبر میں فراخی دی جاتی ہے ستر گز میں۔'' [4]

حضرت الحاج محمد ناظم صاحب ندوی نے اس طرح تشریح فرمائی ہے۔

جب سائل کے سوال کا صحیح جواب دے دیا جائے گا تو اس کامیابی پر انعام و اکرام سے نوازا جائے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ اس کی قبر کو بہت زیادہ کشادہ کردیا جائے گا۔ جو روشنی سے منور ہوگی ''یہاں'' ''سبعون ذراعا'' سے مقدار بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ تکثیر کے لئے ہے۔'' [5]

''علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی'' کا ترجمہ اور مولانا محمد ناظم صاحب ندوی کے مذکورہ ترجمہ وتشریح کے برعکس ''حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان'' اس حدیث سے متعلق مومن کی قبر کی کشادگی کے بارے میں اس طرح تشریح فرماتے ہیں۔

---

[1] ''بخاری شریف'' (عکس مترجم) جلد اول صفحہ ۵۴

[2] ''مظاہر حق جدید'' (دوسری فصل، عذاب قبر) جلد اول صفحہ ۱۸۱

[3] ''اشرف المشکوٰۃ جلد اول'' صفحہ ۴۲۷

[4] ''مشکوٰۃ المصابیح'' (مرآۃ شرح مشکوٰۃ) جلد اول، عذاب قبر، صفحہ ۱۳۴

[5] ''اشرف المشکوٰۃ (ناشر مکتبہ تھانوی دیوبند ضلع سہارنپور یوپی، طباعت ۱۹۹۳ء جلد اول'' صفحہ ۴۲۷

''یعنی چار ہزار نو سو گز جو ستر کی ضرب ستر میں دینے سے حاصل ہے۔ یعنی ستر گز لمبی ستر گز چوڑی کل رقبہ چار ہزر نو سو۔''[1]

اس مقام پر حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کے ترجمہ حدیث وتشریح حدیث میں سر مو بھی فرق نہیں ہے۔ تاویلات سے بے نیاز، قارئین کے ذہن کو تسکین اور قلب کو اطمینان بخشتا ہے۔ موصوف کو ترجمہ کے فن پر کامل عبور حاصل ہے انہوں نے حدیث کے مفہوم کو آسان اور مربوط طریقے سے پیش کر کے کارہائے نمایاں انجام دیا ہے۔

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی شارح مشکوٰۃ شریف ''اردو'' لفظ ''صلوٰۃ'' کی تشریح اس طرح کرتے ہیں۔

صلوٰۃ کا لفظ (صَلْوٌ کے تثنیہ) صَلَوَیْن سے نکالا گیا ہے اور ''صَلَوَیْن'' سرین کی دونوں ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ (جبکہ صَلْوٌ کے لغوی معنی ہیں: سرین کی ہڈی پر مارنا، سرین کی ہڈیاں ہلانا) اور اس خاص عبادت میں رکوع وسجود وغیرہ کے وقت چونکہ زیادہ تر سرین کی ہڈیاں ہی ہلتی ہیں۔ حرکت کرتی ہیں، اس لئے عبادت کو صلوٰۃ کہا گیا۔''[2]

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان لفظ صلوٰۃ کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں۔

صلوٰۃ، صَلْیٌ سے بنا بمعنی گوشت بھوننا، آگ پر پکانا، رب فرماتا ہے سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ۔ نیز آگ سے لکڑی سیدھی کرنے

---

[1] ''مشکوٰۃ المصابیح'' (مرأۃ شرح مشکوٰۃ) عذاب قبر، جلد اول صفحہ ۱۲۷

[2] ''مظاہر جدید'' (شرح مشکوٰۃ شریف اردو) کتاب الصلوٰۃ جلد اول صفحہ ۵۰۰

کو تصلیہ کہا جاتا ہے چونکہ نماز اپنے نمازی کے نفس کو مجاہدہ و مشقت کی آگ پر جلاتی ہے نیز اسے سیدھا کرتی ہے اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اب صلوٰۃ کے معنی دعا، رحمت، نزول رحمت، استغفار، سرین ہلانا ہیں چونکہ یہ سب چیزیں نماز میں ہوتی ہیں اس لئے نماز کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔"[1]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان کی شخصیت گوناگوں خصوصیات کی حامل ہے آپ کی شرح عالم اسلام کے لئے رہنمائی کی حیثیت رکھتی ہے جو ہدایت و حقیقت کا کنزِ بے بہا ہے۔ علماء و عوام کی تشنہ لبی دور کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے آپ حدیث رسول ﷺ کے مطالب کو عقلی، نقلی، دلائل کے ساتھ آیت قرآنی کی روشنی میں پیش کر کے تمام شارحین پر سبقت لے گئے ہیں۔ مختلف فنون میں آپ نے شاندار علمی کارنامے پیش کر کے زبان اردو کو بلندی سے ہمکنار کر دیا۔

ان اقتباسات سے بخوبی آپ کی شرح کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ شیخ التفسیر والحدیث مفتی احمد یار خان نے لفظ صلوٰۃ کے مفہوم کو صحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے قرآن کی آیت بطور دلائل پیش فرمایا ہے۔ موصوف کو حدیث فہمی کے علاوہ زبان اردو پر بھی مکمل دسترس حاصل ہے۔ آپ نے عصر حاضر کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے شستہ، سلیس، عام فہم اور معنی خیز شرح فرمائی۔ آپ ہر فن میں یکتائے روزگار ہیں۔ آپ کے تبحر علمی کا اعتراف آپ کی شرح کا مطالعہ سے ہوتا ہے۔ ہر زبان میں کسی بھی لفظ کے بہت سے معنی ہوتے ہیں۔ ان مختلف معنوں میں سے کسی ایک معنیٰ کو مفہوم کے لحاظ سے منتخب کرنا اہل زبان و بیان کی ذمہ داری ہے۔ یہ آپ کی عظیم خوبی ہے کہ کم سے کم جملوں میں کثیر مطالب بیان فرمادیتے

[1] "مشکوٰۃ المصابیح (مراۃ شرح مشکوٰۃ) کتاب الصلوٰۃ" جلد اول صفحہ ۳۶۰

ہیں یہ بالغ نظری، وسعت مطالعہ، کتب متداولہ پر عبور اور اس کے ساتھ ہی جدت طبعی اور حقائق تک پہنچنے والی بصیرت کا نتیجہ ہے۔

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی، شرح مشکوۃ، باب الکبائر علامات النفاق، تیسری فصل، حضرت معاذؓ کو دس باتوں کی وصیت کی، روایت کی تشریح اطاعت والدین سے متعلق اس طرح کرتے ہیں، لکھتے ہیں۔

> ''اگر ماں باپ تمہیں تمہارے اہل وعیاں سے الگ ہو جانے یا تمہیں تمہارے مال واسباب اور املاک وجائیداد سے دستبردار ہو جانے کا بھی حکم دیں تو اس حکم کی اطاعت کرو۔ اس بارہ میں بھی اصل مسئلہ یہ ہے کہ ماں باپ کا یہ حکم ماننا واجب نہیں ہے۔ تاکہ حرج ونقصان میں مبتلا ہونا لازم نہ آئے۔'' [1]

اس تشریح کے برعکس حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان نے باب الکبائر کی روایت کی تشریح میں اطاعت والدین کی تشریح اس طرح درج فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

> یہ حکم استحبابی ہے والدین کے حکم پر بیوی کو طلاق دیدینا مستحب ہے اسمٰعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اشارہ پا کر طلاق دے دی یہ مستحب عمل تھا۔ مگر ماں باپ کے حکم سے بیوی یا بچوں پر ظلم نہ کرے کہ ظلم سے بچنا اللہ ورسول کا حکم ہے۔ ان کا حکم ماننا ماں باپ کے حکم پر مقدم ہے ایسے ہی اگر ماں باپ کفر یا معصیت کا حکم دیں تو نہ مانے، رب فرماتا ہے: وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ فَلَا تُطِعْهُمَا۔'' [2]

---

[1] ''مظاہر حق جدید'' (شرح مشکوۃ شریف اردو) جلد اول صفحہ ۱۲۲

[2] مشکوۃ المصابیح (مراۃ شرح مشکوۃ) جلد اول صفحہ ۷۹

پیش کیے گئے اقتباسات سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کی تشریح میں قوت تفہیم نہیں ہے۔اس کے برعکس حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کی تشریح زیادہ تشفی بخش معیاری اور معتبر ہے آپ نے درمیان تشریح مسائل بھی بتائے اور انبیاء علیہ السلام کا عمل بھی۔آیت قرآنی کو بطور دلائل بھی پیش فرمایا لہٰذا آپ کی تشریح میں عظمت وجلالتِ قدر کا اعتراف ہے۔فن حدیث کی تشریح کی حیثیت سے عصر حاضر میں کوئی بھی نظیر نہیں ملتی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ زَارَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّم قَبْرَاُمِّهٖ فَبَکٰی وَاَبْکٰی مَنْ حَوْلَهٗ فَقَالَ اِسْتَاذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ وَاسْتَاذَنْتُهٗ فِیْ اَنْ اَزُوْرَ اَقْبَرَهَا فَاُذِنَ لِیْ فَزُوْرُوْاالْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَکِّرُ الْمَوْتَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی سرکار روحی فداجناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے متعلق مذکورہ حدیث کا ترجمہ تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر تشریف لے گئے تو آپ روئے اور ان لوگوں کو بھی رلایا جو آپ کے ہمراہ تھے پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت چاہی تھی کہ اپنی والدہ کے لئے بخشش چاہوں مگر مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی، پھر میں نے اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت مانگی کہ اپنی والدہ کے قبر پر حاضری دوں تو مجھے اس کی اجازت عطا فرمادی گئی، لہٰذا تم قبروں پر جایا کرو کیونکہ قبروں پر جانا موت کو یاد دلاتا ہے۔"

اس حدیث کی تشریح میں محمد قطب الدین خان دہلوی لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کا انتقال حالت کفر میں ہوا تھا۔''[1]

محمد قطب الدین خان دہلوی، کی تشریح کے بعد دوسری توجیہ شیخ التفسیر والحدیث مفتی احمد یار خان کی نہایت اہم اور مہتم بالشان ہے۔ موصوف نے نیک نیتی اور خلوص سے شرح پیش کی ہے انہوں نے جب کسی مسئلہ کی تحقیق کی ہے تو مع اختصار معتبر اقوال و آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے۔ اپنی معرکۃ الآرا شرح میں عقائد حقہ کی اہمیت کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے۔ آپ کی شرح میں فن حدیث کی گہرائی بدرجہ اتم موجود ہے۔ تفہیم حدیث و تشریح حدیث کے لئے ادب، سلیقہ، شعور لازمی ہے نیت کی درستگی عقائد کی پختگی انسان کو کبھی گمراہ نہیں کر سکتی، تعظیم و تکریم کی دولت کسی بھی مقام میں صاحب ایمان کو ذلیل و رسوا نہیں کر سکتی۔ درستگی نیت اور ادب کی دولت یہ وہ چیزیں ہیں کہ جس بندۂ مومن کو حاصل رہیں وہ دارین کی ہر منزل میں کامیاب و کامران ہے اور رہیگا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی حدیث مذکورہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت حضور نبی کریم ﷺ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے متعلق اس طرح تشریح کرتے ہیں۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی بہت تو روئے اور اپنے ساتھ والوں کو رولایا۔ پھر فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے ان کیلئے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت مانگی تو اس کی اجازت نہ دی گئی اور ان کی قبر شریف کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اس کی اجازت دے دی گئی اور فرمایا کہ قبروں کی زیارتیں کیا کرو کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔'' مسلم[2]

---

[1] مظاہر حق جدید (شرح مشکوٰۃ شریف) زیارت قبور کا بیان، جلد دوم، صفحہ ۴۷۸

[2] مرآۃ شرح مشکوٰۃ، قبروں کی زیارت، جلد دوم، صفحہ ۵۲۳

تشریح

اس جملہ کی وجہ سے بعض لوگوں نے سمجھا کہ حضرت آمنہ خاتون کافرتھیں اس لئے حضور ﷺ کو آپ کے لئے دعاء مغفرت سے منع کر دیا گیا۔ اس رو میں مولانا علی قاری بھی بہ گئے، عام دیوبندی یہی کہتے ہیں مگر یہ محض غلط ہے اگر آپ کافرہ ہوتیں تو حضور انور ﷺ کو زیارت قبر کی بھی اجازت نہ ملتی۔ رب فرماتا ہے۔ لَاتَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ زیارت، قبر کی اجازت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مومنہ ہیں۔ حضور انور ﷺ کو دعائے مغفرت سے اس لئے منع کیا گیا کہ حضرت آمنہ بالکل بے گناہ ہیں انہوں نے احکام شرعیہ کا زمانہ پایا ہی نہیں پھر گناہ ان سے کیوں کر سرزد ہوتے اور دعائے مغفرت گنہگار ہی کی کی جاتی ہے۔ دیکھو بچہ کے جنازہ میں اس کیلئے دعائے مغفرت نہیں کرتے آج حضور ﷺ کیلئے دعائے مغفرت منع، حضرت آمنہ خاتون کا ایمان قرآن کریم کی صریح آیت سے ثابت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ پھر فرمایا رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ خدایا میری اولاد میں ہمیشہ ایک مومن جماعت رہے اور اے مولیٰ اسی مومن جماعت میں نبی آخر الزماں کو بھیج، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا یقیناً قبول ہوئی حضور ﷺ کے تمام آباد و اجداد مومن ہیں۔ [1]

شیخ التفسیر والحدیث مفتی احمد یار خان نے حضرت آمنہ خاتونؓ کے ایمان سے متعلق آیت قرآنی کا جو استدلال کیا ہے معترضین کیلئے مسکت براہین اور کاری ضربیں ہیں۔

لَاتَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک وہ اللہ اور رسول سے منکر ہوئے [2]

---

[1] مرآۃ شرح مشکوٰۃ، قبروں کی زیارت، جلد دوم، صفحہ ۵۲۴

[2] قرآن کریم پارہ ۱۰ اعلموا، سورۂ توبہ، رکوع ۱۶

اس آیت مقدسہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر کی قبر کی زیارت منع ہے اور حضور کو آمنہ خاتونؓ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی گئی لہٰذا وہ مومنہ ہیں۔ اگر کافرہ ہوتیں تو حضور ﷺ ان کی قبر پر ہرگز نہ جاتے۔

دیگر آیت مقدسہ سے شارح نے جو استدلال کیا ہے وہ یہ ہے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ

ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار رہے [1]

تیسری آیت مبارکہ:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے [2]

یعنی اس امت مسلمہ میں نبی آخر الزماں کو بھیج حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ہمارے حضور کی تشریف آوری کی دعا کی۔ حضور دعائے ابراھیم و بشارت مسیح ہیں۔ اس استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور امت مسلمہ میں پیدا ہوئے اور حضور کے آباؤ اجداد موحد مومن تھے آپ کی شرح کی بڑی خوبی یہ ہے کہ تحقیقات حدیثیہ وتدقیقات فقیہہ کا دریائے ذخار موجیں مارتا نظر آتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَآئَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ هَلَكْتُ قَالَ مَالَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلٰى اِمْرَأَتِيْ وَاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا قَالَ

[1] قرآن کریم پارہ الٓمٓ، سورہ بقرہ رکوع ۱۴
[2] قرآن کریم پارہ الٓمٓ، سورہ بقرہ رکوع ۱۴

اَجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَىٰ ذٰلِكَ اُ
تِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهِ تِبْرٌ وَالْعِرَقُ الْمِكْتَلُ
الضَّخْمُ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ قَالَ اَنَا قَالَ فَاَخُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ
الرَّجُلُ اَعَلَىٰ اَفْقَرَ مِنِّيْ يَارَسُوْلَ اللهِ فَوَاللهِ مَابَيْنَ لَابَتَيْهَا يُرِيْدُ لَا فِيْ
لَابَتَيْهَا اَهْلُ بَيْتٍ اَفْقَرَمِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ اَنْيَابُهٗ ثُمَّ قَالَ اَطْعِمْهُ اَهْلَكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص (کہ جس کا نام سلمہ بن فخر الارضادی البیاضی تھا) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا (ایک گناہ سرزد ہو جانے کی وجہ سے) میں تباہ ہوگیا! آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا، آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس غلام ہے جسے تم (بطور کفارہ) آزاد کرسکو، اس نے کہا کہ ''نہیں''! آپ نے فرمایا کیا تم میں اتنی طاقت ہے کہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھ سکو؟ اس نے کہا کہ ''نہیں''! آپ نے فرمایا کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی استطاعت رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا اچھا تم بیٹھ جاؤ اور آپ (اس انتظار میں رہے کہ کوئی) شخص کچھ لائے تو اسے دے دیں تاکہ وہ بطورِ کفارہ صدقہ کر دے) چنانچہ ہم اس طرح بیٹھے رہے کہ اسی وقت آپ کی خدمت میں ایک عَرَق آیا جس میں کھجوریں تھیں اور عَرَق ایک بڑے تھیلے کو کہتے تھے (جو کھجور کے پٹھے کا بنا ہوا ہوتا تھا اور جس میں ساٹھ سیر سے لے کر اسی سیر تک کھجوریں آتی تھیں) آپ نے (اسے دیکھ کر) فرمایا کہ سائل کہاں ہے؟ اس

نے کہا کہ "میں یہیں ہوں"! آپ نے فرمایا "لو یہ کھجوریں پکڑو اور انہیں خدا کی راہ میں (محتاجوں کو) تقسیم کردو! اس شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا میں یہ کسی ایسے شخص کو دے دوں جو مجھ سے بھی زیادہ محتاج ہو؟ (یعنی میں تو خود سب سے زیادہ محتاج ہوں دوسرے لوگوں کو کیسے دوں؟) خدا کی قسم! مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان کوئی ایسا گھرانہ نہیں جو میرے گھرانے سے زیادہ محتاج ہو اور مدینہ کے دونوں کناروں سے مراد وہ دونوں پہاڑیاں تھیں (جو مدینہ کے جانب شرق اور جانب غرب واقع ہیں) نبی کریم ﷺ (اس کی بات سن کر) ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ اچھا یہ کھجوریں اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ۔" (بخاری مسلم)

حدیث مذکورہ کی شرح" علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اپنے اہل عیال کو کفارہ دینے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا خواہ اصول میں سے یعنی باپ دادا وغیرہ ہوں جہاں تک حدیث بالا کا تعلق ہے اس سے اپنے اہل عیال کو کفارہ دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے، تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا اس شخص کے ذمہ کفارہ ادا ہو گیا تھا یا نہیں؟ چنانچہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ کفارہ ادا ہو گیا تھا اور یہ حکم صرف اسی کے ساتھ مخصوص تھا کہ آنحضرت ﷺ نے بطور خاص اس کو اجازت عطا فرمادی تھی کہ وہ کھجوریں جو کفارہ کے طور پر اس کی طرف سے دی جاتی تھیں اپنے اہل وعیال کو کھلانے پر صرف کردے اور چونکہ یہ ایک مخصوص معاملہ تھا اس لئے کسی دوسرے کے لئے یہ جائز نہیں بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس وقت اس کے ذمہ سے کفارہ ادا نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے ذمہ باقی رہا تھا۔"[1]

---

[1] مظاہر حق جدید (شرح مشکوٰۃ شریف) روزہ پاک کرنے کا بیان جلد دوم، صفحہ ۶۴۲ تا ۶۴۳

اس حدیث مذکورہ کا ترجمہ وتشریح شیخ التفسیر والحدیث مفتی احمد یار خان اس طرح پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ترجمہ: روایت ہے انہی سے فرماتے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں تھے کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا یارسول اللہ میں تو ہلاک ہو گیا فرمایا تجھے کیا ہوا۔ عرض کیا میں نے بحالت روزہ اپنی بیوی سے صحبت کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو کیا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے بولا نہیں فرمایا کیا ساٹھ مسکینوں کا کھانا پاتا ہے بولا نہیں فرمایا بیٹھ جا نبی کریم ﷺ نے کچھ توقف فرمایا ہم اسی حال میں تھے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں زنبیل لائی گئی جس میں کھجوریں تھیں عرق بڑی زنبیل ہوتی ہے فرمایا مسئلہ پوچھنے والا کہاں ہے بولا یہیں ہوں فرمایا یہ لے لے اور صدقہ کر دے اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر صدقہ کر دوں خدا کی قسم مدینہ کے دو گوشوں یعنی دو سنگلاخوں کے بیچ میرے گھر والوں سے زیادہ کوئی خاندان محتاج نہیں نبی کریم ﷺ ہنس پڑے حتٰی کہ آپ کے دانت مبارک چمک گئے فرمایا اپنے گھر والوں کو ہی کھلا دے (مسلم بخاری)''

حدیث مذکورہ سے متعلق شیخ التفسیر مفتی احمد یار خان نے عمدہ پیرائے پر بطور اختصار ہر گوشہ کو اجاگر کرتے ہوئے اس طرح تشریح فرمائی ہے۔

تشریح

اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ماہ رمضان میں بحالت روزہ عمدًا دن میں صحبت کر لینے سے قضاء بھی واجب کفارہ بھی، دوسرے یہ کہ عمدًا کھا پی لینے سے بھی کفارہ واجب ہے تیسرے یہ کہ اگر عورت سے جبرًا صحبت کی ہو تو اس پر کفارہ نہیں بلکہ مرد پر ہوگا چوتھے یہ کہ

کفارہ میں ترتیب معتبر ہے روزے کی طاقت نہ ہونا، بڑھاپے، بیماری، غلبہ شہوت ہر طرح سے ثابت ہو جاتا ہے یعنی اس صدقہ کا پہلے تو مالک بن جا، پھر مالک ہو کر اپنی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو خیرات کردے کیونکہ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے یعنی اپنا یہ کفارہ تو خود بھی کھالے اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلا دے، تیرا کفارہ ادا ہو جائے گا یہ ہے حضور ﷺ کا اختیار خداداد، کہ مجرم کے لئے اس کا کفارہ اس کے لئے انعام بنا دیا، ورنہ کوئی شخص اپنا کفارہ، اپنی زکوٰۃ، نہ تو خود کھا سکتا ہے، نہ اس کے بیوی بچے، مگر یہاں اس کا اپنا ہی کفارہ ہے اور اپنے آپ ہی کھا رہا ہے۔ یہاں بعض لوگوں نے بڑے غوطے کھائے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کفارہ نہ تھا، کیونکہ وہ فقیر تھا اور ایسے فقیر پر مالی کفارہ واجب نہیں بلکہ حضور ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ ابھی تو یہ کھالے، جب کبھی تیرے پاس مال آئے تو کفارہ ادا کر دینا۔ مگر یہ غلط ہے چند وجوں سے، ایک یہ کہ حضور انور ﷺ نے صاف فرمایا فَتَصَدَّقْ بِهٖ اس کا صدقہ دیدے، پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کفارہ نہ تھا، اگر فقیر کو بقدر کفارہ مال دیدیا جائے، تو وہ کفارہ ضرور دے، یہاں ایسا ہی ہوا، دوسرے یہ کہ حضور انور ﷺ نے اس سے یہ نہ فرمایا کہ آئندہ تو کفارہ دے دینا تم یہ کہاں سے کہتے ہو، یہ قید اپنی طرف سے ہے حدیث میں نہیں آئندہ کفارہ دلوانا ہوتا تو اس خصوصیت کے کیا معنی

یہ حضور ﷺ کے خداداد اختیار میں سے ہے[1] حضرت حکیم الامت بدایونی مفتی احمد یار خان نے شرح حدیث کی تحقیق میں روایت کے گوشوں کو اجاگر کیا ہے یہ ترجمہ و تفسیر اس قدر جامع ہے کہ خاص و عام کے لئے شمع ہدایت ہے۔ اس میں نثر کا حسن بھی اور شرح کی دلکشی و دلبری بھی۔ شارح نے معانی حدیث کے ہر پہلو پر جامع بحث درج کی ہے۔ فن حدیث کے مدعی کی غلطیوں پر کاری ضرب لگائی ہے۔ اب تک مصابیح شریف کی کوئی بھی شرح اس

---

[1] مرآۃ شرح مشکوٰۃ، روزے کو پاک رکھنا، جلد سوم، صفحہ ۱۶۱ تا ۱۶۲

قدر تحقیق سے نہیں لکھی گئی۔ موصوف کی شرح اپنی برجستگی، دل نشینی اور اثر آفرینی میں امتیازی شان رکھتی ہے۔ آپ کی شرح میں فنی لوازمات کا حسن علمی گتھیاں سلجھاتا ہوا حدیث کی اہمیت کا معیار بتاتا ہے۔ شرح حدیث کو تحقیق کے بعد مرتب کر کے پیش کرنے میں شارح نے جس قدر کاوش کی ہے وہ آپ کا لازوال کارنامہ ہے۔ شارح نے ترجمہ حدیث کے سلسلہ میں جس مفہوم کیلئے جو لفظ استعمال کیا ہے۔ اس پر وہ لفظ پوری دلالت کرتا ہے۔ ہر لفظ کی باریکی اور توانائی کی بھی نشان دہی کر کے مہارت کا ثبوت پیش کر دیا۔ جس میں فصاحت و بلاغت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ یہ آپ کے فن حدیث کا کمال ہے کہ اختصار کے ساتھ شرح پیش کر کے بے شمار مسائل کا استنباط کیا ہے۔

....

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعٰی لِلنَّاسِ النَّجَاشِیَّ الْیَوْمَ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ وَخَرَجَ بِهِمْ اِلَی الْمُصَلّٰی فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ حدیث:

اور حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کے انتقال کی خبر لوگوں کو اسی روز پہنچائی جس دن کہ اس کا انتقال ہوا تھا۔ پھر صحابہؓ کے ہمراہ عیدگاہ تشریف لے گئے وہاں سب کے ہمراہ نماز جنازہ کے لئے صف بندی فرمائی اور چار تکبیریں کہیں۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

از مظاہرِ حق جدید جلد دوم

تشریح

چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ کو بہت زیادہ صدمہ ہوا اور آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے انتقال کی خبر دی اور سب کو لے کر عید گاہ تشریف لے گئے اور وہاں ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔[1]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان "بادشاہ نجاشی" سے متعلق حدیث کا ترجمہ اور تشریح اس طرح فرماتے ہیں۔

ترجمہ حدیث:

روایت ہے انہی سے (حضرت ابو ہریرہؓ) کے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو نجاشی کی موت کی خبر دی جس دن انہوں نے وفات پائی اور حضور صحابہ کے ساتھ عید گاہ تشریف لے گئے ان کی صفیں بنائیں اور چار تکبیریں کہیں (مسلم و بخاری)

تشریح

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی نگاہ دور نزدیک غائب حاضر سب کو دیکھ لیتی ہے کہ حبشہ اور مدینہ منورہ میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہے (مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ پنجگانہ جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ منع ہے میت مسجد میں ہو یا نہ ہو، اس لئے حضور ﷺ نے یہ نماز مسجد نبوی شریف میں نہ پڑھی بلکہ ان کو باہر لے گئے۔ اس حدیث کی بنا پر لوگ نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہیں مگر ان کی یہ دلیل کمزور ہے۔ اس لئے کہ نماز غائبانہ صرف حضور ﷺ ہی نے پڑھی کسی صحابی نے کبھی نہ پڑھی۔

---

[1] مظاہر حق جدید (شرح مشکوٰۃ شریف اردو) جنازہ کا بیان، جلد دوم، صفحہ ۴۲۰

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کی شرح حدیث کا مطالعہ کرنے کے بعد بخوبی اس بات کا علم ہوتا ہے کہ موصوف کی پیش کردہ شرح میں جاذبیت نظر نہیں آتی ایک صاحب استعداد شارح کے لئے ضروری ہے کہ وہ حدیث کی شرح کرنے میں کسی گوشہ کو تشنہ نہ چھوڑے۔ نیز حدیث پر مفصل تبصرہ کرنا اس کا امتیازی وصف ہوتا ہے۔ موصوف کا کیا ہوا ترجمہ حدیث وتشریح حدیث میں خصوصیات کا نہ ہونا کوتاہ نظری کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کے برعکس حضرت مفتی احمد یار خان نے اسی حدیث کی شرح میں نبی کی قوت، بصارت، بصیرت، حبشہ و مدینہ کی مسافت اور فقہی مسائل درج فرمائے جو معیار کے اعتبار سے انفرادی شان رکھتا ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رسول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِىْ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ وَ يَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حدیث مذکورہ کا ترجمہ وتشریح کرتے ہوئے علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی لکھتے ہیں۔

ترجمہ: اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''ماہر قرآن ان فرشتوں کے ساتھ ہے جو لکھنے والے اور بزرگ و نیکوکار ہیں اور وہ شخص کہ جو قرآن کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور قرآن (پڑھنا) اس کے لئے مشکل ہوتا ہے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح

ماہر قرآن وہ شخص ہے جس کو قرآن خوب یاد ہو۔ اٹکے بغیر پوری روانی سے پڑھتا ہو اور اس کے لئے قرآن پڑھنا کوئی مشکل اور دشوار امر نہ ہو۔[1]

---

[1] مظاہر حق جدید (شرح مشکوٰۃ شریف اردو) فضائل قرآن کا بیان، جلد سوم، صفحہ ۹

حضرت حکیم الامت کا ترجمہ وتشریح

''روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قرآن کا عالم معزز فرشتوں اور محترم و معظم نبیوں کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو اور قرآن اس پر گراں ہو اس کے لئے دو ثواب ہیں۔ (مسلم و بخاری)

تشریح

قرآن کریم کا ماہر وہ عالم ہے جو الفاظ قرآن معانی و مسائل قرآن اسرار و رموز قرآن کا واقف ہو اس کا بڑا درجہ ہے۔''[1]

یعنی حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے قطب الدین خان کے برعکس جو مفہوم مراد لیا ہے وہ اپنے صحیح تناظر میں ہے۔ پیش کردہ ترجمہ وتشریح سے شیخ التفسیر والحدیث کا ترجمہ اور شرح کا جب ہم دیگر تراجم و شرحوں سے تقابلی مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دوسرے شارحین مفسرین و مترجمین حدیث کی نظر معنویت حدیث تک نہیں پہنچ سکی اور ان کے ترجمہ حدیث سے ہی حدیث شریف کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے چنانچہ محمد قطب الدین خان دہلوی کا ترجمہ وتشریح حدیث سے واضح ہے کہ انہوں نے ''ماہر قرآن'' کے متعلق جو تشریح کی ہے۔ اس تشریح سے معنیٰ اور مفہوم بالکل بدل گیا ہے اس ترجمہ وتشریح کے برعکس حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کا ترجمہ وتشریح معنیٰ و مفہوم کے عین مطابق ہے۔ یہ آپ کی عظیم خوبی ہے کہ وہی مفہوم اختصار کے ساتھ دلکش پیرایہ میں ادا کر دیا۔

حدیث: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى لَهَا الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ

---

[1] مرأۃ شرح مشکوٰۃ شریف (ذوطرات، اردو ترجمہ وشرح) قرآن پاک کے فضائل، صفحہ ۲۱۹

اس حدیث ولیمہ کے متعلق علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی، ترجمہ وتشریح اس طرح پیش کرتے ہیں۔

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔"

تشریح

لہٰذا حدیث کی مراد یہ ہے کہ جو ولیمہ ایسا ہو کہ اس میں صرف مالداروں کو بلایا جائے اور غرباء کو نہ پوچھا جائے تو وہ ایک برا ولیمہ ہے۔ چنانچہ اس وقت کچھ لوگوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے ولیمہ میں صرف مالداروں کو بلاتے اور انہیں اچھا اچھا کھانا کھلاتے اور بیچارے غریبوں کی بات بھی نہ پوچھتے تھے لہٰذا آپ نے گویا اس ارشادِ گرامی کے ذریعہ اس بری عادت سے منع فرمایا۔

اس حدیث ولیمہ سے متعلق محمد قطب الدین خان دہلوی کے ترجمہ وتشریح کے برعکس حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کا ترجمہ وتشریح اس طرح ہے۔[1]

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بدترین کھانا وہ ولیمہ ہے جس کے لئے مالدار تو بلائے جائیں اور فقراء چھوڑ دیے جائیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے حدیث بالا کی تشریح اس طرح درج فرمائی۔

"کیونکہ ایسے ولیمے میں زیادہ نام ونمود ہی ہوتا ہے للّٰہیت نہیں ہوتی۔ آج کل خوشی کے دعوتوں میں عموماً امراء اور موت وغیرہ غمی کی دعوتوں میں فقراء وطلبہ بلائے جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فقیر

---

[1] مظاہر حق جدید، ولیمہ کا بیان، جلد چہارم، صفحہ نمبر ۱۱۵

دعائیں کرتے ہیں کہ خدا کرے امیر مریں تاکہ ہم کو کھانا وخیرات ملے! اگر ولیمہ اور دیگر خوشی کی دعوتوں میں بھی فقراء بلائے جائیں تو یہ فقراء خوشی کی دعائیں کریں اسی لئے آج کل مشہور ہے کہ بھانڈ بنڈ یلے، مراثی، باجے والے تو خوشی کی دعائیں کرتے ہیں اور فقراء غمی کی، غرضیکہ حضور انور ﷺ کے ہر فرمان میں صدہا حکمتیں ہیں۔ بعض لوگ ان دعوتوں میں فقراء کو بھی بلاتے ہیں۔ مگر انہیں سب سے پیچھے اور ذلت وخواری سے کھلاتے ہیں یہ زیادہ برا ہے۔ فقراء بھی ہمارے بھائی ہیں۔"[1]

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کی پیش کردہ شرح کے تقابلی مطالعہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ موصوف کی تشریح و ترجمہ میں وہ خصوصیات نظر نہیں آتیں جو خصوصیات مفتی احمد یار خان صاحب کی شرح میں ہیں۔ قطب الدین خان صاحب نے جو ترجمہ پیش کیا ہے اسی ترجمہ کو اپنی شرح کی شرح بنائی۔ جس سے توضیح کا حسن بے آبرو دکھائی دیتا ہے۔ لغت کی اصلاح میں شرح کی معنیٰ کھول کر بیان کرنا ہے۔ شارح کی نظر ماضی اور حال دونوں پر ہونا لازمی ہے۔ شارح اپنی قوم کا نباض ہوتا ہے۔ جو احادیثِ رسول کی روشنی میں قوم کی گتھیاں سلجھانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ تشریح کرتے وقت صداقت کی کسوٹی کے ساتھ ساتھ ماحول اور حکمت، سماج میں پیدا ہونے والی یا رائج ہونے والی برائی پر گہری نظر ہونی چاہیے۔ عہد یداروں میں جو برائی رائج ہو یا ہونے والی ہو اس پر احادیث رسول کی روشنی کے مطابق اصلاح کی ضرورت ہے۔ کامیاب شارح کہلانے کا وہی مستحق ہے جس کی نظر فرمانِ رسول کی حکمت پر ہو۔ قطب الدین خان دہلوی کی شرح میں یہ تمام

[1] مرآت، ولیمہ کا بیان، جلد ۵، صفحہ ۷۵

خصوصیات مفقود ہیں اس کے برعکس حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کی شرح ان تمام خصوصیات کی حامل ہیں۔ خوشی کے موقع پر امیروں کی دعوت اور فقیر غربا طلبہ وغیرہ سے چشم پوشی سے جو نتیجہ نکلتا ہے فاضل مصنف نے اس نتیجہ کی نشاندہی کی ہے نیز اپنی شرح میں یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ بعض لوگ فقیر، غریب طلبہ کو دعوت دیتے تو ہیں مگر ان کی وہ مہمان نوازی نہیں کی جاتی جو امیروں کی ہوتی ہے۔ عہدِ رواں میں جو بالکل ظاہر ہے۔ ایسی دعوت اور زیادہ بری کیونکہ فقیر و غریب یہ بھی ہمارے بھائی ہیں لہٰذا خوشی کی دعوت میں غریبوں کو شریک کرنا تمام کے ساتھ مساوی سلوک کرنا مذہب اسلام کی اہمیت کا ثبوت اور اللہ و رسول کی خوشنودی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس حدیث کا یہی منشا ہے۔

فن حدیث کے میدان میں حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان ایک اہم ستون ہیں۔ حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کا قلم تشریح حدیث کے میدان میں بے باکانہ چلتا ہے وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے۔ صحیح اور کھری بات شرح میں پیش کرنے سے نہیں جھجکتے۔ مصلحت کو تشریح حدیث کی راہوں میں حائل ہونے نہیں دیتے۔ انہوں نے جب کسی کی تحریر و تشریح میں کوئی غلطی دیکھی تو اسے ہرگز معاف نہیں کیا۔ حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان جیسے مایہ ناز شارح نے تشریح حدیث کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ حدیث فہمی میں آپ کا انداز ہمہ گیر، ناقدانہ اور مدلل ہے۔ آپ نے دین کی ترویج کے لئے جو کام کیا ہے اس کی مثال ملنی محال ہے۔

....

حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَ هَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لُبَیْدٍ اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

حدیث مذکورہ کے متعلق علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کا ترجمہ وتشریح اس طرح ہے۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے لبید کا یہ کلام ہے کہ مت بھولو، اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے۔'' (مسلم بخاری)

تشریح

''لبید عرب کے بہت مشہور شاعر تھے، عربی ادب میں ان کے کلام اور ان کی شاعری کو سند کا درجہ حاصل ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ہدایت بھی بخشی اور ان کو قبولیت اسلام کے بعد صحابیت کا شرف حاصل ہوا، جس طرح زمانہ جاہلیت میں اپنے فن کی وجہ سے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح زمانۂ اسلام میں بہت معزز اکرم رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بڑی طویل حیات پائی تقریباً ایک سو ستاون سال (۱۵۷) کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔''[1]

حدیث مذکورہ کا ترجمہ وتشریح، شیخ التفسیر الحدیث اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نہایت سچی بات جو شاعر کہے وہ لبید کی بات ہے کہ یقیناً اللہ کے سواء ہر چیز فانی ہے۔'' (مسلم و بخاری)

تشریح

یہاں کلمہ سے مراد شعر ہے۔ لبید ابن ربیعہ عامری عرب کے مشہور شاعر ہیں یہ اپنی قوم بنی جعفر ابن کلاب کے وفد میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے

---

[1] مظاہر حق جدید، جلد پنجم، صفحہ ۴۲۹

حضور کے بعد کوفہ میں رہے ۴۱ھ اکتالیس ہجری میں وفات پائی ایک سو چالیس (۱۴۰) یا ایک سو پچھتر (۱۷۵) سال عمر ہوئی۔ کوفہ میں ہی مزار ہے اسلام لا کر کوئی شعر نہ کہا فرماتے تھے کہ اب مجھے قرآن کریم کی فصاحت کافی ہے۔ یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کے اشعار بارگاہ رسالت میں شرف قبول پا گئے تو خود بھی مقبول ہو گئے (مرقات)" چونکہ لبید نے یہ کلام زمانہ جاہلیت میں کہا تھا پھر قرآن کی آیت کے مطابق ہوا کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ یا فرمان كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اس وجہ سے بارگاہ نبوت میں بہت مقبول ہوا۔"[1]

مذکورہ حدیث کی شرحوں کے تقابلی مطالعہ سے شیخ التفسیر والحدیث کی شرح کی اہمیت آشکارا ہوتی ہے۔ آپ کی شرح میں جامعیت اور ادب کا حسن پایا جاتا ہے۔ علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کا ترجمہ: "سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے لبید کا یہ کلام ہے کہ۔" شیخ التفسیر والحدیث کا ترجمہ اس طرح ہے: "نہایت سچی بات جو شاعر کہے وہ لبید کی بات ہے۔" علامہ نواب قطب الدین خان دہلوی ترجمہ کرتے ہوئے پھر لکھتے ہیں: "مت بھولو، اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے۔" جبکہ شیخ التفسیر والحدیث نے اسی کا ترجمہ اس طرح پیش کیا ہے۔ "کہ یقیناً اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔" نہ صرف آپ کے ترجمہ میں ادبی حسن ہے بلکہ انہوں نے احادیث رسول کو دلکش و موثر اسلوب میں بیان فرما کر ادبی وفنی خصوصیات کو اجاگر کیا ہے انہوں نے زبان عربی کا ترجمہ بہتر اور صحیح انداز میں پیش کیا۔ شارح کا طرز تحریر دل نشین ہے جو اثر آفرینی میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی شرح میں ارشاد نبوی کی ادبی رجحانات کی بھی تعین ہوتی ہے۔ موصوف کے ترجمہ میں احادیث کی لسانی حیثیت کا بخوبی لحاظ رکھا گیا ہے۔ انہوں نے احادیث کے مفہوم و مدعا کو زبان اردو

[1] مرات، جلد ششم، صفحہ ۴۲۷

میں بیان کر کے شیدائیانِ فن حدیث کی تفہیم میں اضافہ کر دیا ہے۔ شیخ التفسیر والحدیث نے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح پیش کر کے ظلمتوں میں بھٹکتی انسانیت کو راہ مستقیم کی شاہروں میں کھڑا کر دیا ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُلِقَتِ الْمَلٰئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ وَّ خُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنَ النَّارِ وَخُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

مذکورہ حدیث کا ترجمہ و شرح، علامہ نواب قطب الدین خان، اس طرح لکھتے ہیں۔

ترجمہ: ''اور ام المومنین عائشہؓ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے، جس میں دھواں ملا ہوتا ہے اور آدمؑ کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جو تمہیں بتادی گئی ہے۔''

تشریح

''قاموس میں لکھا ہے کہ ''نور'' کے معنی یا تو ''روشنی'' کے ہیں یا روشنی سے پھوٹنے والی شعاع کے ہیں! بہر حال یہاں حدیث میں وجودِ نور سے مراد اصل روشنی یعنی وہ جوہر ہے جس سے روشنی وجود میں آتی ہے پس فرشتوں کی تخلیق اسی جوہر روشنی سے ہوئی ہے لفظ جانّ کے معنی یا تو جن یا جنات کے ہیں، یا اس لفظ سے مراد جنّات کی وہ اصل (یعنی ان کا باپ) ہے جس سے جنّات کی نسل چلی ہے، جیسے انسان کے باپ حضرت آدم ہیں۔''[1]

علامہ نواب قطب الدین خان دہلوی کے ترجمہ ع تشریح کے برعکس شیخ التفسیر و الحدیث مفتی احمد یار خان کا ترجمہ و تشریح اس طرح ہے۔

---

[1] مظاہر حق جدید، ابتدائے پیدائش، جلد ششم، صفحہ ۵۵۴

ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ ﷺ سے راوی فرمایا فرشتے نور سے پیدا کئے گئے اور جنات خالص آگ سے پیدا کئے گئے اور آدم اس سے پیدا کئے گئے جو تم سے بیان کیا گیا'' (مسلم)

تشریح

نور کے معنیٰ ہیں روشنی یعنی بذات خود ظاہر دوسروں کا مظہر یہاں چمکدار جوہر مراد ہے۔ جس میں کثافت بالکل نہ ہو (اشعۃ اللمعات) یعنی فرشتوں کی پیدائش ایسے جوہر سے ہے جو چمکدار ہے اس میں کثافت بالکل نہیں۔ ہمارے جسموں کی پیدائش خاک سے ہے جو کثیف ہے۔ اگرچہ اس میں آگ و پانی کی ملاوٹ بھی ہے جنات کی پیدائش کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے وَالْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ اگرچہ آگ بھی لطیف ہے کثیف نہیں مگر اس میں گرمی بھی ہے، نور میں گرمی نہیں صرف لطافت ہے نیز آگ نور اور کثافت کے درمیان ہے۔ نار خالص ہو تو محض چمک ہے۔ مکدر ہو تو محض دھواں یہ ہی فرق ہے فرشتے اور جن کے درمیان (اشعہ)۔''[1]

شیخ التفسیر والحدیث ایسے پایہ کے شارح حدیث ہیں جن کی شرح عالم اسلام کے لئے حجت ہے۔ آپ فن حدیث کے رمز شناس ہیں۔ آپ کی شرح دیگر شارحین کی نقد و تبصرہ سے کہیں زیادہ قدر و قیمت رکھتی ہے۔ آپ کی شرح کا فنی مقام تا حد اعجاز بلند ہے۔ آپ نے اپنی شرح مرآت میں مختصر سے مختصر الفاظ استعمال کر کے معانی کی پوری حقیقت سمیٹ دی ہے۔ شارح کے ذہن میں جو معنوی وسعت ابھری ہے اس کی حسین ترجمانی کی ہے۔ آپ کے ترجمہ و تشریح کی ترتیب میں حدیث فہمی کی کشش پائی جاتی ہے۔ رہتی دنیا تک

---

[1] مرآت ''پیدائش کی ابتداء اور نبیوں کا ذکر'' جلد ہشتم، صفحہ ۵۶۵

جب کبھی آپ کی شرح کا تنقیدی یا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا تو فن حدیث کی حیثیت سے ہمیشہ اس کو انفرادی مقام حاصل رہے گا۔ آپ کی شرح کی خوبیوں کا پورے طور پر تجزیہ ایک دشوار کن امر ہے۔ جیسا کہ آپ نے اپنی شرح حدیث میں نار ونور کا فرق، فرشتے و جن کا فرق بیان کر کے حقیقت کی وضاحت کی ہے۔ اسی نور سے متعلق علامہ نواب قطب الدین خان دہلوی نے فقط اتنا ہی تحریر کیا ہے کہ ''نور'' کے معنی یا تو روشنی کے ہیں یا روشنی سے پھوٹنے والی شعاع کے ہیں پس فرشتوں کی تخلیق اسی جوہر روشنی سے ہوئی ہے۔'' اس کے برعکس شیخ التفسیر کی شرح نے شارحین حدیث کے بلند ترین مقام پر فائز ہو کر اہم ذمہ داریوں کے تقاضوں کی تکمیل کی بھرپور سعی کی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّتِہٖ یَوْمَ عَرَفَۃَ وَھُوَ عَلٰی نَاقَتِہِ الْقَصْوَاءَ یَخْطُبُ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَااِنْ اَخَذْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

حدیث مذکورہ کا ترجمہ وتشریح ''علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی'' اس طرح کرتے ہیں لکھتے ہیں۔

ترجمہ: ''حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے حج کے موقع پر عرفہ کے دن اپنی قصواء نامی اونٹنی پر خطبہ دیتے سنا کہ فرمایا، لوگو! میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے: یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری اولاد میرے اہلبیت۔''

تشریح کتاب وعترت کی

اَخَذْتُمْ بِهٖ تم مضبوطی سے پکڑے رہو۔ پکڑنے سے مراد اطاعت وانقیاد اور عمل و پیروی ہے۔ ابن ملکؒ نے کہا کہ کتاب کر پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور عترت واولاد کو پکڑنے کا مفہوم یہ ہے کہ ان سے محبت کی جائے ان کی سیرت اختیار کی جائے اور ان کو قولاً فعلاً کسی طرح بھی ایذا نہ دی جائے۔

عترت سے آپ کی اولاد مراد ہے اور اہل بیت آپؐ کے قرابت دار جو قریب کی اولاد بھی ہے اور آپؐ کی ازواج مطہرات بھی، رضوان اللہ علیہم

آج عالم اسلام میں جس قدر پریشانیاں موجود ہیں ان کا واحد حل صرف یہ ہے کہ اہل اسلام حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کو بالکل بھول چکے ہیں۔"[1]

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کے، ترجمہ وتشریح کے برعکس شیخ التفسیر والحدیث مفتی احمد یار خان کا ترجمہ وتشریح اس طرح ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے حج میں عرفہ کے دن دیکھا جب کہ آپ اپنی اونٹنی، قصواء پر خطبہ پڑھ رہے تھے میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ اے لوگو میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم ان کو تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی اہل بیت ترمذی"

تشریح　کتاب وعترت سے متعلق جو تشریح ہے وہ اس طرح ہے۔

یہاں عترت سے مراد اہل بیت ہیں قرآن پکڑنے سے مراد اس کے احکام ماننا اور عترت کو پکڑنے سے مراد ہے ان کا احترام کرنا ان کی روایات پر اعتماد کرنا ان

---

[1] مظاہر حق جدید "اہلبیت کا بیان" جلد ہفتم، صفحہ ۳۸۹

کی فرمانوں پر عمل کرنا اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف اہلبیت ہی کو پکڑو باقی کو چھوڑ دو صحابۂ کرام کے متعلق ارشاد ہے۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ اہلبیت امت کے لئے کشتی ہیں، صحابہ امت کے لئے تارے ہیں۔ سمندر کے سفر میں دونوں کی ضرورت ہے۔ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اہل بیت رسول اللہ ﷺ خواہ ازواج پاک ہوں یا اولاد سب ہمیشہ ہدایت پر رہیں گے کبھی گمراہ یا بے راہ نہ ہوں گے۔ بعض شارحین نے کہا کہ اہل بیت کی اطاعت ان احکام میں ضروری ہے جو خلاف شرع نہ ہوں مگر حق یہ ہے کہ وہ حضرات نہ تو خلاف شرع کوئی کام کرتے ہیں نہ اس کا حکم دیتے ہیں۔ (مرقات)''[1]

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کی شرح ''مظاہر حق جدید'' کے تقابلی مطالعہ سے حقیقت واضح ہوتی ہے کہ موصوف کی شرح ایک محدود شرح ہے۔ جس میں تشریح حدیث کے تہ میں پائی جانے والی بات مفقود ہے۔ اس کے برعکس حضرت مفتی احمد یار خان تشریح حدیث کی خصوصیات کو واضح فرما کر پوشیدہ گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔ شارح نے مفہوم کی گہرائی کا احاطہ کیا ہے۔ حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان نے تشریح حدیث کی اہمیت کا حیرت انگیز نمونہ پیش کیا ہے۔ آپ کی شرح میں زور بیانی بھی ہے، فصاحت و بلاغت بھی ان کی شرح جادو کی طرح فریفتہ کرتی ہوئی نسیم سحر کی تازگی بخشتی ہے۔

حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان کی شرح کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس میں باریک سے باریک مسائل، دقیق سے دقیق معانی کی صراحت اور وضاحت نہایت مؤثر اور دلکش پیرائے میں کی گئی ہے اس میں دریا کی سی روانی اور صحرا کی

[1] مرات ''اہل بیت کے فضائل'' جلد ہشتم، صفحہ ۴۵۷

سی وسعت ہے۔ یہ شرح تنقیدی زاویہ نظر سے بھی اہم ہے، تحقیقی نقطہ نگاہ سے بھی۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے ہماری رہبری و رہنمائی کرتی ہے۔ تسکین کا سامان آپ کی شرح میں موجود ہے۔ اعلیٰ درجہ کے فہم و ادراک کی مظہر ہے اور بے بہا معلومات کا مخزن ہے۔

باب سوئم

حضرت حکیم الامت بحیثیۃ محقق

مفتی احمد یار خان بدیوانی علم میراث

حکیم الامت مفتی احمد یار خان کا یہ مختصر رسالہ ''علم المیر اث'' زبان، بیان اور اسلوب کے اعتبار سے ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اردو زبان میں اس موضوع پر بہت ہی کم کتابیں دستیاب ہیں۔ جو کتابیں موجود ہیں ان میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث نہیں ہے۔ جس طرح علم المیر اث میں موجود ہے۔

دین اسلام میں مسئلہ وارثت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جس کا جاننا ہر خاص و عام کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت (عَنْ اَبِیْ ھرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَلِّمُوْا الْفَرَائِضَ وَالْقُرآنَ وَعَلِّمُوْا النَّاسَ) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ علم میراث اور قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔

چونکہ علم میراث سے عدل و انصاف قائم ہے۔ جہاں تمام علوم کا تعلق زندگی سے ہے اور وہاں اس کا تعلق موت سے ہے نیز قرب قیامت سب سے پہلے یہ علم دنیا سے اٹھ جائے گا۔ اس لئے خصوصیت سے اس کے سیکھنے کی تاکید فرمائی گئی۔ آپ کی تصنیف میں فکر استدلال کی نکتہ سنجی ہے۔ مصنف نے مسئلہ علم میراث جیسے مشکل ترین مسئلہ کا خاکہ آسانی کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ یہ وہ اختصاص ہے جو کسی اور مصنف کے یہاں نظر نہیں آتا۔ یہ کتاب ۶۳ صفحات پر مشتمل ہے جس کا ۱۳۵۲ھ سنہ تصنیف ہے۔

قرآن حکیم میں ورثا کے حصے مقرر ہیں وہ کتنے ہیں اوران حصوں کے پانے والے وارث کون کون ہیں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"(۱) آدھا ۱/۲ ، (۲) چوتھائی ۱/۴ ، (۳) آٹھواں حصہ ۱/۸،

(۴) دوتہائی ۲/۳، (۵) ایک تہائی حصہ ۱/۳، (۶) چھٹا حصہ ۱/۶۔"

"وارث کل بارہ ہیں جن میں چار مرد ہیں اور آٹھ عورتیں ہیں۔ چار مرد یہ ہیں۔ (۱) میت کا باپ، (۲) میت کا دادا، (۳) ماں شریکا بھائی، (۴) خاونداور آٹھ عورتیں یہ ہیں۔ میت کی بیوی (۱)، بیٹی (۲)، پوتی (۳)، سگی بہن (۴)، باپ شریکی بہن (۵)، ماں شریکی بہن (۶)، ماں (۷)، دادی (۸)۔"

مصنف نے اس مقام پر واضح کر دیا ہے کہ قرآن مجید میں جو حصص مقرر ہیں وہ جملہ چھ ہیں اور ترکہ کے پانے والے کل بارہ افراد ہیں۔ جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں۔
اس کے علاوہ مصنف نے اپنی تصنیف میں واضح کر دیا ہے کہ کن چیزوں سے وارث وارثت سے محروم ہوتا ہے۔ وارثوں کے حصے نکالنے کے بیان میں یہ مسئلہ بھی واضح کیا ہے کہ بیوی اور ایک بیٹا کا حصہ کتنا۔ بیوی اور بھائی کے حصے کی مقدار کا مسئلہ، کسی وارث کا ترکہ سے نکل جانے کی صورت، میت کے ذی فرض وارثوں پر بچا ہوا مال دوبارہ بانٹنے کا طریقہ، ایک میت کا مال اس کے وارثوں میں ابھی تقسیم نہ ہوا تھا کہ بعض وارث مر گئے تو اس میت کے مال کا حکم کیا ہے۔ نواسی کے ہوتے ہوئے پوتی کیلئے بیٹی کیلئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔ مسئلہ وراثت میں گمشدہ سے مراد کیا ہے اور اس کے مال کے لئے کیا حکم ہے۔ قیدی وارث کا بیان۔ اگر قیدی وارث اپنا مذہب بدل دے تو اس کے لئے کیا مسئلہ ہے۔ جو لوگ جل کر یا

ڈوب کر یا دب کر مرجاویں ان سب مرنے والوں کے لئے کیا حکم ہے اور ان کا مال کسی طرح تقسیم ہوگا۔ باریک سے باریک مسائل میراث کی وضاحت علم المیراث میں کی ہے۔ جو شخص مرتد ہو گیا ہو خواہ وہ عورت ہو یا کہ مرد اس کا کیا حکم ہے۔ اگر شہر کے تمام لوگ مرتد ہو جائیں تو ان کے لئے کیا حکم ہے۔ اس مسئلہ کی مصنف نے کھلے لفظوں میں وضاحت فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''جو شخص مرتد ہو گیا وہ اپنے کسی رشتہ دار کے مال سے ورثہ نہیں پا سکتا چاہے وہ رشتہ دار مسلمان ہو یا وہ بھی مرتد ہو گیا ہو۔ اسی طرح مرتد عورت کسی کے مال سے ورثہ نہ پائے گی۔ ہاں اگر (معاذ اللہ) کسی شہر کے تمام لوگ مرتد ہو گئے تو ان میں سے ایک دوسرے کا مال ورثہ پائیں گے۔''

فتاوٰی نعیمیہ

حضرت مفتی احمد یار خان کا ''فتاوٰی نعیمیہ'' فقہ اسلامی کا بے بہا خزانہ ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف کی طرح آپ کے قلم سے نکلے ہوئے فتاوٰے اپنی نظیر آپ ہیں۔ آپ نے ہر باریک سے باریک مسئلہ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور طویل تدریسی مہارت کی روشنی میں حل کیا ہے۔ آپ نے پہلا فتوٰی دوراں طالب علمی انیس سال کی عمر میں یکم ربیع الاول ۱۹۱۳ء میں مراد آباد جامعہ نعیمیہ سے صادر فرمایا۔ جسے پڑھ کر حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین صاحب بے حد متاثر ہوئے اور دار الافتاء کی سند عطا کی اور آپ جامعہ نعیمیہ کے مفتی

قرار دیئے گئے۔

آپ نے تقریباً چوالیس سال تک فتاویٰ جاری فرمائے۔ آپ کی فتاویٰ نویسی کا سلسلہ حضرت صدرالافاضل سید نعیم الدین صاحب، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی، شیخ عبدالرحمٰن حنفی مکی سے ہوتا ہوا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے فتاویٰ کا نام فتاویٰ نعیمیہ ہے۔ ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ ناشر ادارہ کتب اسلامیہ لاہور ہے۔

(فتویٰ ۳۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ صحیح تاریخ ولادت باسعادت کیا ہے۔ آیا یکم ربیع الاول یا نو یا بارہ؟ علامہ شبلی مرحوم نے ۱۲ ربیع الاول سے انکار کیا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے ۹ ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ اس میں ترجیح کس تاریخ کو ہے اور کس پر اتفاق ہے۔

الجواب: بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْوَهَّاب

تمام اہل سیر و تاریخ اس پر متفق ہیں کہ روزِ ولادت باسعادت دوشنبہ مبارکہ ہے۔ اختلاف تین چیزوں میں ہے اولاً یہ کہ سال کون سا تھا دوم یہ کہ مہینہ کیا تھا۔ سوم یہ کہ تاریخ کی تھی۔ سال کے بارے میں اصح یہ ہے کہ وہ سال فیل تھا۔ ہلاکتِ اصحاب فیل سے بچپن دن کے بعد ولادتِ مبارکہ ہوئی لہٰذا اپریل ۵۷۰ء تھی۔ مہینہ کے بارے میں چھ قول ہیں۔ محرم، صفر، ربیع الآخر، رجب، رمضان لیکن صحیح ربیع الاول ہے۔ تاریخ کی بابت سات قول ہیں۔ ۲۔۸۔۱۰۔۱۲۔۱۷۔۱۸۔۲۲ ان سب میں مشہور تر معمول بہ قول بارہ کا ہے لہٰذا قابل عمل و قبول یہ قول ہے کہ ولادتِ مبارکہ ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ مطابق گیارہ اپریل ۵۷۰ء بوقتِ صبح صادق بنی اور اسی پر اہل عرب و عجم کا اتفاق ہے اور اہل تاریخ اسی کو اختیار کرتے ہیں چنانچہ

حرمین شریفین میں اسی تاریخ میں محفل میلاد شریف کا انعقاد ہوتا ہے اور اسی تاریخ میں اہل مکرمہ مولدِ پاک مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ مدارج میں فرماتے ہیں کہ مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود دروداز دہم ربیع الاول بود۔ بعضے گفتہ اند کہ بدوشبیکہ گذشتہ وبزد بعضے دہ آمدہ وقول اول اشہر واکثر است وعمل اہلِ مکہ برایں است وزیارت کردن ایشاں موضع ولادت دریں شب وخواندن مولود۔

مواہب وزرقانی میں ہے۔ فقیل ولد لليلتين خلتا منه۔ الخ

تاریخ ترجمہ ابن خلدون سوم صفحہ ۷ میں ہے۔ جمہور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ عبداللہ ابن عبدالمطلب کے انتقال کے چند مہینے بعد بارہویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے برس پچپن روز کے بعد حضور اقدس ﷺ پیدا ہوئے۔

اس میں حاشیہ پر ہے حضور اقدس ﷺ کی ولادت ۵۷۰ھ میں ہوئی تھی۔ غرض بااعتماد و مشہور ترین روایت یہ ہے کہ بارہ ربیع اول دوشنبہ صبح صادق ہے۔ ۹ ربیع الاول کا کسی نے قول نہیں کیا نہ ہی اوپر کی روایتوں سے معلوم ہوا۔ مولوی منظور صاحب کا ۹ کو ترجیح دینا جہالت ہے۔ ۹ کا قول ہی نہیں تو ترجیح کیسی؟ زیادہ تحقیق اعلیٰ حضرت قُدِسَ سِرُّہٗ کے رسالہ مبارکہ نطق الہلال میں دیکھو۔ واللہ اعلم۔[1]

فقہ کی اولین اساس اصول فقہ ہے۔ اصول فقہ وہ علم ہے جس سے احکام شرعیہ کو دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے یعنی شریعت کے عملی احکام بلادلائل سے جاننے کو علم فقہ کہتے ہیں۔ ہر دور کے علماء، فقہا، مفتیانِ کرام تمام مسائل کا حل اصولِ فقہ کی روشنی میں کرتے آئے ہیں۔ تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ فنِ فتویٰ نویسی عظیم وقدیم ترین فن ہے۔ ایک عالم دین کے تفقہ فی الدین اور تبحر علمی کا اندازہ اس کے فن فتویٰ نویسی سے لگایا جا سکتا ہے۔ فقہ

---

[1] فتاویٰ نعیمیہ، صفحہ ۴۶

اسلامی کے بارے میں انگریز پروفیسر وہیری نے ایک ترک ادیب کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ:

> ”تمہاری فقہ اسلامی اس قدر وسیع ہے کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ تم نے کیوں اپنے ملک اور زمانے کے موافق احکام اور قانون نظامِ فقہ اسلامی سے اخذ نہیں کیے۔“[۱]

فرانسیسی پروفیسر لامیری فقہ اسلامی کے بارے میں کہتے ہیں:

> ”جو کتابیں اسلامی شریعت کے بارے میں لکھی گئی ہیں وہ غیر فانی خزانہ ہے اور لازوال سرچشمہ ہیں جنہیں مسلمانوں کی غفلت اور بے توجہی سے زمانہ نے پوشیدہ کر دیا۔“[۲]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان اپنے زمانہ کے عظیم المرتبت فقہا میں سے ہیں۔ جنہوں نے محمد عربی ﷺ کے یوم ولادت شریفہ سے متعلق مختلف اقوال کو نقل کرتے ہوئے سال مہینہ، دن تاریخ کا حتمی فیصلہ مسئلہ کی توضیح، تنقیح، ترجیح دلیل اور ناقابلِ تردید علمی شواہد کے ساتھ تحریر فرمایا۔

---

۱ ماہنامہ پاسبان شمارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۷۹ء، صفحہ ۲۱

۲ ماہنامہ پاسبان شمارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۷۹ء، صفحہ ۲۱

شَانِ حَبِیْبُ الرَّحْمٰنْ بِآیٰتِ الْقُرْآنْ

حکیم الامت مفتی احمد یار خان کی تصنیف ''شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن'' ایک معرکتہ الآرا کتاب ہے جس میں آپ نے ایک سو دو (۱۰۲) آیات قرآنی سے یہ ثابت کیا ہے کہ سارا قرآن حکیم نعت رسول مقبول ﷺ ہے۔ مصنف نے اپنے دوسرے ایڈیشن میں ضمیمہ کا اضافہ کیا ہے۔ یہ کتاب وسط جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ میں شروع ہو کر ۳ شعبان المعظم بروز دوشنبہ ۱۳۶۱ھ پایہ تکمیل کو پہنچی۔ جو تین سو ساٹھ (۳۶۰) صفحات پر مشتمل ہے۔

حضور رسول اکرم ﷺ کو جملہ زبان و بیان، علوم و فنون خواہ وہ کسی زمانہ کی کیوں نہ ہو کامل عبور ہے۔ حتیٰ کہ جانوروں کی زبان سے بھی واقف ہیں۔ سلمان فارسی سے بزبان فارسی کلام کرنا، یہودی عالم مالک بن صیف سے اس کی زبان سمجھتے ہوئے ہرنی آزاد کروانا، اونٹوں کی فریاد رسی پر دادرسی کرنا یہ تمام حضور علیہ السلام کے علم و فنون اور زبانوں و بیان پر مہارت تامہ کی دلیل ہے۔ مصنف نے مختلف حوالوں سے واضح کیا ہے وہ لکھتے ہیں قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا

''کہ اے محبوب تم سب لوگوں سے کہہ دو خواہ وہ عیسائی ہوں یا موسوی، پارسی ہوں یا مجوسی، مشرق کے رہنے والے ہوں یا مغرب کے، شمال کے ہوں یا جنوب کے تمام دنیا کے لوگوں سے کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں''

بات بالکل واضح ہے جو تمام انسانوں کا رسول ہو وہ یقیناً تمام انسانوں کی زبان

سے واقف ہے۔

حضور ﷺ تمام زبانوں اورفنِ مناظرہ کے ماہر ہیں

حضرت سلمان فارسی سے حضور علیہ السلام نے سوال فرمایا ''اشکمت

درد ترجمہ کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے۔ یہ زبان فارسی ہے شکمت

درد لفظ شکم ت درد

رب قدیر نے اپنے حبیب کو ہر زبان پر قدرت عطا کی ہے۔ ہر زبان کے علم کے متعلق فاضل مصنف نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر ان کی قوم کی زبان میں

آگے تحریر فرماتے ہیں: حضور ﷺ تو ہر قوم کے رسول ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر زبان سے رسول واقف ہیں[1]

فاضل مصنف نے حضور نبی کریم ﷺ کے مناظرہ کی مہارت کو حوالوں سے ثابت کیا ہے۔ ایک بار یہودیوں کی جماعت اپنے عالموں کے سردار مالک بن صیف کو لے کر مناظرہ کے لئے حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئی تھی حضور ﷺ نے اس سے توارات کی عبادت کا سوال کیا اس عبارت کے بارے میں:

''اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الْحِبْرَ السَّمِیْنَ''

یعنی خدا تعالیٰ موٹے عالم کو دشمن رکھتا ہے[2]

کیا تو نے توریت میں دیکھا ہے۔ کہا ھاں۔ اس پر حضور نبی ﷺ نے فرمایا کہ تو موٹا عالم ہے یعنی تو دشمن خدا ہے تو پھر مناظرہ کے لائق نہیں ہے۔ اس بات پر غصہ ہو کر مالک بن

---

[1] شان حبیب الرحمٰن، صفحہ ۷۸ تا ۷۹

[2] شان حبیب الرحمٰن، صفحہ ۷۸ تا ۷۹

صیف اپنے ہی دین موسوی اور تمام کتابوں کا منکر ہو گیا۔ اسمناظرہ سے مصنف نے حضور علیہ السلام کا علم علم لدنی ثابت کیا ہے۔ دیگر یہ کہ اس بات کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کی توریت کی آیت پر بھی نظر ہے اور زبان عبرانی پر بھی عبور ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جناب مودودی صاحب کے اقتباسات:

"حضرتِ عثمان جن پر اس کارِ عظیم کا بار رکھا گیا تھا۔ ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے" [۱]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلا شبہ غلط تھا بہر حال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے"۔ [۲]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں صدر الافضل سید نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

"جس روز آپ نے حضور اقدس ﷺ سے بیعت کی تھی اس روز سے دم آخر تک اپنا داہنا ہاتھ اپنی شرم گاہ کو نہ لگایا تھا۔" کیونکہ یہ ہاتھ سید عالم ﷺ کے دست اقدس میں دے گیا تھا۔ روز اسلام سے روز وفات تک کوئی جمعہ ایسا نہ گذرا کہ آپ نے کوئی غلام آزاد نہ کیا ہو۔" [۳]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے اس آیت مبارکہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ الخ سے اخذ کر کے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عظمت کا اظہار کیا ہے۔ بیان فرماتے ہیں:۔

۱۔ تجدید احیائے دین، صفحہ ۳۴ ۲۔ خلافت و ملوکیت، صفحہ ۱۰۷

۳۔ سوانح کربلا، صفحہ ۳۸

ترجمہ: وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

رسول علیہ السلام کا ہاتھ عثمان کا ہاتھ اور حضور علیہ السلام کا ہاتھ خدا کا ہاتھ۔ تو نتیجہ نکلا کہ یہ عثمان غنی کا ہاتھ اور قرآن اللہ کا کلام۔ تو اللہ کے کلام کو اللہ کے ہاتھ یعنی عثمان غنی نے شائع کیا۔ اسی لئے فرمایا گیا۔ عثمان جامع القرآن۔'' [1]

مذکورہ اقتباسات کے برعکس مودودی صاحب کے اقتباسات سے عیاں ہے کہ موصوف کا طرز تحریر خلیفہ سوم کے بارے میں بے حد گستاخانہ ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے متعدد موضوعات اور آیات کریمہ پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے بیش بہا نکات پیش کئے۔ چنانچہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرآنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ کے تعلق سے جو بحث کی ہے اس کا حاصل ہے کہ قرآن ایک مکمل کتاب ہے ضابطہ حیات ہے۔ دارین کی کامیابی کی ضمانت اور انسانی ضروریات کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے دینے والا رحمٰن۔ لینے والے حبیب الرحمٰن لانے والے روح الامین۔ امت تک پہنچانے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین ہیں۔ اس آیۃ مبارکہ سے فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلا واسطہ اللہ تبارک تعالیٰ کے شاگرد رشید ہیں۔ قرآن حکیم سے متعلق رب تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ لَارَيْبَ فِيْهِ اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے۔

یہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔ لوح محفوظ کے بارے میں ارشاد ہے۔

وَمَامِنْ غَائِبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ اِلَّافِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ؛ ترجمہ جتنے غیب ہیں

[1] شان حبیب الرحمٰن، صفحہ ۲۲۲ تا ۲۲۳

آسمانوں اور زمین کے سب ایک بتانے والی کتاب میں ہے۔

ثابت یہ ہوا کہ ساری لوح محفوظ اس روشن کتاب قرآن شریف میں اور سارا قرآن شریف حضور علیہ السلام کے علم میں۔

اس مقام پر فاضل مصنف نے علم نبی پر طعن کرنے والوں کو دعوتِ فکر پیش کی ہے۔ ان میں جہاں تک حق گوئی وبیباکی وحق شناسی، سنجیدگی ومتانت، مسائل کے ادراک کا تعلق ہے کوئی آپ پر ہم سری نہیں کرسکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

> حضور ﷺ نے قرآن کب سیکھا؟ ترجمہ رحمٰن نے اپنے بندۂ محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا اور مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنَ کا ان کو بیان سکھایا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصَّلوٰۃُ وَالسلام بلا واسطہ رب تعالی کے شاگرد ہیں نہ کہ جبرئیل علیہ السلام کے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تو درمیان حبیب ومحبوب قاصد ہیں بلکہ خود قرآن لے کر آتے ہیں۔ مگر اسرار سے ناواقف ہوتے ہیں۔
>
> (رحمٰن) کب سکھایا۔ ظاہر یہ ہے کہ ازل میں سکھایا سکھانے کا وقت تو وہ تھا مگر اس کے ظہور کا وقت یہ ہوا۔"[1]

[1] شان حبیب الرحمٰن، صفحہ ۲۵۰ تا ۲۵۱

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

اول .... دوم

حضرت مفتی احمد یار خان کی تصنیف "جَـاءَ الْـحَـقُّ وَزَهَـقَ الْبَاطِلُ" ایک اہم تصنیف ہے۔ جس کے دو حصے ہے۔ جس میں عہد حاضر کے مختلف فیہ مسائل کا محققانہ تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس میں ہر مسئلہ پر مختصر مگر جامع بحث مع دلائل موجود ہے۔ مصنف نے اپنے دعویٰ کی وضاحت اور معترضین کے اعتراضات کا جواب قرآن واحادیث اور بزرگانِ دین، محدثین و مفسرین کے اقوال کتب فقہا اور خود مخالفین کی کتابوں سے دیا ہے۔

حصہ اول میں مختلف فیہ مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ ہر مسئلہ کو ابواب وفصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر مسئلہ کا تجزیہ کرتے ہوئے دلائل اور وافر ثبوت فراہم کئے ہیں۔ اس مضمون میں تقلید سے متعلق مصنف کا استدلال اور معترضین کے اعتراضات کا تقابلی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

تقلید کی بحث پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس بحث میں مصنف نے بڑے ہی جامع انداز میں تقلید کے مفہوم کی توضیح کرتے ہوئے اس کے اقسام مسائل اور اس پر کئے جانے والے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ حصہ اول میں مصنف نے متعدد مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ انہوں نے دوسرے ایڈیشن میں تین ضمائم کا اضافہ بعنوان " قَهْرِ کِبْرِیَا بر منکرِ عِصْمَتِ اَنْبِیَاء "۔ " لَمْعَاتُ الْمَصَابِیْحِ علیٰ رَکْعَاتِ التَّرَاوِیْحِ "۔ رِسَالَهٔ تلَاقِی الْاَدِلَه فِیْ حُکْمِ الطَّلَاقِ الثَّلٰثَة " کیا ہے۔

تقلید کی تعریف

لفظ تقلید عربی ہے جس کے لغوی معنی نقل، پیروی، کسی کے قدم بقدم چلنا، کسی کی متابعت کرنا، گردن میں ہار ڈالنا وغیرہ ہے۔ کسی کام کا ذمہ لینا، اس کے شرعی معنی ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے اوپر لازم شرعی جاننا۔

اصول شرعیہ چار ہیں۔ کتاب، سنتِ رسول اللہ، اجماع امت، قیاسِ مجتہدین، قرآن حکیم میں اجماع مجتہدین کی پیروی کا حکم ہے تاکہ شرعی احکام معلوم کرنے میں دشواری نہ ہو۔ جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے۔

علمائے دین کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ اللہ سے ان بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں یہ آیت کریمہ امام اعظم''، امام شافعیؒ امام مالکؒ، امام حنبلؒ جیسے علماء، فقہا، مجتہدین کے حق اور شان میں اتری۔ رب نے اپنی خشیت و خوف کو ان میں مختص فرما دیا۔

تقلید سے متعلق قرآن حکیم میں واضح اعلان ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر و انصار اور جو بھلائی میں ان کے پیروکار ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ [1]

مسئلہ تقلید سے متعلق شیخ محمد اکرام بیان کرتے ہیں کہ بعض گروہ تقلید کے قائل نہیں ہیں یعنی

[1] نور العرفان پارہ نمبر ۱۱ سورہ التوبہ

اہلِ حدیث تقلید فقہا کے قائل نہیں۔" [۱]

مودودی صاحب تقلید سے متعلق لکھتے ہیں۔

میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں۔ [۲]

مصنف نے تقلید کے مسائل سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

شرعی مسائل تین طرح کے ہیں (۱) عقائد (۲) وہ احکام جو صراحتاً قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں اجتہاد کا ان میں دخل نہ ہو (۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔ [۳]

انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔

تیسرے باب میں کس پر تقلید واجب ہے اور کس پر نہیں پر بحث کرتے ہوئے مجتہد کی تعریف ان کے طبقات اور ان کے اقسام بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"مکلف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد۔ دوسرے غیر مجتہد، مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علمی لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات و رموز سمجھ سکے اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے۔ اس سے مسائل نکال سکے، ناسخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف ونحو و بلاغت وغیرہ میں اس کو پوری مہارت حاصل ہو۔ احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو۔"

غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لئے منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں:

---

۱ موج کوثر، مطبوعہ ورکس لاہور، صفحہ ۵۵

۲ رسائل ومسائل مطبوعہ جے کے انسیٹ پرنٹرز جامع مسجد دہلی، صفحہ ۱۵۳

۳ جاء الحق وزھق الباطل حصہ اول، صفحہ ۱۵

"(۱) مجتہد فی الشرع (۲) مجتہد فی المذہب (۳) مجتہد فی المسائل

(۴) اصحاب التخریج (۵) اصحاب الترجیح (۶) اصحاب التمیز"[1]

(۱) مجتہد فی الشرع: وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے۔ جیسے چاروں ائمہ

(۲) مجتہد فی المذہب: وہ حضرات ان اصولوں میں تقلید کرتے ہیں اور ان اصولوں سے مسائل شرعیہ وفرعیہ کو داستنباط کر سکتے ہیں

(۳) مجتہد فی المسائل: وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرعیہ دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن کے متعلق ائمہ کی تصریح نہیں ملتی ان کو قرآن اور حدیث وغیرہ سے نکال سکتے ہیں

(۴) اصحاب تخریج: وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے، ہاں ائمہ میں سے کسی کے مجمل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں

(۵) اصحاب ترجیح: وہ حضرات ہیں جو امام کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں

(۶) اصحاب تمیز: وہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں۔[2]

انہوں نے مجتہدین کے مختلف طبقات کا تفصیلی جائزہ لے کر یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ کون سا طبقہ کن مسائل سے متعلق استنباط کر سکتا ہے۔ مصنف نے آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ اور اقوال مفسرین سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تقلید ہی صراط مستقیم ہے۔ ان کے برعکس دیگر مکتبہ فکر مصنفین کا تقلید سے منحرف ہونا آیات قرآنی، احادیث نبوی کے خلاف ہے۔

[1] جاء الحق وزھق الباطل حصہ اول، صفحہ ۱۷

[2] جاء الحق وزھق الباطل حصہ اول، صفحہ ۱۷ تا ۱۸

نبی

لفظ نبی عربی ہے۔ ''نباء'' سے بنا ہے جس کے لغوی معنیٰ خبر رساں، خبر پہنچانے والا پیغمبر۔ قرآن کی اصطلاح میں غیب کی خبر بتانے والا۔ نبی وہ ہے جس پر خدا کیطرف سے وحی آئے۔ المنجد عربی میں نبی کے معنیٰ غیب بتانے والا لکھا۔ قیامت وروح کا علم غیب کے سلسلہ کی کڑی ہے علم قیامت وروح عصر حاضر میں ایک نزاعی بعض گرہ نے بنا دیا تھا۔ حضرت حکیم الامت نے احادیث نبوی سے استدلال کر کے نبی کے علم غیب کو ثابت کیا ہے۔ فاضل مصنف نے معترضین کے ان تمام دلائل کا جوانہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے علم غیب کی نفی کے سلسلہ میں پیش کی ہیں بطلان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ مخالفین علم قیامت کی نفی کرتے ہوئے مشکوۃ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضور ﷺ سے سوال کیا۔ اَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ السَّاعَةِ مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیجئے؟ تو اس سوال پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''مَاالۡمَسۡئُوۡلُ عَنۡهَا بِاَعۡلَمَ مِنَ السَّائِلِ'' ہم سائل سے زیادہ جاننے والے نہیں۔

اس کے علاوہ معترضین آیتِ قرآنی سے بھی علم قیامت کی نفی کی دلیل لاتے ہیں۔ جیسے یَسۡئَلُکَ عَنِ السَّاعَةِ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللهِ لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں فرمادو کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

مخالفین علم غیب کی نفی کے سلسلے میں جو ثبوت بطور سند پیش کرتے ہیں اس کو بنیاد بنا کر فاضل مصنف نے مُسکِت دلائل پیش کرتے ہوئے حوالے دیئے ہیں۔ مذکورہ آیت مقدسہ سے متعلق مصنف نے ''تفسیر صاوی شریف''، ''روح البیان'' کی عبارت پیش فرما کر تحریری ذخیرہ جمع فرما دیا۔ قبلہ مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ معترضین کی پیش کردہ دلائل کو لغویات

بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس میں حضور ﷺ نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی ورنہ فرماتے لَا اَعْلَمُ ''میں نہیں جانتا''۔ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اے جبرئیل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو بھی خبر ہے اور تم کو بھی لیکن اس مجمع میں یہ راز ظاہر کرنا مناسب نہیں دوسرے یہ کہ یہ جواب سُن کر حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ فَاَخْبِرْنِیْ اَمَارَتِھَا۔ تو قیامت کی نشانیاں ہی بتادیجئے۔ اس پر حضور ﷺ نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ اولاد نافرمان ہوگی اور کمین فاسقین لوگ عزت پائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ جس کو قیامت کا بالکل ہی علم نہ ہو اس سے اس کی نشانیاں پوچھنا کیا معنیٰ؟ نشانیاں اور پتہ تو جاننے والے سے پوچھا جاتا ہے اور وہی بتا سکتا جو قیامت کو جانتا ہو۔''[1]

اس مقام پر فاضل مصنف نے حضور ﷺ کا قیامت کی نشانی بتانے سے متعلق حدیث کی روشنی میں علم قیامت ثابت کیا ہے۔

''حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے۔'' لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ قیامت قائم نہ ہوگی مگر جمعہ کے دن۔'' کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا: بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ کَھَاتَیْنِ۔ ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے یعنی ہمارے زمانے کے بعد بس قیامت ہی ہے۔

---

[1] جاء الحق وزھق الباطل اول صفحہ ۱۰۷

اور اس قدر علامات ارشاد فرمائیں کہ ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ بس
زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سنہ ھ نہ بتایا کہ فلاں سنہ میں
قیامت ہوگی لیکن حضور ﷺ کے زمانہءِ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ
ہوئی تھی سنہ ہجری عہد فاروقی میں مقرر ہوئی۔'' [1]

دوسرا باب علم الغیب پر اعتراض کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل ان آیات قرآنیہ کے بیان میں جو مخالفین پیش کرتے ہیں۔ دوسری فصل احادیث کے بیان میں تیسری فصل اقوال علماء و فقہا کے بیان میں چوتھی فصل عقلی دلائل کے بیان میں۔

مخالفین جن آیات و احادیث اور اقوالِ فقہا کو حضور ﷺ کے علم غیب کی نفی سے متعلق بطور دلائل پیش کرتے ہیں۔ مصنف علیہ الرحمت نے انہیں آیاتِ مبارکہ و حادیث شریفہ اور اقوالِ فقہا کے ذریعہ آقائے دو جہان ﷺ کے علم غیب کو ثابت فرما کر مسکت دلائل پیش کیے ہیں ان دلائل میں سے ایک دلیل بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے۔

قرآن: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ
وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا
اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ کہ روح میرے رب کے حکم
سے ایک چیز ہے اور تم کو علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

---

[1] جاء الحق و زہق الباطل دوسرا باب پہلے فصل صفحہ ۱۰۶/۱۰۷/۱۰۸

اسی آیت کو بنیاد بنا کر مخالفین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہیں تھا۔ مگر حضرت مفتی احمد یار خانؒ نے روح البیان کے حوالے سے یہ استدلال پیش کیا ہے کہ اس آیت میں کہیں اس بات کا تذکرہ نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہیں دیا گیا یا کہ کہیں بھی حضور علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب کے نزدیک اس آیت کو روح کی نفی کے لئے پیش کرنا سراسر غلط ہے۔

''روح البیان نے اسی آیت لَاتُدْرِکُ کے ماتحت لکھا ہے۔

اَلْحَقِیْقَةُ الْمُحَمَّدِیَّة هِیَ حَقِیْقَةُ الْحَقَائِقِ وَهُوَ الْمَوْجُوْدُ الْعِلْمُ الشَّامِلَ حقیقت محمد یہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور وہ ہی وجود عالم ہے لہٰذا آیت کے معنٰی یہ ہوئے کہ روح وہ جوامر یعنی کن سے بلا واسطہ پیدا ہوا اور وہ تو حقیقت محمد یہ ہے کہ بلا واسطہ اُس کی پیدائش ہے اور سب کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ ہوا کہ روح حقیقی میں ہوں۔''[۱]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان عالم اسلام کے قابل فخر مصنف اور عظیم محقق ہیں جن کا علم وفن شرف کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ انہوں نے لَایَنْحِلُ مسائل کی عقدہ کشائی کر کے عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ جس کو رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جا سکتا مصنف کا اسلوب بیان روشن و تابناک ہے۔ آپ کی تصانیف اعلیٰ تحقیقات کے نادر نمونے ہیں مصنف نے اسلاف کی کتابوں سے واضح دلائل میں ثابت کیا ہے کہ وہ مذہب اسلام کے خلاف نہیں بلکہ قرآن وحدیث کا عین مقتضا، ائمہ کرام اور سلف صالحین کے نزدیک مستحسن و پسندیدہ ہیں۔ ''جَاءَ الْحَقُ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ'' حصہ دوم حصہ اول کی طرح فیصلہ کن صداقت پر مبنی ہے حصہ دوم کی کیفیت اس طرح ہے۔

---

[۱] جاء الحق وزھق الباطل حصہ اول دوسرا باب فصل اول صفحہ ۱۰۰/۱۰۱

جاء الحق حصہ دوم میں ہر مسئلہ علیحدہ باب میں بیان کیا گیا ہے اور ہر باب میں دو فصلیں درج ہیں۔ پہلی فصل میں حنفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات و جوبات موجود ہیں۔

اس میں ایک مقدمہ اور مقدمہ میں ۱۳ قواعد نہایت کارآمد درج کیے گئے ہیں خاتمہ پر ضروری مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے مصنف نے تفہیم حدیث شریف کیلئے نہایت کارآمد قواعد درج کیے ہیں۔ جن کی روشنی میں بآسانی حدیث صحیح، حدیث حسن، حدیث ضعیف میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ جس کی تفصیل تفسیر حدیث کے باب میں موجود ہے۔

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خانؒ نے امام کے پیچھے قرات سے متعلق متعدد صحابہ اکرام اور مفسرین عظام کے اقوال درج کرتے ہوئے یہ ثابت کردیا کہ زیادہ صحابہ کرام قرأت خلف الامام کے خلاف ہیں۔ اس سلسلہ میں نہایت عرق ریزی کے ساتھ تحقیق و تدقیق کا حق ادا کیا ہے۔ چنانچہ

(۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھر جاوے۔ (ابن حبان)

(۲) حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ بدبو سے بھر جاوے۔ (ابن حبان)

(۳) حضرت عبداللہؓ ابن مسعودؓ اور حضرت علقمہؓ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قرآت کرے اس کے منہ میں خاک۔ (طحاوی شریف)

(۴) حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ فطرت پر نہیں۔ (طحاوی شریف)

(۵) حضرت زید ابن ثابتؓ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی

نماز نہیں ہوتی۔ (ابن الجوزی فی العلل)

(۶) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔ (موطا امام محمد و عبد الرزاق)

(۷) حضرت سعدؓ ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں انگارے ہوں۔ (موطا امام محمد و عبد الرزاق)

(۸) حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے کہتے تھے امام کی قرأت کافی ہے۔ (موطا امام محمد و عبد الرزاق)[1]

یہ تمام روایات طحاوی شریف اور صحیح البہاری میں موجود ہیں یہ تو بطور نمونہ عرض کیا گیا ورنہ اسی (۸۰) صحابہ سے منقول ہے کہ وہ حضرات امام کے پیچھے قرأت سے سخت منع فرماتے تھے۔

جاء الحق ہر اعتبار سے ایک ایسی جامع تصنیف ہے جس میں فقہی مسائل کو کمال فن کے ساتھ آسان زبان میں حل کیا گیا ہے۔

[1] جاء الحق حصہ دوم صفحہ ۲۹ تا ۳۰

سلطنت مصطفےٰ در مملکت کبریا

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان" کی تصنیف "سلطنت مصطفےٰ در مملکت کبریا" میں حضور آقائے دو جہان صاحب لامکان ﷺ کی بادشاہی کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ قلم تحریر کا ایسا تاجور ہے جس نے سلطنتِ مصطفےٰ در مملکت کبریا میں مبسوط و مستند حوالوں کا ذخیرہ جمع فرما کر عالم اسلام کو عظمتِ مصطفےٰ کی آگاہی کو درس دے کر فکر رازی و شعورِ غزالی کی یاد تازہ کر دی ہے۔ یہ کتاب ۶۸ صفحات پر مشتمل ہے اور جس کا سنہ تصنیف ۲۲ ذی قعدہ الحرام ۱۳۵۲ھ یوم یکشنبہ ہے۔ حضرت حکیم الامت بدایونی مفتی احمد یار خان" مصطفےٰ ﷺ کی سلطنت کا ثبوت آیاتِ قرآنی سے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَمَا نَقَمُوْا اِلَّا اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ

اور نہیں برا لگا ان کو مگر یہ کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ بھی لوگوں کو غنی اور مالدار فرماتے ہیں اور دوسروں کو غنی وہی کرے گا جو خود مالک ہوگا۔[1]

آیت دیگر: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى

(اے محبوب علیہ السلام) تم کو تمہارا رب اتنا دے گا کہ پیارے تم رب سے راضی ہو جاؤ گے وعدہ فرمایا گیا کہ اور بہت کچھ دیں گے۔ جب خدا دے چکا، محبوب لے چکے تو ملکیت خود بخود ثابت ہو گئی۔

مصنف نے یہاں سلطنت مصطفےٰ ﷺ کا ثبوت احادیث شریفہ سے پیش کرتے ہوئے حضور ﷺ کے اختیارات و تصرفات پر استدلال کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔[2]

[1] سلطنت مصطفےٰ پہلی فصل صفحہ ۱۶
[2] سلطنت مصطفےٰ پہلی فصل صفحہ ۱۷

مشکوٰۃ بابُ السُّجُوْدِ وَ فَضْلِہٖ میں ہے۔ایک دفعہ حضور ﷺ نے حضرت ربیعہ ابن ابی کعب اسلمی سے خوش ہوکر فرمایا۔"سَلْ" کچھ مانگ لو۔انہوں نے عرض کیا اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ یعنی میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ ارشاد فرمایا اَوَغَیْرَ ذَالِکَ کچھ اور مانگتا ہے؟ عرض کیا بس یہی۔ اس حدیث سے تین طرح حضور کی بادشاہت ثابت ہوئی۔اولاً اس طرح کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کچھ مانگو۔یہ نہ فرمایا کہ فلاں چیز مانگو اور یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کے قبضے میں سب کچھ ہو۔پھر حضرت ربیعہؓ نے بھی خوب سوچ کر وہ چیز مانگی جو بے مثل ہے یعنی جنت اور جنت کا صدر اعلیٰ علیین، جہاں حضور کا قیام ہو۔دوسرے اس طرح کہ حضرت ربیعہؓ نے عرض کیا اَسْئَلُکَ میں آپ سے مانگتا ہوں یہ نہ کہا میں خدا سے مانگتا ہوں اور حضور علیہ السلام نے بھی نہ فرمایا کہ تم مشرک ہوگئے اور ظاہر بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کے مالک ہیں۔تیسرے اس طرح کی حضور نے اس کے جواب میں فرمایا کچھ اور مانگ لو اس سے معلوم ہوا کہ جنت کے علاوہ بھی کچھ اور دینے پر قادر ہیں۔"

حکیم الامت مفتی احمد یار خانؒ حضور ﷺ کی ملکیت سے متعلق علماءِ امت کے اقوال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مرقات شریف شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قادری اسی باب میں اسی حدیث کی شرح میں یہی مضمون لکھ کر فرماتے ہیں فَیُعْطِیْ لِمَنْ یَّشَآءُ حضور جس کو جو چاہیں وہ دے دیں۔

ان عبارتوں نے فیصلہ کردیا کہ دنیا و آخرت کی ہر چیز کے مالک حضور ہیں۔[1]

[1] سلطنت مصطفےٰ تیسری فصل صفحہ ۴۴

اَسْرَارُالْاَحْکَام بِاَنْوَارِالْقُرْآنْ

''اسرارالاحکام بانوارالقرآن'' میں عقائد اسلامیہ، مسائل شرعیہ اور احکام طریقت کے تعلق سے انسانی ذہن میں جس قدر سوالات ابھرتے ہیں یا ابھر سکتے ہیں۔ ان کو پیش کرتے ہوئے ان کے باریک سے باریک نکات کو سوال و جواب کے پیرائے میں عام فہم انداز میں سمجھانے کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔ مثلاً اسلام کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، حج وزیارت، جہاد اور شہادت، نکاح وطلاق، اسلامی سزائیں، قبر و دفن، قیامت، جنت و دوزخ، معجزات، مسئلہ تقدیر وغیرہ یہ کتاب ایک سو سترہ (۱۱۷) صفحات پر مشتمل ہے اس کا ۱۳۶۸ھ تصنیف سنہ ۲۵ جمادی الآخر بروز دوشنبہ ہے۔

جناب قبلہ مفتی احمد یار خان'' نماز سے متعلق آیت قرآنی سے حوالہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ نماز سے متعلق استفسار پر کہ وہ پانچ وقت کیوں فرض ہوئی۔ کم وبیش کیوں نہ ہوئی؟ کا جواب لکھتے ہیں۔

''اس لئے کہ معراج میں اولاً پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی تھی جن میں ۴۵ وقت کی معافی ہوگئی۔ رب کے یہاں نیکی کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے۔ خود فرماتا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا لہٰذا اب نمازیں پڑھنے میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس۔[1]

ماہ رمضان میں بیس (۲۰) رکعتیں نماز تراویح سے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اس لئے کہ ہر رمضان میں جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کو پورا

---

[1] اسرارالاحکام صفحہ ۹

قرآن شریف سنایا کرتے تھے اور اچھوں کی نقل بھی اچھی ہوتی ہے

انسان ہر دن رات میں بیس رکعت فرض واجب پڑھتا ہے۔

۱۷ فرض، ۳ وتر رمضان میں۔ ان بیس کی تکمیل کیلئے بیس رکعتیں اور

پڑھوائی گئیں تا کہ اس مبارک مہینہ میں اگر وہ رکعتیں ناقص رہی ہیں

تو ان سے کامل ہو جائیں۔ اس ماہ میں عبادت کامل تر چاہیے۔"[1]

اسلام اور کلمہ طیبہ

یہاں پر مصنف نے کلمہ سے متعلق ابھرنے والے سوال کا جواب درج فرما کر اپنی دانشوری کا ثبوت پیش کیا ہے۔ مصنف نہایت ہی ذکی اوصاف کے حامل ہیں۔

اس سوال پر کہ کلمہ پڑھتے ہی کفر کے سب گناہ کیوں معاف ہو جاتے ہیں؟ حضرت حکیم الامت جواباً لکھتے ہیں:

"کہ اسلام مثل سمندر کے ہے جس میں کیسا ہی پلید آدمی غسل کرے

پاک ہو جاتا ہے۔ سمندر ظاہری گندگی کو دور کرتا ہے۔ اخلاص والا

کلمہ باطنی نجاست کو دور کرتا ہے۔"[2]

مہر کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ نکاح میں مرد کے ذمہ مہر کیوں ہوتا ہے؟ لکھتے ہیں:

کہ زوجین میں قدرے برابری رہے کہ بیوی نے اپنی جان شوہر کے

سپرد کی تو اس کے معاوضہ میں شوہر نے مہر و نفقہ دیا۔ قدرے برابری

---

[1] اسرار الاحکام صفحہ ۲۳ [2] اسرار الاحکام صفحہ ۷

ہو گئی اگر بیع میں قیمت نہ ہو تو ہبہ ہے بیع نہیں اگر شوہر پر مہر وغیرہ

حقوق نہ ہوں تو عورت لونڈی ہے زوجہ نہیں اور اسلام خاوند بیوی میں

برابری چاہتا ہے نہ کہ غلامیت۔"

مہر سے متعلق مصنف کا دیا گیا جواب شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہے احکام قرآن کے مطابق (زوجین میں قدرے برابری رہے) درست ہے کیونکہ منکوحہ عورت کا مقام جس قدر بلند ہے ویسا مقام نہ لونڈی کا ہے نہ غیر منکوحہ کا۔ اس سے نکاح کی اہمیت بھی آشکار ہو جاتی ہے۔ قرآن میں منکوحہ عورت سے متعلق واضح اعلان ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ مرد فقط منتظم ہیں عورتوں پر۔[1]

---

[1] اسرار الاحکام صفحہ ۲۳

درس القرآن

یوں تو حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مشاہیر میں سے ہیں۔ جامع تصنیفات وتالیفات کی وجہ سے عظیم وعبقری شخصیت کے حامل ہیں۔ جب آپ گجرات (پاکستان) کی سرزمین پر دین متین کی خدمت کیلئے جلوہ افروز ہوئے۔ فقط خطۂ گجرات ہی نہیں دنیائے اسلام کو آپ کی ذات سے برکتیں میسر ہوئیں۔ آپ قیام گجرات کے زمانے میں ''درس قرآن'' بعد نماز صبح دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ۳۰ سال کے طویل عرصہ میں ختم ہوا۔ اہل گجرات اس فیوض وبرکات سے استفادہ کرتے رہے۔ درسِ قرآن کے درمیان حکیم الامت'' آیات کا شان نزول تفسیر عالمانہ وصوفیانہ آیت کے مسائل وفوائد۔ اعتراضات و جوابات مع تحقیق علم وعرفان کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا اور بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ جب یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو حضرت سید الحاج محمد معصوم صاحب جیلانی قادری کے اصرار پر حکیم سردار علی صاحب نے درسِ قرآن کو قلمبند کیا۔ یہ تصنیف اسی درس قرآن کا نتیجہ ہے۔ یہ تصنیف گیارہ مختلف آیات مبارکہ کی روشنی میں درج ہے۔ اس تصنیف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ حیات الشہداء ثابت کرتے ہوئے مدلل بارہ دلائل پیش کر کے مشکوک ذہنوں کی رہنمائی کی ہے۔

یہ تصنیف دوسو سولہ (۲۱۶) صفحات پر مشتمل ہے:

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

ہم نے تم میں ایک شاندار رسول بھیجا جو تم میں سے ہے جو تم پر ہماری

آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور تمہیں پاک کرتے ہیں اور تمہیں کتاب

وحکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ جو تم نہیں جانتے تھے۔[1]

مصنف نے اس آیتِ مبارکہ سے اَرۡسَلۡنَا کی تشریح میں لطیف نکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ خدا کی تمام نعمتوں سے اول وافضل نعمت نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری ہے یعنی آقائے دو جہان عقائد واعمال اور کائنات کی تخلیق کے بنیاد حقیقی ہیں۔ حضور ﷺ خاکدانِ گیتی میں آمد سے قبل نبی تھے۔ خدا کے عابد تھے۔ سب کچھ تھے۔ اس بارے میں استدلال کرتے ہیں۔

"اَرۡسَلۡنَا" ماضی فرمایا گیا ہے جس سے پہلے ہونا ثابت ہے۔"

اس لئے ان کے آنے کو ارسال کہا گیا۔ بھیجا وہ جاتا ہے جو پہلے اپنے

پاس موجود ہو۔[2]

نبی اور امتی میں وجہ فرق بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"رب العالمین نے ہمارے دنیا میں آنے کو خَلَقَ فرمایا مگر حضور ﷺ کی تشریف آوری کو اَرۡسَلۡنَا، بَعَثَ، جَاءَ سے ارشاد فرمایا ہے

اور فرمایا قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ۔"[3]

عالم کے وہ دولھا ہیں محفل یہ انہیں کی ہے

مصنفؒ نے اس آیت مبارکہ کے لفظِ فِیۡکُمۡ میں بھی عجیب نکات کا اظہار کیا ہے۔ اگر فِیۡکُمۡ سے اہل عرب ہوں تو اس کا مطلب کیا ہوگا۔ اگر عام مسلمان ہوں تو اس کے کیا معنیٰ ہوں گے اگر سارے انسان مراد لیے جائیں تو اس کے معنے کیا ہوں گے سے متعلق لکھتے ہیں:

---

1. درس القرآن صفحہ ۲
2. درس القرآن صفحہ ۷ تا ۸
3. درس القرآن صفحہ ۷ تا ۸

پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اے ریگستان عرب کے باشندو تمہاری تقدیر کھل گئی کہ تم ذرّوں کو چمکانے کے لئے وہ نہ چھپنے والا سورج تشریف لایا۔ جس نے تمہیں تمہارے خاندانوں کو، تمہارے ملک کو، تمہاری زبان کو چمکا دیا اور اگر عام مسلمانوں سے خطاب ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم وہ خوش قسمت لوگ ہو جنہیں وہ رسول ملا جس کی گردِ قدم کو انبیاء کرام ترستے تھے۔ ان کی برکت سے تمہارے عیب چھپ گئے، میل دھل گئے، مشکلیں ٹل گئیں، نصیبے چمک گئے اور اگر سارے انسانوں سے خطاب ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے گروہ انسان ہم نے تم پر بڑی مہربانی کی کہ تمہاری جماعت میں اپنے حبیب کو بھیجا۔[1]

غرضیکہ اس لفظ فِیْکُمْ میں تین احتمال پائے جاتے ہیں اور تینوں معنیٰ بھی اپنے اپنے لحاظ سے بالکل درست ہیں۔ یہ وہ تشریح ہے جو مصنف کے علمی طمطراق کا جوئندہ ہے۔

مسئلہ حیات النبی

حیات النبی کا مسئلہ ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی حیات سے حیات کائنات ہے اس پر یہ آیت توریت موسیٰ گواہ ہے کہ لَوْ لَا مُحَمَّدٌ وَّاُمَّتُهٗ لَمَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ وَلَا الشَّمْسَ وَلَا الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلَ وَ لَا النَّهَارَ وَ مَلَكًا مُّقَرَّبًا وَّلَا نَبِيًّا مُّرْسَلًا وَّلَا اِيَّاكَ۔ اگر محمد اور اس کی امت نہ ہوتی تو میں جنت، جہنم سورج، چاند، رات دن، فرشتے، انبیا کسی کو پیدا نہ کرتا اور اے موسیٰ تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

[1] درس القرآن صفحہ ۱۰/۹/۸

اگر حیات النبی سے متعلق ہمارا عقیدہ درست نہ ہو تو کائنات کی موت یقینی ہے۔ یہ تعجب خیز امر ہے کہ حیاتِ کائنات ہو اور حیات النبی نہ ہو۔ مصنف کا امتیازی وصف ہے کہ اپنے علمی ذہن سے حیات النبی کے مسئلہ پر زبردست دلائل قائم کرتے ہوئے حیات النبی کا عقیدہ ثابت کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"آپ (علیہ السلام) کی موت کا عقیدہ رکھا جائے تو تمام مسلمانوں کا کلمہ، نماز، اذان سب غلط ہو گئے اور تمام لوگ اس کلمے میں جھوٹے ہو گئے کیونکہ اگر وفات مانی جائے تو یوں ہونا چاہیے تھا کَانَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ محمد مصطفےٰ اللہ کے رسول تھے۔"[1]

یعنی انسان مسلمان بعد میں ہوتا ہے پہلے حیات النبی تسلیم کر لیتا ہے۔ اذان، نماز بعد میں ادا کرتا ہے۔ حیات النبی پہلے مان لیتا ہے۔ ایمان، نماز، اذان تمام ارکانِ اسلام کی اصل حیات النبی ہے۔ اس مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے مصنف نے عقائد فاسدہ رکھنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے عقائد باطلہ کی بیخ کنی کی ہے۔ اسی مسئلہ حیات النبی کے بارے میں حضور علیہ السلام کا پردہ فرمانے کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت سے متعلق سیر حاصل کلام کرتے ہوئے حیات النبی پر مسکت استدلال قائم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

قرآن کریم فرماتا ہے وَلَآ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۝ یعنی ہمارے حبیب کی بیویوں سے ان کے بعد نکاح نہ کرو کبھی بھی اَزْوَاجَهٗ سے معلوم ہوا کہ ازواج پاک حضور کی وفات کے بعد بھی ان کی بیویاں ہی رہیں ان کا نکاح ٹوٹا نہیں۔ ورنہ خاوند کی موت نکاح توڑ دیتی ہے۔[2]

---

[1] درس القرآن صفحہ ۹۴ [2] درس القرآن صفحہ ۹۵

مصنفؒ نے نہ صرف حضور ﷺ کی حیات مبارکہ پر دلیل قائم کیا بلکہ گذشتہ جملہ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی حیات کیلئے بھی یعنی حیات الانبیا پر زبردست استدلال آیت قرآنی سے کیا ہے اس مسئلہ پر شرعی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے عقائد و اعمال کی درستگی کی کامیاب سعی کی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

رب تعالیٰ فرماتا ہے وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا الآخر اے محبوب گذشتہ نبیوں سے پوچھ لو کیا ہم نے کچھ اور معبود بنائے تھے۔ جن کی عبادت کی جائے۔

رَبُّ الْعَالَمِیْن نے اپنے پیارے حبیب کو از آدم تا عیسیٰ علیہم السّلام پوچھنے کا حکم دیا اور پوچھا اسی سے جاتا ہے جو زندہ بھی ہو۔ جواب بھی دے۔

اس آیت مقدسہ سے مصنف نے حیات الانبیاء ثابت کرنے کے علاوہ متعدد مسائل کا استنباط بھی کیا ہے۔[1]

[1] درس القرآن صفحہ ۹۴ تا ۹۷

رحمت خدا بوسیلہ اولیاء اللہ

رحمت خدا بوسیلۂ اولیآء اللہ۔اس میں انہوں نے وہی طرز اختیار کیا ہے جو جَـآءَ الْـحَـقُّ وَزَهَـقَ الْبَـاطِلُ ،اور''سلطنت مصطفےٰ'' کا ہے۔وسیلہ کے مسئلہ کو مصنف نے بائیس (۲۲) آیاتِ قرآنیہ۔اکیس (۲۱) احادیث نبویہ، سولہ (۱۶) اقوال علمآء واولیآء۔دس (۱۰) اقوال مخالفین سے وسیلہ کا ثبوت دیا ہے۔اس کے دو باب ہیں۔پہلے باب میں مسئلہ وسیلہ کو قرآن و حدیث، بزرگوں کے اقوال سے ثابت کیا ہے۔دوسرے باب میں مخالفین کے تمام اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔یہ تصنیف اَسّی (۸۰) صفحات پر مشتمل ہے۔اس کا سنہ تصنیف یکم ماہ ربیع الآخر ۱۳۷۲ھ بروز دوشنبہ مبارکہ ہے۔مسئلہ وسیلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے لیکن عہد حاضر میں بعض مکتبۂ فکر کے علماء نے اس مسئلہ کو نزاعی صورت دیدی ہے۔ملت اسلامیہ میں پہلا شخص ابن تیمیہ ہے کہ جس نے وسیلہ انبیاءً و اولیاء کا انکار کیا اور کہا کہ صرف اپنے ایمان وعمل کا وسیلہ چاہئے کوئی مسئلہ کیوں نہ ہو اس کی تفہیم میں دیانتداری کا بڑا دخل ہے۔انبیآءِ سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا مسئلہ وسیلہ پر عمل رہا ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کی قبولِ توبہ میں وسیلہ کارفرما ہے۔حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا کنارے لگنا وسیلہ کی جلوہ نمائی ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود کے گلزار ہونے میں وسیلہ کا دخل ہے خیر القرون میں مسلمانوں کا بھی مسئلہ وسیلہ پر عمل رہا ہے۔
حضرت سفینہؓ کے لئے جنگل میں شیر کا غلام کی حیثیت سے آپ کے آگے آگے چلنا کھٹکا ہوتے ہی اُسکی طرف متوجہ ہونا پھر آپ کے پہلو میں آجانا۔یہ وسیلہ ہی ہے کہ آزار پہنچانے والے محافظ بن گئے۔

چالیس ابدال شام کے متعلق حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔ بِهِمْ يُدْفَعُ الْبَلَاءُ عَنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ، انہی ابدال کے وسیلہ سے امت پر سے بلا دفع کی جاتی ہے۔ روزی کی کشائش فتح وشکست دینا۔ بلا دفع کرنا ان حضرات کے وسیلہ سے ہے اور تمام عالم فائدہ اٹھاتا ہے۔

وسیلہ کے ثبوت میں آیات قرآنی:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [1]

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اعمال کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کا وسیلہ ڈھونڈنا ضروری ہے کیونکہ اعمال تو اتقوا اللہ میں آگئے اور اس کے بعد وسیلہ کا حکم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ یہ وسیلہ اعمال کے علاوہ ہے۔'' [2]

آیت دیگر: فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ

''آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمے پائے جن کے وسیلہ سے دعا کی اور رب نے ان کی توبہ قبول کی۔''

معلوم ہوا حضور ﷺ انبیاء کرام کا بھی وسیلہ ہیں۔ [3]

وسیلہ احادیث کی روشنی میں:

[4] يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلٰثَةٌ اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ

یعنی قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے انبیاء، علماء، شہداء،

---

[1] قرآن مجید پارہ نمبر ۶، سورہ المائدہ سورہ ۵ [2] رحمت خدا بوسیلہ اولیاء اللہ باب اول صفحہ ۹
[3] رحمت خدا بوسیلہ اولیاء اللہ باب اول صفحہ ۱۰ [4] رحمت خدا بوسیلہ اولیاء اللہ باب اول صفحہ ۲۲

عام مسلمانوں کے لئے وسیلہ نجات ہیں۔

فاضل مصنف ؒ نے مسئلۂ وسیلہ پر سوال و جواب کے پیرایہ میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ ایک نادر اور اچھوتا طریقہ ہے۔ وسیلہ کی نفی کے سلسلے میں معترضین جس آیتِ مبارکہ کو پیش کرتے ہیں اسی آیۃ مبارکہ کے متعلق مصنف ؒ نے لکھا ہے کہ اس آیتِ مبارکہ کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ آیتِ مبارکہ تو کفار کے متعلق ہی ہے جو آیتِ مبارکہ کفار کے متعلق ہی ہو اس کو مسلمانوں کے لئے چسپاں کرنا گمراہی ہے۔ حقیقت میں معترضین کا اعتراض بیتِ تار عنکبوت کی طرح ہے۔ فاضل مصنف مسلمانوں کے لئے وسیلے سے متعلق لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن مال اور اولاد کام نہ آئے گی۔ سوائے اس کے جو رب کے پاس سلامت دل لے کر آیا۔ یعنی ایمان۔ مومن کیلئے قیامت میں اس کی اولاد اور مال سب کچھ کام آوے گی۔ جو ایمان والے نہیں نہ ان کیلئے دوستی کام آویگی نہ کسی کی سفارش۔ مصنف ؒ نے لکھا ہے کہ قبر میں بھی وسیلہ کے بغیر کامیابی نہیں ہوگی قبر میں اعمال کا ذکر نہیں ہوتا۔ قیامت میں اعمال کا ذکر ہوگا۔ قبر میں جو تین سوالات کئے جائیں گے جیسا کہ مصنف نے احادیث سے ثابت کیا ہے ان میں تیسرا سوال حضور نبی کریم ﷺ کی معرفت سے متعلق ہوگا۔ اسی سوال کے جواب پر کامیابی و ناکامی کا دارومدار ہے۔ صحیح جواب دینے والے کے حق میں خالق کائنات کی طرف سے یہ آواز آئے گی:

صَدَقَ عَبْدُ اِفْتَحُوْا لَهُ بَابًا مِّنَ الْجَنَّةِ [1]

میرا بندہ سچا ہے۔ اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دو۔

مصنف ؒ نے اس حدیث کی عبارت سے بھی ثابت کیا ہے کہ قبر میں پہلے جو دو سوالات کئے جاتے ہیں ان سوالوں پر اگر مجیب صحیح جواب دے بھی تو تب بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ کامیابی

---

[1] رحمت خدا بوسیلہ اولیاء اللہ باب اول صفحہ ۳۸/۳۷

آخری سوال کے جواب پر ہے۔ اس آیتِ کریمہ سے معترضین وسیلہ کی نفی میں سوال کرتے ہیں۔

سوال: رب تعالیٰ قیامت کے بارے میں فرماتا ہے۔

یَوْمٌ لَّا یَشْفَعُ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّ لَاشَفَاعَۃٌ اور کہیں فرماتا ہے فَمَا تَنْفَعُھُمْ شَفَاعَۃُ الشَّافِعِیْنَ ٥ یعنی اس دن نہ تجارت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی۔ نہ کسی کی سفارش۔ معلوم ہوا کہ قیامت میں سارے وسیلے ختم ہو جائیں گے۔

مصنفؒ نے جواب دیا۔

جواب: مسلمانوں کے لئے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ

اس دن سارے دوست دشمن بن جائیں گے سوا پرہیز گاروں کے کفار کی آیت مومن پر پڑھنا بے دینی ہے۔ نیز فرماتا ہے

یَوْمَ لَایَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَابَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ٥

اس دن مال و اولاد کام نہ آوے گی سوا اس کے جو رب کے پاس سلامت دل کر آیا۔ معلوم ہوا کہ مومن کا مال و اولاد قیامت میں کام آویں گے۔[1]

اماموں کے امام یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

اَنَاطَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ وَلَمْ یَکُنْ ۔ لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْاَ نَام سِوَاکَ

[1] رحمت خدا بوسیلہ اولیاء اللہ باب اول صفحہ ۲۸

یارسول اللہ میں حضور کی عطا کا امیدوار ہوں اور مخلوق میں ابوحنیفہ کے لئے آپ کے سوا کوئی نہیں۔

معلوم ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ حضور ﷺ کو اپنا وسیلہ مانتے ہیں[1] مولانا جلال الدین رومی قُدِّسَ سِرُّہُ الْعزیز مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

اے بسا در گورِ خفتہ خاک وار	بہ زصد احیاء بنفع و انتشار
سایہ او نَبـوَدْ و خاکش سایہ مند	صد ہزاراں زندہ در سایہ وے اند

بہت سے قبروں میں سونے والے بندے ہزاروں زندوں سے زیادہ نفع پہنچاتے ہیں ان کی قبر کی خاک بھی لوگوں پر سایہ فگن ہے لاکھوں زندے ان قبر والوں کے سایہ میں ہیں معلوم ہوا کہ مولانا رومی قُدِّسَ سِرُّہُ الْعزیز اَللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کو وفات کے بعد زندوں کا وسیلہ مانتے ہیں۔[2]

---

[1] رحمت خدا بوسیلہ اولیاء اللہ باب اول صفحہ ۲۴

[2] رحمت خدا بوسیلہ اولیاء اللہ پہلا باب صفحہ ۲۵

عِلمُ القُرآن .... لِتَرجَمَةِ الفُرقان

حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کی تصنیف ''عِلْمُ الْقُرآن'' فیصلہ کن گہرائی پر مبنی ہے۔ جو آپ کی تحقیق و تدقیق کاوشوں کا نتیجہ ہے یہ تصنیف تین ابواب ایک سو بانوے (۱۹۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلا باب قرآن کریم کی اصطلاحات سے متعلق ہے جس میں آیاتِ قرآنی سے ثابت کیا گیا ہے کہ کون سا لفظ کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ دوسرے باب میں قواعد قرآنیہ بیان کر کے ترجمہ قرآن کرنے کا قاعدہ بتایا گیا ہے۔ تیسرے باب میں مسائلِ قرآنیہ اور وہ مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں جو عہدِ حاضر میں اختلاف کا باعث بنے ہوئے ہیں مصنف کا محاکمہ صرف ان کے زمانے اور ماحول تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام ادوار و امصار کا احاطہ کرتا نظر آتا ہے۔ اس تصنیف کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن فہمی کے لئے کس قدر فکری گہرائی تلاش، جستجو، قوتِ اظہار درکار ہے۔ مصنف نے جن اصطلاحوں کا احاطہ کیا ہے ان میں سے چند کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

ایمان

قرآن مجید میں بعض الفاظ مخصوص معنوں میں مستعمل ہوئے ہیں اگر ان کا کوئی اور مفہوم لیا جائے تو قرآن کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ قرآنی اصطلاحات سے کما حقہ واقفیت کے بغیر صحیح ترجمہ ممکن نہیں ہے۔ ایمان کے لغوی معنے یقین، دیانت، بے خوفی، امان دینا کے ہیں اصطلاحی معنے عقیدے کے ہیں۔

حضرت مفتی احمد یار خاںؒ نے "عِلْمُ الْقُرْآن" کے پہلے باب "اصطلاحات قرآنیہ" میں ایمان کی اصلیت کا جو استدلال قرآنی آیات سے کیا ہے وہ نہایت ہی محققانہ ہے وہ لکھتے ہیں۔

ایمان امن سے بنا ہے جس کے لغوی معنیٰ امن دینا ہے۔ اصطلاح شریعت میں ایمان عقائد کا نام ہے جن کے اختیار کرنے سے انسان دائمی عذاب سے بچ جاوے لیکن اصطلاحِ قرآنیہ میں ایمان کی اصل جس پر تمام عقیدوں کا دارومدار ہے یہ ہے کہ بندہ حضور ﷺ کو دل سے اپنا حاکم مطلق مانے۔ اپنے کو ان کا غلام تسلیم کرے۔

قرآن: فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○

اے محبوب تمارے رب کی قسم! یہ سارے توحید والے اور دیگر لوگ اس وقت تک مومن نہ ہونگے جب تک کہ تم کو اپنا حاکم نہ مانیں اپنے سارے اختلاف و جھگڑوں میں پھر تمہارے فیصلے سے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور رضا و تسلیم اختیار کریں۔" [1]

اس سے مصنف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اصل ایمان تو نبی کریم ﷺ کو حاکم مطلق ماننا ہے۔ جب تک انسان کے دل میں تنگی ہو تب تک وہ ایمان والا ہو نہیں سکتا۔ پھر نبی کے فیصلہ کو محبت سے مانے تسلیم کرے۔ مجبوری سے نہیں۔ مجبوری سے ماننے والے کے دل میں تنگی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:

"پتہ چلا صرف توحید کا ماننا ایمان نہیں اور تمام دیگر چیزوں کا ماننا ایمان نہیں۔ نبی ﷺ کو حاکم ماننا ایمان ہے۔" [2]

---

[1] علم القرآن صفحہ ۲۲ تا ۲۳ [2] علم القرآن

اسلام

اسلام کے لغوی معنی مسلمان ہونا، اطاعت میں گردن رکھ دینا کے ہیں۔ قرآن شریف میں اسلام کے معنیٰ ایمان دلانے کے ہیں، صلح کرانے کے ہیں اور اطاعت و فرماں برداری کے ہیں۔ فاضل مصنف نے لفظِ اسلام سے متعلق آیتِ قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے اس کے مفہوم کو یوں پیش کیا ہے۔

''اسلام سَلْمٌ سے بنا جس کے معنیٰ ہیں صلح جنگ کا مقابل رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس طرف جھک جاؤ۔''

اس آیت مقدسہ سے مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کے معنیٰ صلح کرنا بھی ہے۔

آیت دیگر: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَام [1]

پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے

اس آیت مبارکہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام بمعنیٰ دین و ایمان بھی ہے۔

آیت دیگر: اِذْقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

جب فرمایا ابراہیم سے ان کے رب نے مطیع ہو جاؤ۔ عرض کیا کہ میں اللہ ربّ العالمین کا فرمانبردار ہوا۔

اس آیت میں مصنف علیہ الرحمۃ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام بمعنیٰ فرمانبرداری بھی ہے۔

---

[1] علم القرآن صفحہ ۲۷ تا ۲۸

تقویٰ

لفظ تقویٰ عربی ہے جس کے لغوی معنٰی پرہیزگاری، ڈرنا اور بچنا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کے دو اقسام ہیں۔ قلبی تقویٰ اور بدنی تقویٰ۔ تقویٰ قلبی خدا کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا نام ہے۔ اسی تقویٰ سے متعلق مصنف بیان کرتے ہیں کہ اگر اس لفظ کا تعلق اللہ تعالیٰ یا قیامت کے ساتھ ہو تو اس کے معنیٰ مراد لئے جائیں گے جب آگ یا گناہ کے ساتھ ذکر ہو تو کیا معنے ہوگا۔ جب اس لفظ کے بعد کسی کا ذکر نہ ہو نہ اللہ کا نہ جہنم کا تو اس وقت کیا معنیٰ مراد ہوگا۔ تقویٰ سے تعلق مصنف تقویٰ کے ساتھ اللہ کے نام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُو اتَّقُو اللّٰہَ [1]

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو

اس آیت مقدسہ میں تقویٰ کے ساتھ اللہ کا ذکر ہے تو اس کے معنیٰ ہوں گے ڈرنا

تقویٰ کے ساتھ آگ کا ذکر سے متعلق آیت قرآنی:

وَتَّقُو النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُ ھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ ط

اور اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔

مصنف نے اس آیت مقدسہ کا ترجمہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہاں پر ترجمہ بچنا ہوگا۔ نہ کہ ڈرنا۔ آگ سے بچا جاتا ہے۔ ڈرا نہیں جاتا۔ رب سے ڈرا جاتا ہے بچا نہیں جاتا۔ جب تقویٰ کے بعد کسی کا ذکر نہ ہو یا نہ پایا جائے نہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا، نہ دوزخ کا تو اس وقت معنیٰ پرہیزگار رہنا یعنی برائیوں سے بچنا بھی۔

---

[1] علم القرآن صفحہ ۲۸

جیسے آیت:

فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ○

پس صبر کرو بیشک انجام پرہیز گاروں کیلئے ہے[1]

قلبی متقی سے متعلق فاضل مصنف کا یہ ارشاد کہ متقی وہ ہے جو انبیاء اولیاء اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقدس مقامات قرآن، قبلہ حجاز مقدس، انبیاء اولیاء کے قبور و مقامات کی تعظیم دل سے کرے۔

آیت "وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○

جو کوئی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کی پرہیز گاری سے ہے[2]

مصنف نے مقدس مقامات سے متعلق مثلاً صفا و مروہ، حضرت ہاجرہ کا پانی کی تلاش میں سات بار چڑھنا اترنا، مقام ابراہیم اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز کا پڑھنے کا تذکرہ کرتے ہوئے ان مقامات کی عظمت کو واضح کیا ہے۔

آیات قرآنی: فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ط

پس لوگ بولے کہ ان اصحاب کہف پر کوئی عمارت بناؤ ان کا رب خوب جانتا ہے[3]

اس آیت مبارکہ سے مصنف نے ثابت کیا ہے کہ اصحاب کہف کے غار پر جو ان کی آرامگاہ ہے گذشتہ مومنوں کا اس مقامات پر مسجد بنانا ان کے اس عمل سے رب تعالیٰ کا ناراض نہ ہونا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یقیناً وہ شعائر اللہ ہے اور جس کی تعظیم لازم ہے۔ جب نبی اسرائیل کے امتی اولیا کی آخری آرامگاہ معظم و محترم ہے تو پھر اولیائے امت رسول ﷺ کی قیامگاہ شعائر اللہ کیوں نہیں ہو سکتی۔ مصنف کا یہ استدلال نہایت قوی ہے۔

---

[1]، [2]، [3] علم القرآن صفحہ ۲۸

شرک

لفظ شرک عربی ہے جس کے لغوی معنی خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک جاننا، کفر اور بت پرستی کے ہیں۔ زمانے کو موثر مان کر اجرام سماویہ کی تاثیرات پر عقیدہ رکھنا۔ انہیں مستقل بالذات سمجھنا، خالق کی خالقیت کا انکار کرنا۔ ماسوا اللہ کے کسی اور کو حقیقتاً خالق سمجھنا۔ عبادت میں کہ غیر خدا کی عبادت کرنا یا اس کو مستحق عبادت جاننا۔ کسی دوسرے کو اس کی ذات با کمالات میں شامل بالذات ماننا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ماننا کیونکہ اس کی ذات لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے۔ شرک کی بڑی جامع تعریف صدر الافاضل سید نعیم الدینؒ صاحب نے ان الفاظ میں کی ہے کہ:

> شرک وہی ہے جس کو کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نے باطل کیا ہے یعنی اللہ کے سوا کسی اور کو معبود ٹھہرانا۔ [1]

شرک کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے حضرت مفتی احمد یار خانؒ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ شرک کے متعلق قرآن کا کیا اعلان ہے۔ شرک کی حقیقت کیا ہے اور مشرکین عرب کس کس نوع کے شرکیات میں گرفتار تھے۔ انہوں نے یہ آیت مبارکہ لکھ کر واضح کر دیا:

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے کہ تم کو رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔ [2]

اس آیت مقدسہ کی روشنی میں شرک کی حقیقت واضح کی ہے کہ جب تک انسان کسی مخلوق کو رب تعالیٰ کے برابر نہیں جانے تب تک وہ مشرک ہو نہیں سکتا۔ اس آیت مقدسہ سے واضح ہے کہ مشرکین اپنے معبود باطلہ سے یہی کہیں گے کہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر ٹھہراتے

---

[1] کشف البیان صفحہ ۸ [2] علم القرآن صفحہ ۳۸

تھے جس کی وجہ سے ہم گمراہ ہوئے۔ مشرکین عرب کے جو شرکیات تھے وہ پانچ طرح کے تھے ان کی تردید بھی قرآن میں پانچ طرح کی ہوئی ہے۔

وہ لکھتے ہیں: (۱) خالق کا انکار اور (۲) زمانے کو موثر ماننا،

(۳) چند مستقل خالق ماننا، (۴) اللہ کو ایک ان کر اس کی اولاد ماننا،

(۵) اللہ کو خالق و مالک مان کر اسے دوسرے کا محتاج ماننا۔

ان پانچوں قسم کے مشرکین کی تردید مصنف نے سورہ اخلاص سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قُلْ هُوَ اللہُ میں دہریوں کا رد اللہ عالم کا خالق ہے، اَحَدٌ میں ان مشرکین کو رد کا جو عالم کے دو خالق مانتے تھے تاکہ عالم کا کام چلے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ میں ان مشرکین کو رد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت عزیر علیہ السلام کو رب تعالیٰ کا بیٹا یا فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ میں ان لوگوں کا رد جو خالق کو تھکا ہوا مان کر مدبر عالم اوروں کو مانتے تھے۔[1]

مصنف نے شرک کی حقیقت بیان فرما کر مومن اور مشرک میں امتیاز کر دیا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمان بھی مشرکین عرب کی طرح شرک میں مبتلا ہیں کیونکہ جس طرح مشرکین بتوں کو مانتے تھے وہ نبیوں اور ولیوں کو مانتے ہیں۔ یہ خیال انتہائی شیطانی و گمراہ کن ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا وہ عقیدہ نہیں ہے نہ تھا جو مشرکین کا عقیدہ ہے۔ ہاں البتہ مسلمان اللہ کے نیک بندوں کو وسیلہ سمجھتے ہیں۔ جو امتیاز گنگا کے پانی اور زمزم میں ہے۔ بتوں کے پتھر اور حجر اسود میں ہے وہی فرق یہاں پر مسلمان اور مشرک میں ہے۔ مصنف نے شرک کی حقیقت بیان فرما کر ایمان و کفر کے معیار کی وضاحت کر دی ہے۔

---

[1] علم القرآن صفحہ ۲۸

دعا

لفظِ دعا عربی ہے۔اس کے لغوی معنٰی پکارنے کے ہیں اور اس کے اصطلاحی معنٰی عبادت کے ہیں۔قرآن حکیم میں یہ لفظ دعا لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔قرآن مجید میں جہاں پر دعا کی اجازت ہے وہاں لغوی معنٰی پکارنا مراد ہے اور جہاں غیر اللہ سے دعا کی ممانعت ہے وہاں اصطلاحی معنٰی پوجنا عبادت کرنا مراد ہے۔اس لفظ دعا سے متعلق حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان رقم طراز ہیں:

"جب دعا کے بعد دشمن خدا کا ذکر آتا ہو یا دعا کا فاعل کافر ہو یا دعا کرنے والوں سے رب تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار ہو یا دعا کرنے والوں کو رب تعالیٰ نے کافر، مشرک، گمراہ فرمایا ہو تو دعا سے مراد عبادت پوجنا وغیرہ ہوگا۔"[1]

پکارنے سے متعلق مصنف نے آیات قرآنی سے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر غیر خدا کو پکارنا شرک ہوتا تو جن آیات مبارکہ میں پکارنے کا حکم ہے ان سے آیات کا تعارض ہو جاتا۔جیسے يَـاَيُّهَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ، يَا اَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللهُ، وَمَاتِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسىٰ، يَا بَنِىْٓ اٰدَمَ۔ان آیات مقدسہ سے ثابت ہے کہ مطلقاً پکارنا شرک نہیں۔ہاں اگر کسی مخلوق کو کئی معبود سمجھ کر پکارے تو مشرک ہوگا۔عصرِ حاضر میں یہ ایک نزاعی مسئلہ بنا ہوا ہے۔جس آیت مقدسہ میں پکارنے کا حکم ہے وہ آیتِ مبارکہ مثال کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

آیت: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ[2]

---

[1] علم القرآن دوسرا باب قاعدہ۹ صفحہ ۱۰۷

[2] قرآن مجید پارہ ۲۱ سورۂ احزاب شریف

انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک عدل ہے۔

آیت دیگر: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ [1]

اپنے رب کے راستہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت سے بلاؤ۔

جب دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا تو اس وقت اس مقام پر جو معنیٰ مراد لئے جائیں گے اس کے متعلق رقم طراز ہیں:

جب دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو وہاں اس کے معنیٰ پکارنا، پوجنا، دعا مانگنا ہوگا۔ حسب موقع معنیٰ کئے جائیں گے۔ [2]

جن آیات مقدسہ میں لفظ دعا کے بعد دشمن خدا، کافر، مشرک، گمراہ وغیرہ کا ذکر ہو ان آیات، مبارکہ کو مصنف نے بطور، مثال پیش کیا ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْکَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ [3]

اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو خدا کے سوا ایسوں کو پوجے جو اس کی قیامت تک نہ سنیں۔

آیت دیگر: اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا [4]

مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔

جب لفظ دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا تو اس کے متعلق آیت مبارکہ بطور مثال یہ ہیں۔

---

[1] قرآن مجید پارہ ۱۴ سورۂ نحل شریف [2] علم القرآن دوسرا باب قاعدہ ۹ صفحہ ۱۰۷
[3] قرآن مجید پارہ ۲۶ سورۃ الاحقاف [4] قرآن مجید پارہ ۲۹ سورۂ جن

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً ط [1]

اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے پوشیدہ

آیت دیگر: اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ [2]

دعا کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا مانگتے ہیں۔

ان آیات مبارکہ میں دعا کے معنی مانگنا، دعا کرنا، پکارنا ہوگا۔ ایک ہی لفظ مختلف موقعوں پر مختلف معانی میں ہوتا ہے اگر بے موقع معنی کئے جائیں تو کفر لازم آتا ہے۔

[1] قرآن مجید پارہ ۸ سورۂ اعراف

[2] قرآن مجید پارہ ۲ سورۂ بقر

کفر

لفظ کفر عربی ہے اس کے لغوی معنیٰ ناشکری، خدا کو نہ ماننا، بے دینی اور چھپانے، انکار کرنے کے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں ناشکری، انکار، اسلام سے نکل جانے کے ہیں۔ یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ناشکری سے متعلق آیت مبارکہ:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝[1]

اگر تم شکر کرو گے تو تم کو ہم اور زیادہ دیں گے اور اگر تم ناشکری کرو گے تو ہمارا عذاب سخت ہے۔

انکار سے متعلق آیۃِ کریمہ:

وَكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِيْنَ ۝[2]

یہ معبودان باطلہ ان کی عبادت کے انکاری ہو جائیں گے۔

نکل جانے سے متعلق آیۃِ شریفہ:

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ[3]

بہانے نہ بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے (ایمان سے نکل گئے) پھر کفر چار طرح کا ہے۔ (۱) کفر انکار، (۲) کفر جحود، (۳) کفر عناد، (۴) کفر نفاق۔ کفر انکار وہ کفر ہے کہ خدا تعالیٰ کو جانے ہی نہیں۔ کفر جحود رب کو دل سے جانے مگر زبان سے اقرار و اعتراف نہ کرے۔ کفر عناد۔ دل سے جانے کبھی زبان سے اقرار بھی کرے لیکن کسی وجہ سے اس کو قبول نہ کرے۔ جیسے حضرت ابو طالب کا کفر۔ کفر نفاق وہ کہ زبان سے اقرار کرے اور دل میں اعتقاد نہ ہو۔

---

[1] [2] [3] علم القرآن صفحہ ۳۳

قرآن حکیم لاریب بحر بیکراں اور معجزہ رسول ﷺ ہے وہ اپنے اندر وہ گہرہائے معانی لئے ہوئے ہے کہ ہر کس وناکس کے فہم وادارک سے بعید ہے۔ حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ نے قرآن شریف کے متعدد الفاظ جن جن مختلف معنوں میں مستعمل ہیں ان کی نشاندہی جس انداز سے کی ہے اس سے پہلے کسی نے نہیں کی اور اس سے آپ کے تبحرِ علمی کا بھی پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

رسالہ نور

حضرت قبلہ مفتی احمد یار خانؒ کی کتاب ”رسالہ نور“ ایک تحقیقی تصنیف ہے جس میں مصنف نے براہان کی روشنی میں مسئلہ نور پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یقیناً حضور ﷺ مجسم نور ہیں۔ حضور کی نورانیت کا انکار دراصل آیٰت قرآنی اور احادیث شریفہ کا انکار ہے۔ اس کے دو ابواب ہیں۔ پہلے باب میں معترضین کے اعتراضات کی تردید خود انہیں کے پیشواؤں کے کلام سے بخوبی ہے۔ دوسرے باب میں معترضین کے سوالوں کے جوابات ایسی نوعیت کے ہیں کہ خود ان کا سوال ایک جواب ہے۔ مصنف نے حضور ﷺ کی نورانیت کے منکرین کیلئے نورانیت کا استدلال آیت قرآنی و احادیث شریفہ سے کیا ہے۔ حضور انور ﷺ اللہ کے نور ہیں۔ حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان علیہ الرحمتہ دلائل کی روشنی میں لکھتے ہیں۔ آیت قرآنی:

قَدْ جَآئَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ.

بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب

آیت میں نور سے مراد حضور ﷺ ہیں جیسے بغیر روشنی کتاب نہیں پڑھی جاسکتی ایسے ہی حضور کے بغیر قرآن نہیں سمجھا جاسکتا۔[1]

حاکم ابن القطان نے حضرت امام زین العابدین سے انہوں نے اپنے والد امام حسینؓ سے انہوں نے اپنے والد علیؓ ابن ابی طالب سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ہم آدم علیہ السلام کی پیدائش

[1] رسالہ نور پہلی فصل صفحہ ۱۱

سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے رب کے حضور میں ایک نور تھے۔[1]

امام جلال الدین رومی قدس سرہ، العزیز مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

عکس نور حق ہمہ نوری بود !! عکس دور از حق ہمہ دوری بود

ایں خوردگرد و پلیدی زیں جدا آں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

اللہ کے نور کا سایہ بھی نور ہوتا ہے۔ جو خدا سے دور ہوں ان کا سایہ بھی دور ہے۔ جو یہ لوگ کھاتے ہیں اس سے پلیدی نکلتی ہے۔ جو وہ حضور کھاتے ہیں وہ سب خدا کا نور بنتا ہے۔[2]

فتاویٰ حدیثیہ باب التصوف میں علامہ ابن حجر حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ العزیز کے متعلق فرماتے ہیں:

حَتّٰی اِنَّہٗ مَکَثَ عَلٰی ثَلٰثَۃِ اَشْھُرٍ عَلٰی وَضُوْءٍ وَاحِدٍ

آپ تین مہینہ تک ایک ہی وضو میں رہے۔

اور نبی کریم ﷺ اس مبارک جماعت کے سردار اور پیشوا ہیں۔

حضور کا نور روحانی جسمیت پر ایسا غالب ہے کہ جسم اطہر بھی نوری ہو چکا ہے۔[3]

حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ نور کے مسئلہ پر سوال و جواب کی شکل میں تحقیقی و الزامی جواب درج فرمارہے ہیں۔

سوال: اگر حضور ﷺ نور ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناضر ہیں تو چاہئے کہ کسی جگہ اندھیرا نہ ہوا کرے ہر جگہ روشنی ہو لہٰذا یا تو حضور نور نہیں ہیں یا ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہیں۔

---

1. رسالہ نور پہلی فصل احادیث شریفہ صفحہ ۱۸
2. رسالہ نور پہلی فصل صفحہ ۱۹
3. رسالہ نور پہلی فصل صفحہ ۲۷

جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں ایک جواب الزامی دوسرا جواب تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نور ہے اور ہر وقت ہمارے ساتھ ہے مگر ہر جگہ روشنی نہیں ہوتی فرماتا ہے (قرآن) اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ الْاَرْضِ (سورۂ نور) اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا نور ہے نیز قرآن شریف نور ہے اور ہر گھر میں رہتا ہے۔ مگر روشنی نہیں ہوتی۔ فرشتے نور ہیں اور ہمارے ساتھ رہتے ہیں مگر انکی روشنی نہیں پڑتی۔

اب بتاؤ کہ یا تو رب تعالیٰ ہمارے ساتھ نہیں ہے یا وہ نور نہیں۔ اسی طرح فرشتے اور قرآن ہمارے پاس نہیں یا وہ نور نہیں۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ نور دو قسم کا ہے۔ نور حسی اور نور معنوی۔ نور حسی کیلئے محسوس ہونا ضروری ہے مگر نورِ معنوی کے دیکھنے کیلئے قوۃِ قدسیہ والی آنکھیں چاہیے۔[1]

حضور کے بے سایہ ہونے کا قرآنی آیات سے ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِداً وَّ مُبَشِّرً وَّنَزِیْرًاوَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَا جًا مُّنِیْراً ط

اے نبی ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری سناتا ڈراتا۔ اللہ کی طرف اسی کے حکم پر بلاتا ہوا اور چمکانے والا سورج۔

اور ظاہر ہے کہ نہ تو نور کا سایہ ہوتا ہے نہ سورج کا اور نہ صاف چمنی کا۔

ان آیات سے حضور کا بے سایہ ہونا ثابت ہے۔[2]

---

[1] رسالۂ نور دوسری فصل صفحہ ۳۱ تا ۳۲ [2] رسالۂ نور دوسرا باب صفحہ ۴۹

حکیم ترمذی نے اپنی کتاب "نوادر الاصول" میں فرمایا حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

عَنْ ذَکْوَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ یُرَالَہٗ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ

روایت ہے حضرت ذکوان سے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ دھوپ میں نظر آتا نہ چاند کی چاندنی میں[1]

[1] رسالہ نور پہلی فصل صفحہ ۵۱

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک نظر

مصنف نے ''امیر معاویہ پر ایک نظر'' میں حضرت امیر معاویہ کی حیات کے اہم گوشوں کو اجاگر کرتے ہوئے صحابۂ کبار خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ کے درجات کی توضیح سے ان پر لگائے گئے الزامات کی تردید کی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

میرے کسی صحابی کو برا نہ کہو۔ تمہارا پہاڑ بھر سونا خیرات کرنا ان کے سوا سیر جو کے صدقے کے برابر نہیں ہو سکتا نہ اس کے آدھے کے۔

(مسلم و بخاری)

تارے آسمان کیلئے امن ہیں اور میں صحابہ کیلئے امن ہوں اور میرے صحابہ میری امت کیلئے امن ہیں۔ (روایت مسلم)

اس مسلمان کو آگ نہیں چھو سکتی جس نے مجھے دیکھا۔ (ترمذی)[1]

اس کتاب کے مطالعہ سے مصنف کی شان محققانہ ابھر کر آگئی ہے کہ آپ یقیناً ایک عظیم محقق اور علماءِ متکلمین میں سے ہیں۔ مصنف نے ان احادیث اور درج ذیل آیت سے صحابہ کا متقی ہونا اور گناہ سے محفوظ ہونا ثابت کیا ہے۔

آیت: وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا

اللہ نے پرہیزگاری کا کلمہ ان سے لازم کر دیا اور وہ اس کے مستحق تھے۔[2]

فاضل مصنف نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مستند اور معتبر راوی کی حیثیت

---

[1] امیر معاویہ پر ایک نظر صفحہ ۲۶/۲۷ [2] امیر معاویہ پر ایک نظر ۱۳/۱۴

میں پیش کر کے آپ پر لگائے ہوئے الزامات کا دفعیہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

امیر معاویہ کی (۱۶۳) احادیث ہیں جن میں چار وہ ہیں جنہیں مسلم و بخاری دونوں نے روایت فرمایا اور چار صرف بخاری نے اور پانچ صرف مسلم نے باقی احمد ابوداؤد، نسائی، بیہقی، طبرانی، ترمذی، مالک، وغیرہ محدثین نے روایت فرمائیں۔[1]

فاضل مصنف نے اس خیال خام کی تردید کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی مولائے کائنات کے دشمن جان تھے بلکہ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ محب حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختلاف خلافت کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے متعلق بر بنا خطائے اجتہادی شدید اختلاف پیدا ہوا۔ فاضل مصنف نے عداوت و اختلاف کی بھی توضیح فرما کر صحابی رسول ﷺ کی عظمت سے روشناس کروایا ہے۔ ان اشعار کو پیش کیا ہے جنہیں سن کر امیر معاویہؓ نے سات ہزار دینار بطور انعام دیئے۔ جس کا ایک شعر یہ ہے۔

هُوَ النَّبَاءُ الْعَظِيْمُ وَفُلْكُ نُوحٍ وَبَابُ اللّٰهِ وَانْقَطَعَ الْخِطَاب

حضرت علی بڑی خبر والے ہیں۔ نوح علیہ السلام کی کشتی ہیں۔ اللہ کا دروازہ ہیں۔ ان کے بغیر اللہ سے کوئی کلام نہیں کر سکتا۔[2]

معترضین کا اعتراض ہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں تین قصور کئے ہیں ایک یہ کہ بغیر انتخاب رائے یزید کو خلیفہ بنانا۔ دوم یہ کہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا۔ اسلامی قانون کے خلاف ہے۔ سوم یہ کہ فاسق و فاجر ذلیل بیٹے کو حکومت کی ڈور دے دینا بڑا جرم ہے یعنی

[1] امیر معاویہ پر ایک نظر صفحہ ۵۰
[2] امیر معاویہ پر ایک نظر باب اول صفحہ ۵۵

کربلا کے تمام مظالم کی ذمہ داری امیر معاویہؓ پر ہے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے حضرت امیر معاویہؓ پر ہونے والے اعتراضات کا تحقیقی جواب قانونِ اسلام و آیت قرآنی سے دیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

اپنے بیٹے کو اپنا جانشین کرنا کسی آیت یا حدیث کی رو سے ممنوع نہیں۔ اس سے پہلے امام حسنؓ حضرت علیؓ کے خلیفہ بن چکے تھے۔ بیٹے کا خلیفہ بننا حضرت حسنؓ سے شروع ہوا۔

ذکریا علیہ السلام نے رب العالمین سے فرزند مانگا اور دعا کی کہ وہ میرا بیٹا میرا جانشین ہو۔ یہ دعا قبول ہوئی۔

آیت: فَهَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ

اہل قرابت کو اپنا نائب کرنا نہ تو حرام ہے نہ مکروہ بلکہ اس کی کوشش کرنا اس کی دعا کرنا انبیاء سے ثابت ہے۔

کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امیر معاویہؓ کی حیات میں یزید فاسق و فاجر تھا اور امیر معاویہؓ نے اس کو فاسق و فاجر جانتے ہوئے اپنا جانشین کیا۔ یزید کا فسق و فجور امیر معاویہؓ کے بعد ظاہر ہوا۔ آئندہ کا فسق و فجور فی الحال فاسق نہ بنائے گا۔

رب تعالیٰ نے شیطان کو اس کے کفر ظاہر ہونے کے بعد جنت اور جماعت ملائکہ سے نکالا۔ اس سے پہلے ہر جگہ رہنے کی اجازت دی گئی۔ اس کی عظمت و حرمت فرمائی گئی۔ جب شیطان کفر و عناد کے ظاہر ہونے سے پہلے کافر قرار نہ دیا گیا تو یزید فسق و فجور کے ظہور سے

پہلے کیسے فاسق اور فاجر کے زمرہ میں آسکتا ہے اور امیر معاویہؓ کیسے مورِدِ الزام بن سکتے ہیں۔[۱]

مصنف غوثِ اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی کتاب "مستطاب غنیۃ الطالبین" کے صفحہ ۱۷۱ سے اقتباس پیش کرتے ہیں۔

فَصْلٌ وَيَعْتَقِدُ اَهْلُ السُّنَّةِ اَنَّ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ خَيْرًا لْاُمَمِ وَ اَفْضَلُهُمْ اَهْلُ الْقُرُوْنِ الَّذِیْ شَاهِدَةٌ

اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام امتوں میں بہتر حضور ﷺ کی امت ہے اور ان سب امت میں اس زمانے والے بہتر ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا۔[۲]

مصنف علیہ الرحمۃ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبادت، زہد و تقویٰ، بارگاہِ خداوندی میں مقبولیت مثنوی شریف کے حوالہ سے شعر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ مثنوی شریف میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمانوں کا ماموں لکھا ہے۔

اس طرح قصہ شروع فرمایا:

در خبر آمد کہ خال مومناں بود اندر قصر خود خفتہ شباں

قصر را از اندروں در بستہ بود کز زیار تہاءِ مردم خستہ بود

ناگہاں مردے ورا بیدار کرد چشم چوں بکشاد پنہاں گشت فرد[۳]

---

۱. امیر معاویہ پر ایک نظر صفحہ ۵۰
۲. امیر معاویہ پر ایک نظر باب اول صفحہ ۵۵
۳. امیر معاویہ پر ایک نظر صفحہ ۶۰

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ بہت عابد و زاہد مقبول بارگاہ الٰہی تھے۔

اس کے برعکس ایک شخص مودودی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ علیہ وسلم سے نا آشنا ہوکر الزام تراشی کی ہے۔انہوں نے لکھا ہے۔

> مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔[1]
>
> حضرت معاویہؓ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کیلئے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے کی جو ابتدا ہوئی تھی، ان کے اپنے نامزد کردہ جانشین یزید کے عہد میں وہ بدترین نتائج تک پہنچ گئی۔[2]

متعدد حدیثوں میں حضور ﷺ نے اپنے اصحاب کی شان و عظمت میں طعن ولعن، تنقید و تنقیص سے سخت منع فرمایا۔مودودی کے یہ جاھلانہ اقتباسات کسی بھی صورت پر دائرہ اسلام میں قابل قبول نہیں۔البتہ دین اسلام میں فتنہ کا مترادف ہے۔کسی بھی مصنف و مؤلف کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے جذبات کی رو میں بہہ کر دروغ گوئی سے کام لے اور ایسے خیالات کا اظہار کرے جس سے حقیقی تصویر مسخ ہوکر رہ جائے۔مودودی نے انتہاپسندی کا شکار ہوکر اصحابِ رسول پر بے جا حملے کیے ہیں۔اپنے بیانات کو قوی بتانے کیلئے بعض اپنے ہم خیال شیعہ مورخین کے اقتباس پیش کیے ہیں۔انہوں نے اصحاب رسول کے واقعات پیش کرتے ہوئے جو اسلوب اختیار کیے ہیں۔وہ شائستہ نہیں ہے نہ صرف اصحاب رسول پر بلکہ آقائے دو جہان کی شان اقدس میں بھی نازیبا اور ناشائستہ کلمات کا اظہار کرنے سے نہیں چوکتے اور ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

---

[1] خلافت وملوکیت صفحہ ۱۶۲ [2] خلافت وملوکیت صفحہ ۱۶۷

صحرائے عرب کا یہ ان پڑھ بادیہ نشین جو چودہ سو برس پہلے اس
تاریک دور میں پیدا ہوا تھا۔ دراصل دورِ جدید کا بانی اور تمام دنیا کا
لیڈر ہے۔[1]

جگہ جگہ راقم نے مودودی کے جو اقتباسات پیش کیے ہیں ان سے ان کے عامیانہ تصنیف و تالیف کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

الکلام المقبول فی طہارت نسب الرسول

''الکلام المقبول فی طہارت نسب الرسول'' حضرت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کی ایک لطیف تصنیف ہے جس میں ایک سوال کے جواب پر شرعی نقطۂ نظر سے اہلبیت اطہار کی تعظیم وتکریم متعدد حوالوں سے واضح فرما کر زمانہ کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ خدا کے نزدیک عزت والا وہی ہے جو تقویٰ والا ہے تو نسب کی کیا حقیقت ہے؟ کیا تمام خاندانوں کا مرتبہ ایک ہی جیسا ہے؟ ان سوالات سے متعلق مصنف علیہ الرحمۃ اپنے جواب سادات کی عظمت و مرتبہ کے بارے میں دے کر تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔

مصنف مذکورہ آیت سے جواب لکھتے ہیں:

وَاَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ بِاِيْمَانٍ وَمَا اَلَتْنَا هُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ

ہم جنت میں مومنوں کی اولاد ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے اعمال سے کچھ کم نہ کریں گے۔

لہٰذا حضور صلی اللہ کی مومن اولاد انشاءاللہ تعالیٰ قیامت میں حضور کے

---

[1] ''تفہیمات'' حصہ اول ۲۴۹

ساتھ رہے گی۔ اس سے سادات کرام کے نسب کی عظمت بھی ثابت
ہوئی اور بزرگوں کے اعمال کا کام آنا بھی معلوم ہوا۔[1]

مصنف علیہ الرحمۃ نے سادات کرام اور دیگر خاندانوں میں کیا فرق ہے اس سے متعلق آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے سادات کو تمام خاندانوں سے ممتاز ثابت کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى

فرما دو اے محبوب ﷺ کہ میں تبلیغ نبوت پر کچھ معاوضہ طلب نہیں
کرتا۔ صرف قرابت کی محبت چاہتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ سادات کرام جو حضور کے اہل قرابت اور ذریت ہیں ان
سے حضور کی خاطر محبت کرنا لازم ہے دیگر خاندانوں کا یہ حال نہیں۔[2]

حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ سادات کرام کی عظمت کا ثبوت احادیث شریفہ سے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِىْ لِحُبِّىْ

اللہ کے لئے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی خاطر میرے اہل
بیت سے محبت کرو۔[3]

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے اس مقام پر واضح کر دیا ہے کہ اہل بیت سے محبت کرنے والا احادیث رسول پر عامل ہے۔ اہل بیت سے عداوت رکھنے والا مقام عشق سے بے خبر۔ حکم رسول اور حدیث پاک کا منکر ہے۔

---

[1] الکلام المقبول فی طہارت نسب الرسول صفحہ ۲
[2] الکلام المقبول فی طہارت نسب الرسول صفحہ ۷
[3] الکلام المقبول فی طہارت نسب الرسول صفحہ ۷

رَدُّالمُحتَار جلد اول باب غسل میت میں بحوالہ حدیث شریف ہے:

کُلُّ سَبَبٍ وَّ نسبٍ مُنْقَطِعٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا سَبَبِیْ وَنَسَبِیْ

یعنی قیامت کے دن ہر نسبی اور سسرالی رشتے کٹ جائیں گے اور کام نہ آئیں گے۔ مگر میرا نسب اور سسرالی رشتہ کام آئے گا۔

سادات کرام کے نسب پاک کو یہ افضلیت اس لئے ہے کہ وہ حضور کا خاندان ہے۔[1]

قبلہ مصنف ؒ نے نسب سے متعلق دلائل پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ قیامت میں سوا آپ کا نسب و رشتے کے تمام خاندانوں کے ہر نسبی رشتے کٹ جاویں گے۔ اس سے سادات کی عظمت اور حضور ﷺ کے رشتہ کی اہمیت آشکار ہوتی ہے۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی نے سادات کرام کی افضلیت درودِ ابراہیمی میں بھی ثابت کی ہے۔ لکھتے ہیں:

سادات کرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ نماز میں درودِ ابراہیمی میں حضور ﷺ کے ساتھ ان پر بھی درود پڑھا جاتا ہے۔ اس خاندان کی تعظیم نماز میں داخل ہے معلوم ہوا کہ تمام خاندانوں سے افضل یہ خاندان ہے۔[2]

حضرت مصنف ؒ نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اختلاف دین سے نسب منقطع ہو جاتا ہے۔ دین میں اختلاف پیدا کرنے والا گمراہ ہے۔ سید ہو نہیں سکتا۔ وہ درج ذیل آیت مبارکہ کی روشنی میں لکھتے ہیں۔

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ

اے محبوب تمہارا بدگو ابتر ہے۔

---

[1] الکلام المقبول صفحہ ۸۰۷

[2] الکلام المقبول صفحہ ۲۲

عاص بن وائل صاحب اولاد تھا۔ مگر رب تعالیٰ نے اسے ابتر یعنی بے اولاد فرمایا کیونکہ اس کی ساری اولاد مسلمان ہوگئی اور وہ کافر رہا۔ لہٰذا نہ وہ اس اولاد کا باپ رہا اور نہ وہ لوگ اس کی اولاد۔ پتہ لگا کہ دین کے اختلاف سے نسب ختم ہو جاتا ہے۔ نسب کیلئے دین میں اتحاد شرط ہے۔[1]

[1] الکلام المقبول صفحہ ۲۳

ایک اسلام

حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کی تصنیف ''ایک اسلام'' یہ مختصر تصنیف ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس تصنیف میں منکرینِ حدیث کا رد قوی دلائل سے دیکر کیا ہے کہ قرآن وحدیث اسلام کے ایسے ستون ہیں جن کے بغیر اسلام کی چھت قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ مختصری تصنیف دو ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ضرورت حدیث کے ثبوت میں دوسرا باب مختلف استفسارات کے جوابات میں۔ یہ تصنیف اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ سنہ تصنیف ۵ ربیع الآخر ۱۳۷۵ھ بروز جمعہ ہے۔ حضرت قبلہ مفتی احمد یار خانؒ منکرین حدیث کے جوابات میں لکھتے ہیں۔

> خود قرآن کا قرآن ہونا حدیث سے ثابت ہے ہم نے قرآن اترتے، جبرئیل علیہ السلام کو وحی لاتے نہ دیکھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن ہم نے مان لیا اور سرکار کا یہ فرمان ہی حدیث ہے[1]

یعنی حدیث کے بغیر قرآن کا قرآن ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سرکارِ مدینہ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن بھی آیا اور حدیث بھی انسان کو کیا معلوم تھا کہ قرآنی آیت کون سی ہے اور حدیث کی عبارت کیا ہے۔ خود سرکارِ مدینہ ﷺ کے بتانے سے انسان کو معلوم ہوا یہ قرآن ہے اور یہ حدیث۔ قرآن کو ماننے کیلئے حدیث کا ماننا ضروری ہے۔ حضرت حکیم الامت بدایونی مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ نے منکرین حدیث کا جواب آیتِ قرانیہ سے

[1] ایک اسلام پہلا باب صفحہ ۶

ثابت کرتے ہوئے سوالِ الزامی قائم کردیا ہے۔صرف قرآن کی اطاعت ضروری تھی تو اس آیت میں تین کا ذکر کیوں فرمایا وہ لکھتے ہیں کہ قرآن، حدیث، فقہا کو ماننا بھی ضروری ہے کیونکہ وہ اولی الامر ہیں۔قرآن وحدیث اسلامی ستون ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔یعنی فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں کی۔قرآن پر عمل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور حدیث ہر عمل رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے اور فقہا کی ماننا تقلید کرنا اولی الامر کی اطاعت ہے اسی لئے عام صحابۂ کرام فقہا صحابہ کی اطاعت کرتے تھے۔

اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں

مودودی نے اللہ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

اگر میں بیمار ہوتا ہوں اور علاج کے لئے ڈاکٹر کو بلاتا ہوں تو اس پر نہ دعا کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ اس کے معنیٰ خادم یا ڈاکٹر کو الٰــہ بنانے کے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ سلسلۂ اسباب کے تحت ہے نہ کہ اس سے مافوق لیکن اگر میں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے کے بجائے کسی ولی یا کسی دیوتا کو پکارتا ہوں تو ضرور اس کو الٰہ بنانا اور اس سے دعا مانگنا ہے۔[1]

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی تفسیر ''تفسیر عزیزی'' سورۂ بقرہ سے ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے۔ جس سے مودودی کے ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' میں پیش کردہ مفہوم کی تردید اور حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان علیہ الرحمتہ کے ''اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں'' میں جو مفہوم پیش کیا ہے اس کی تائید ہوتی ہے۔ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

''افعال عادۃِ الٰہی را مثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق و شفاءِ مریض وَ اَمثال ذالک را مشرکاں نسبت بارواح خبیثہ و اصنام می نمایند و کافری شوند موحدان از تاثیرِ اسمآءِ الٰہی یا خواص مخلوقاتِ اوی دانند از ادویہ و عقاقیر یا دعاءِ صلحا بندگان او کہ ہم از جناب او درخواستہ آن جامع مطالب می کنانندی فہمند و در ایمانِ ایشاں خلل نمی افتد۔[2]

---

[1] چار بنیادی اصطلاحیں صفحہ ۲۶ [2] طیب البیان صفحہ ۲۶،۲۵

یعنی اللہ کے افعال عادی مثل بیٹا دینے رزق وسیع کرنے بیمار کو شفا دینے وغیرہ کو مشرکین ارواح خبیثہ اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں اور اہل توحید اللہ کے ناموں کی تاثیر یا اس کی مخلوقات ادویہ وغیرہ کی خاصیت یا اللہ کے نیک بندوں کی دعا کی تاثیر سمجھتے ہیں جو اللہ کی جناب میں درخواست کر کے خلق کی حاجت روائی کراتے ہیں اس اعتقاد سے ان کی ایمان میں کچھ خلل نہیں آتا۔ مودودی کی تصنیف ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' سے جو اقتباس پیش کیا گیا۔ کوئی مسلمان نبی ولی یا فرشتہ کو ہر جگہ ناظر و متصرف بالذات نہیں سمجھتا کیونکہ اولیا وانبیا علیہم السلام کے ر رف بعطائے الٰہی ہے اس مقام پر مودودی کو زبردست ضلالت ہوئی ہے۔

حضرت محدث دہلوی کی ''تفسیر عزیزی'' سورۃ بقرہ سے تحقیق کی روشنی میں ثابت ہوا کہ مودوی کی تصنیف عنکبوت کے جال سے زیادہ کمزور ہے۔ مودودی صاحب نے الٰــــہ کے مفہوم کو غلط استعمال کر کے قرآن حکیم کی وہ آیات مقدسہ جو مشرکین عرب کے متعلق نازل ہوئی ہیں ان آیات مبارکہ کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہوئے نہایت ہی عامیانہ مفہوم بیان کیا نیز مسلمانوں کو کافر و مشرک بنایا اور قرآن مجید کے اصل مدعا کو پس ڈال دیا ہے۔ لفظ اللہ ۔ اَلْہٗ سے بنا جس کے معنیٰ لغوی انتہائی بلندی یا حیرانی کے ہیں۔ الٰہ وہ جو بلند و برتر ہو یا جس کی ذات و صفات میں مخلوق کی عقل حیران رہ جائے۔ قرآن کی اصطلاح میں الٰــہ بمعنیٰ مستحق عبادت یعنی معبود ہے۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان'' کی تصنیف ''سلام کی چار اصولی اصطلاحیں'' ہے مصنفؒ نے اس میں نبی، ایمان، الٰہ، رسول پر بحث کی ہے جو ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ تصنیف ۱۹۶۴ء مطابق ۱۳۸۴ھ میں گجرات (پاکستان) سے بشائع ہو کر منظر عام پر آئی۔

عام طور پر الٰــہ کا غلط مفہوم لیا جا رہا ہے۔ الٰــہ وہ ہے جو غیب جاننے والا، حاضر ناظر، بیٹا دینے

والا، شفا بخشنے والا، مشکل کشا، حاجت روا، دادرس فریادرس، دور سے سننے والا، دیکھنے والا، عالم پر تصرف کرنے والا۔ اس مفہوم کو حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ نے آیت قرآنی سے استدلال کر کے باطل قرار دیا ہے کیونکہ اگر یہی مذکورہ عقیدہ رکھا جائے تو از روئے قرآن لاکھوں الٰــہ ہو جائیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے غیب سے متعلق آیت قرآنی گواہ ہے۔ عالم پر تصرف سے متعلق حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں آیت قرآنی موجود ہے شفا کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جبہ شریف کی برکت مشہور ہے۔ بیٹا دینے کے متعلق حضرت جبرئیل کی پھونک کی تاثیر ظاہر ہے۔ دور سے سننے کے بارے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت سماعت کا واقعہ روشن ہے اور ہر جگہ مثل کف دست دیکھنا یہ حضرت آصف بن برخیا سے ثابت ہے۔ مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس کا مسئلہ حضرت مریم رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے واضح ہے۔ غیر فانی ہونا، ابدی ہونا، جنتی جنت میں پہنچ کر جہنمی جہنم میں پہنچ کر غیر فانی ہیں اور وہاں کے پھل ابدی ہیں، جن کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ آخر میں مصنف نے الٰــہ کے شرعی معنیٰ بتاتے ہوئے بندہ اور الٰــہ کی وضاحت فرمائی ہے۔

اب ہم اس ضمن میں اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ

اور خبر دیتا ہوں میں تم کو جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور بچاتے ہو۔ تَاْكُلُوْنَ اور تَدَّخِرُوْنَ مضارع ہے جس میں حال و استقبال دونوں زمانوں کی گنجائش ہے۔

اگر غیب جاننا مدار الوہیت ہو تو از روئے قرآن مجید جناب مسیح الٰہ

ٹھہرتے ہیں۔[1]

مصنف علیہ الرحمۃ نے اس آیت مبارکہ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے غیب کو ثابت کرتے ہوئے مضارع کے صیغے کی طرف توجہ بھی دلائی ہے تا کہ مسئلہ واضح ہو جائے کہ غیب کا جاننا مدار الُو ہیت نہیں ہے۔

وَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ

''معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی اور نرم ہواؤں کو خواہ پروایا پچھوا،
شمالی یا جنوبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تَجْرِي بِأَمْرِهِ
ہر قسم کی ہوائیں ان کے حکم سے چلتی ہیں۔[2]
اُلو ہیت کے اس قاعدے سے انہیں بھی اِلٰہ ماننا پڑے گا۔

ہوا خدا کی ایک ایسی نعمت ہے جس سے عالَم کی زندگی کا دارومدار ہے اللہ تعالیٰ نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں دے کر عالم کی جان کو ان کے قبضہ اختیار میں دے دیا۔ یہ ہے عالم پر سلیمان علیہ السلام کا تصرف۔ شفاء سے متعلق مصنف نے آیت قرآنی پیش کر کے واضح کر دیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جبہ شریف کے ذریعہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو شفا ملی۔ جو بھی شے بزرگوں کے دامن سے وابستہ ہو جائے اس میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے حصول مقصد ممکن ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ط

میری یہ قمیض لے جاؤ۔ میرے ابا جان کے چہرے پر ڈال دو وہ
انکھیارے ہو جائیں گے۔

بیٹا دینے سے متعلق مصنف علیہ الرحمۃ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل

---

[1] اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں صفحہ ۴، [2] اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں صفحہ ۵

علیہ السلام حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو بحکم خدا بیٹا دے سکتے ہیں تو یہ تعجب خیز امر نہیں کہ انبیاء واولیاء کا بعطائے خدا اولاد دینا۔ نہ یہ قوت مدار اُلوہیت ہے نہ اللہ والوں کی طاقت سے بعید ہے۔ قرآنی آیات حضرت جبرئیل کا بیٹا دینے کے بارے میں حضرت حکیم الامت بدایونی" لکھتے ہیں۔ قرآن مجید:

اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکَ لِاَھَبَ لَکِ غُلَامًا ذَکِیًّا

میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں پاک بیٹا دوں۔

اگر بیٹا دینا دلیل اُلوہیت ہو تو حضرت جبرئیل بھی الٰہ بن جاتے ہیں۔

دور سے سننا

دور سے سننے سے متعلق قرآن حکیم میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت سماعت کا ذکر ہوا ہے سے آیت مبارکہ کو پیش کرتے ہوئے فاضل مصنف" نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ بھی اُلوہیت کی دلیل نہیں ہے۔ اگر دور سے سننا اُلوہیت کی دلیل ہوتی تو ازروے قرآن حضرت سلیمان علیہ السلام کو الٰہ ماننا پڑے گا۔ وہ لکھتے ہیں قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

یَا اَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمَانُ وَ جُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ آگے فرماتا ہے فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنْ قَوْلِھَا۔

اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم کو لشکر سلیمان کچل دے اور انہیں خبر بھی نہ ہو سلیمان اس کی یہ بات سن کر ہنس پڑے۔[1]

---

[1] اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں صفحہ ۷

حاضر و ناظر

ہر جگہ مثل کف دست دیکھنا سے متعلق مصنف علیہ الرحمۃ نے حضرت آسف بن برخیا کا واقعہ بیان فرما کر آیت قرآنی سے حوالہ پیش کیا ہے۔ حضرت آصف بن برخیا نے فلسطین مین رہ کر شہر سبا کا نظارہ کیا جو سیکڑوں میل کا فاصلہ ہے اور پلک جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بلقیس کا قیمتی وزنی تخت بغیر وسائل و ذرائع کے حاضر کر دیا۔

حضرت آصف بن برخیا بنی اسرائیل کے اولیاء میں سے ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن کا واضح اعلان ہے۔

قَالَ اَنَا اٰتِیۡکَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ

میں آپ کی خدمت میں تخت بلقیس لاؤنگا آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے۔[1]

---

[1] اسلام کی چار اصولی اصطلاحین صفحہ ۸

غیر فانی ہونا ابدی ہونا

اس مقام پر مصنف علیہ الرحمۃ کی قوت فراست، علمی بصیرت درجہ کمال کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ اکثر کا یہی خیال تھا کہ غیر فانی ہونا، ابدی ہونا مدار الوہیت کی دلیل ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے یہاں ثابت کیا ہے کہ جنتی جنت میں پہنچ کر اور جہنمی جہنم میں پہنچ کر غیر فانی ہوں گے لہذا غیر فانی کا ہونا بھی مدار الوہیت کی دلیل نہیں ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس بحث پر زبردست دعوتِ اصلاح پیش کر کے محققانہ بصیرت، فنی مہارت کے جواہرات بکھیر دیے ہیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

جنتی لوگ جنت میں پہنچ کر دوزخی لوگ دوزخ میں پہنچ کر سب غیر فانی ہوں گے۔ رب فرماتا ہے۔ اُكُلُهَا دَائِمٌ اس کے پھل ہمیشہ ہیں اور فرماتا ہے خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وہ جنتی، جہنمی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ تو اس سے لازم آیا کہ ہر جنتی، دوزخی اللہ بن جائے [1]

---

[1] اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں صفحہ نمبر ۱۲

اُلوہیت والٰہ کے شرعی معنیٰ

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے بندہ اور الـٰـہ کے شرعی معنیٰ کا استنباط کرتے ہوئے واضح مسائل بیان فرمائے وہ لکھتے ہیں:

یقیناً اللہ تعالیٰ ازلی ابدی، سمیع، بصیر، حاجت روا، مشکل کشا، خالق مالک، فریادرس، شفا و روزی رسان ہے مگر ان میں سے کوئی چیز الٰہ وعبد و معبود کے درمیان باعث فرق نہیں۔ جو چیز بندہ اور اللہ میں فرق کرے جسکی بنا پر بندہ بندہ ہو اور الٰہ الٰہ وہ ایک چیز ہے یعنی غنی اور بے نیازی۔ بندہ وہ ہے جو نیاز مند ہو۔ دوسرے کا حاجت مند ہو۔ اس کی ڈور کسی اور کے ساتھ میں ہو۔ اسکی صفات اور وہ خود دوسرے کے قبضہ میں ہو الٰہ وہ ہے جو کسی کا حاجت مند کسی کا نیاز مند نہ ہو سب سے غنی و بے نیاز ہو۔

باب چہارم

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بحیثیت نعت گو

دیوانِ سالک نعت رسول ﷺ

نعت عربی لفظ ہے جس کے معنی مدح، ثنا، تعریف، توصیفِ رسول اللہ ﷺ کی شان میں مدحیہ اشعار پیش کرنے کے ہیں۔ نعت میں بعض شعراء نے رسول اکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کیا ہے۔ بعض نے نبی برحق ﷺ کی بارگاہ میں وارفتگیٔ قلب کو پیش کیا ہے بعض نے عالم تصور میں حاضر بارگاہ ہو کر دعائیں والتجائیں کی ہیں۔ بعض نے اس صنف میں جہاں پر سرکار مدینہ ﷺ کی تعریف کی ہے وہیں پر دشمن رسول کی ہجو بھی کی ہے۔
موضوع کے اعتبار سے نعت پاک میں بڑی وسعت ہے۔ عام طور پر نعت میں نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت، آپ کی سیرت، طیبہ کے متنوع پہلو، آپ کے معجزات، آپ کے اوصاف حمیدہ، آپ کی جود وسخا، آپ کی برتری وفضیلت، واقعات معراج، گنبد خضریٰ کے حسن وجمال، مدینۃ الرسول کی بہار، زیارت کی تمنا۔ غرض نعت میں ان تمام باتوں کا احاطہ ہوتا ہے جو آپ کی ذاتِ بابرکات سے مختص ہیں۔
نعت حقیقت میں ایک بہت ہی اہم صنف سخن ہے۔ یہ فن شاعری کی پل صراط ہے۔ نعت شریف حضور ﷺ سے بے پناہ عقیدت اور جذبات عشق کے وفور کے بغیر ناممکن ہے نعتیہ کلام کی زمین سنگلاخ بھی ہے خطرناک بھی۔ اس لئے کہ اس میں شرعی اور شعری دونوں کا اجتماع ہے۔ شریعت مکمل ایک ضابطہ حیات ہے اور شعری میدان کے لئے حدیں مقرر نہیں

ہیں جس کی وجہ سے شعراء عام طور پر اس میدان میں طبع آزمائی سے گریز کرتے ہیں کیونکہ شرعی حدود میں رہ کر قلم اٹھانا اور انہیں شعر وسخن کے قالب میں ڈھالنا۔ الفاظ کو میزان اسلام پر تولنا۔ خیالات کی اساس قرآن شریف وحدیث پر رکھنا یہ مشکل کام ہے۔

حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔[1]

دورِ نبوی میں نعت گو شعراء کو کافی قدر ومنزلت حاصل تھی اور عہد نبوی کے بعد بھی وہ ہر دور میں قابل احترام سمجھے گئے۔ نعت نبوی عقیدت کی صداقت اور جذبات عشق کے وفور کے بغیر ناممکن ہے ایسی نعتیں ہر دور میں وافر ہی ہیں۔[2]

نعت گوئی کا آغاز سب سے پہلے عربی زبان میں ہوا۔ عربی زبان میں نعتیہ کلام کا وافر خزانہ موجود ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "التعظیم والمنه" میں بروایت دلائل النبوت مصنفہ ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ آمنہ خاتون (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے اپنی وفات کے وقت حضور ﷺ کے چہرہ پاک پر حسرت سے نظر کی اور ان کی یتیمی پر خیال کر کے یہ اشعار پڑھیں۔

---

[1] الملفوظات حصہ دوم صفحہ ۴۶ سال اشاعت جولائی ۱۹۹۵ء ۱۴۱۵ھ مرتب مفتی اعظم مصطفےٰ رضا خان بریلوی

[2] سہ ماہی کاروان ادب لکھنؤ صفحہ ۸۷ دسمبر ۱۹۹۴ء

بَـارَکَ اللہُ فِیْکَ یَـا غُلَامِـیْ

یَاابْنِی الَّـذِیْ مِنْ حُرْمَةِ الْحَمَام

فَـاَنْـتَ مَبْعُوثٌ اِلٰـی الْاَنَـام

مِنْ عِـنْـدِ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْـرام

تُبْـعَـثُ فِـی الْـحِلِّ وَالْـحَـرام

تُبْـعَـثُ بِـالتَّـحْـقِیْـقِ وَالْاِسْلَام

دِیْـنَ اَبِیْکَ الْبِـرِّالْبَـرَا هَـام

فَـاللہُ اَنْھَـاکَ عَـنِ الْاَصْـنَـام [1]

ترجمہ: یعنی اے بیٹے تجھے برکت دے مجھے یقین ہے کہ تم رب کی طرف سے ساری مخلوق کے نبی ہو گے اور حل وحرم عرب وعجم میں اسلام پھیلاؤ گے۔ اللہ تمہیں بت پرستی سے بچائے اور دین ابراہیم تم سے پھیلائے۔

حضرت امیر حمزہ کا کلام:

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وقت اسلام قبول کیا۔ اسی وقت بلند آواز سے چند اشعار پڑھے اور یہ شعر حضور ﷺ کی توصیف میں کہے۔ نمونہ کلام اس طرح ہے۔

فَلَاوَاللہِ نُسْـلِـمُـهٗ لِـقَـوْمٍ

وَلَـمَّـا نَقْضِ فِیْھِمْ بِالسُّیُوْفِ [2]

پس خدا کی قسم ہم ان کو کافروں کی قوم کے سپرد نہیں کریں گے اور ابھی تک ہم نے کافروں کے بیچ تلواروں سے فیصلہ نہیں کیا ہے۔

---

[1] اشرف التفاسیر جلد اول صفحہ ۷۸۰؛ [2] پاسبان الہ آباد فروری ۱۹۸۱ء صفحہ ۲۸

حضرت ابوطالب کے آخری اشعار:

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ
مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّةِ دِیْنًا
لَوْلَا الْمَلَامَةُ اَوْحِذَارُ مُسَبَّةٍ
لَوَجَدْتَنِیْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِیْنًا [1]

ترجمہ یعنی میں یقین سے جانتا ہوں کہ دین محمدی سب ادیان سے بہتر ہے۔ اگر ملامت و دشنام کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس دین کو قبول کر لیتا۔

حضرت ابو طالب دل سے حضور کی حقانیت جانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے حضور کی بہت شاندار نعتیں کہیں۔ جنہیں بھی شعر گوئی میں دخل تھا انہوں نے نعت کہنے کی سعادت حاصل کی۔ حضور اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں پر پردہ نشین عورتیں جھوم جھوم کر درج ذیل اشعار سنانے لگیں۔

اَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَیْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
اَیُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ [2]

حضرت کعب بن زہیر کا کلام:

آپ کا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" عربی ادب کا شاہکار ہے ان کا کلام اس طرح ہے۔

[1] نور العرفان سورۂ قصص صفحہ ۶۲۵؛ [2] رحمۃ اللعالمین جلد اول صفحہ ۹۵

فَقَدْ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُعْتَذِرًا
وَالْعُذْرُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَقْبُوْلٗ
مَہْلًا ھَدَاکَ الَّذِیْ اَعْطَاکَ فَاضِلَۃ
الْقُرْآنِ فِیْھَا مَوَاعِظٌ وَّتَفْصِیْلُ [1]

بیشک میں رسول اللہ ﷺ کے پاس عذر پیش کرتا ہوا آیا ہوں اور عذر اللہ کے رسول کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ مجھے مہلت دیجئے۔ اللہ آپ کو ہدایت دے جس نے آپ پر قرآن نازل کیا۔ جس میں نصیحتیں ہیں اور بزرگیاں۔

حضرت کعب بن زہیر کا کلام دشمنان اسلام کے لئے تیر سے زیادہ تیز ہے۔

حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں حضرت حسان بن ثابت، کعب بن زہیر، عبداللہ بن رواحہ اور جعفر طیار رضی اللہ عنہ وغیرہ درباری شعراء کی حیثیت سے بے حد مشہور تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا نمونہ کلام اس طرح ہے۔

وَاَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ
وَاَکْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدُ النِّسَآءُ
خُلِقْتَ مُبَرًّا مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ [2]

اے حسن و جمال کے آقا آپ سے بڑھ کر حسین و جمیل میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے بڑا صاحب کمال دنیا جہان کی کسی عورت نے جنا ہی نہیں عورتوں کی آغوش میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ آپ ہر ایک عیب سے پاک پیدا ہوئے گویا یہ کہ آپ کی تخلیق آپ ہی کی مرضی کے مطابق ہوئی۔

۲/۱ ماہنامہ پاسبان الہ آباد، اکتوبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۰

حضرت اویس قرنی

حضرت اویس قرنیؓ حضور ﷺ کی بارگاہ میں اس طرح نعتیہ کلام کا گلدستہ پیش کرتے ہیں:

بَلَّغَ اللهُ صَلَاتِی وَسَلَامِی اَبَدًا
لِنَبِيٍّ عَرَبِيٍّ مَدَنِيٍّ حَرَمِی

اے اللہ میرا درود و سلام ہمیشہ پہنچتا رہے اس نبی ﷺ پر جو عربی ہیں۔ مدینہ اور حرم شریف کے رہنے والے ہیں۔

شَمْسُ فَضْلٍ وَّضِيَآءٍ وَّثَنَاءٍ اَسْنٰى
نُوْرُ بَدْرٍ بِهَآءٍ وَّسَمَآءِ الْكَرَمِ [1]

فضیلت کے آفتاب اور روشنی اور درخشاں تر نور کی چمک ہیں۔ نور ماہ کامل، رونق ہیں اور بخشش کے آسمان ہیں۔

حضرت امام بوصیری کا قصیدہ "بردہ شریف" عربی زبان میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے اسے جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اس قصیدہ پر عربی ادب جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔

اَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِيْ سَلَمٍ
مَزَجْتَ دَمْعًا جَرٰى مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمٍ [2]

کیا تجھے ذی سلم کے ہمسائے یاد آگئے کہ آنسو ملا ہوا خون تیری آنکھوں سے جاری ہے۔

[1] ماہنامہ پاسبان الہ آباد، اکتوبر، نومبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۱
[2] قصیدہ بردہ شریف صفحہ ۲

قصیدۂ نعمان میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ثنائے حبیب اس طرح فرمائی ہے۔

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ وَلَمْ یَکُنْ
لِاَبِیْ حَنِیْفَةِ فِی الْاَنَامِ سِوَاکَ ؎۱

میں آپ کی بخشش کا امیدوار ہوں اور ابو حنیفہ کا تمام عالم میں آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں۔

حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدحِ سرورِ کونین اس طرح فرمائی۔

وَکُلُّ وَلِیٍّ لَهٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ
عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِیْ ؎۲

ہر ایک ولی کے لئے ایک نبی کا قدم ہے لیکن میرے لئے قدم ہے نبی اکرم ﷺ جو آسمان کمال کے بدر کامل ہیں ان کے قدموں پر ہوتا ہے۔

ان حضراتؒ کے بعد عربی فارسی کا امتزاج اور اس کی اشتراکیت کی فہرست سامنے آتی ہے۔ جس میں رومی، جامی، قدسی، امام بوصیری، شوقی، عرفی، حافظ، شیخ سعدی وغیرہ ہم کے نام آتے ہیں۔

؎۱ ؎۲ قصیدۂ نعمان صفحہ ۱۳

حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضور پاک ﷺ کی شان میں اس طرح نعت کہتے ہیں۔

یا رسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی
برگزیدہ ذوالجلال پاک بے ہمتا توئی
نازنین حضرت حق صدرِ بزم کائنات
نورِ چشم انبیاء ماہِ چشم ما توئی
شمس تبریزی چہ اندر نعت تو پیغمبراں
مصطفیٰ و مجتبیٰ و سید اعلیٰ توئی [1]

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ
کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ [2]

عربی کے بعد فارسی شعراء نے بزبان فارسی اس صنف سخن میں اپنا کمال فن کا اظہار کر کے دھوم مچایا ہے۔ عربی کے نعتیہ کلام نے فارسی کو نئی جہت عطا کی اہل فارس نے بڑی شاندار نعتیں کہی ہیں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے عربوں سے بھی خراج تحسین وصول کیا۔ ہندوستان

[1] اردو کی نعتیہ شاعری صفحہ ۱۰
[2] اردو کی نعتیہ شاعری صفحہ ۱۱

کے فارسی شعراء میں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ اقلیم سخن کے تاجور ہیں۔ آپ کا کلام حسب ذیل ہے:

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہ ہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من دوم
پری پیکر نگارے وسرو قدے لالہ رخسارے
بہ ہر سو فتنۂ دل بود شب جائے کہ من بودم
خدا خود میر محفل بود شب جائے کہ من بودم
محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم [1]

حضرت عبدالرحمٰن جامی اس طرح سے نعتیہ کلام پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نَجَیْنَا
زسر سینہ اش جامی اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ برخواں
زِمعراجش چہ می پرسی کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْریٰ [2]

عرفی

فارسی زبان میں عہد جہانگیر کا مشہور عالم شاعر عرفی اپنا کلام اس طرح پیش کرتے ہیں۔

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بہ یک آہنگ سرودن
نعت شہ کونین مدح قیصر و جم را [3]

---

[1] اردو کی نعتیہ شاعری صفحہ ۱۰ [2] اردو کی نعتیہ شاعری صفحہ ۱۱
[3] ماہنامہ پاسبان، اکتوبر، نومبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۲

ترجمہ: اے عرفی خبردار! یہاں دوڑ کر مت چل یہ صحرا نہیں نعت پاک کا راستہ ہے (اہل دنیا کی مدح کی طرح صحرانوردی نہیں ہے) سنبھل کر چل کیونکہ قدم کا راستہ تلوار کی دھار پر ہے اور ہوش رکھ کیوں کہ ایک ہی لب ولہجہ میں کونین کے بادشاہ رسول اللہ ﷺ کی نعت اور دینوی قیصر وجم کی تعریف کو نہیں گا سکتے کیونکہ ادب اور احتیاط ہر حال میں لازم ہے۔

نعت رسول مقبول قدسی اس طرح فرماتے ہیں:

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدہ ای
ہر چند کہ آخر بہ ظہور آمدہ ای
اے فخر رُسُل فرق تو معلوم شدہ
دیر آمدہ ای کہ ازرہِ دور آمدہ ای [1]

ترجمہ: آپ تمام غیرت مند بادشاہوں سے (انبیاء علیہ السلام سے) پہلے وجود میں آئے اگر چہ ظہور کے اعتبار سے آپ سب سے آخر تشریف لائے۔ اے فخر رسل اللہ تعالیٰ سے آپ کی نزدیکی مجھ کو معلوم ہوگئی آپ دور کے راستے سے آئے ہیں۔ اس لئے دیر سے آئے۔

جہاں تک اردو میں نعت کا تعلق ہے اسے صنفی وادبی حیثیت حیدر آباد دکن نے عطا کی اور علاقہ دکن ہی نے اس کی اشاعت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

اردو کا پہلا نعت گو شاعر جو اردو زبان وادب کا پہلا شاعر بھی ہے۔ شمالی ہند سے تعلق رکھتا ہے یہ شاعر ملا داؤد ہے۔

دستیاب مواد کی بنیاد پر ملا داؤد شمالی ہند ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان

[1] ماہنامہ پاسبان الٰہ آباد، اکتوبر، نومبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۲

کے پہلے نعت گو شاعر قرار پائے ہیں۔[1]

علاقہ ءِ دکن کے نعت گو شعراء میں۔

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سید اشرف بیابانی، محمد قلی قطب شاہ، وجہی، عالم احمد، مضتار، سید احمد، فتاحی، نصرتی، ہاشمی، ولی، سراج، ابوالحسن قرل، ولی ویلوری، فدوی مفتون، شیر محمد خان، ایمان، عزالدین خان، خواجہ فیاض الدین بندہ، خواجہ معین الدین شاہ موس، خواجہ عبداللہ خان خیز، محمد حیات خان میسوری، فیاض الدین خان ادب، شیخ محمود علی، ناظم، حاجی اعظم علی شائق، خطیب مدراس، سیٹھ محمد اسماعیل مغموم، غلام مصطفےٰ راسخ، معلیٰ، منشی محمد شمس الدین، امیر حمزہ، مکھن لال۔ قابل ذکر ہیں۔

اردو زبان جو ایک نہایت تروتازہ، پاکیزہ، معروف آشنا زرخیز زبان ہے۔ اردو ادب آج ہر پہلو پر حاوی نظر آتا ہے اس زبان کی ایک اہم خوبی یہ کہ زمانے کے ماحول کو اپنے اندر بہت جلد جذب کر لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جب سے ہمارے ملک ہندوستان میں اردو زبان کا آغاز ہوا ہے ہندوستان شعراء نعتیہ میدان میں اپنا کمال فن دکھا کر اردو کی ترویج میں اہم ساجھے دار نظر آتے ہیں۔

اردو شاعری کی ابتداء مذہبی نقطہ نظر سے ہوئی ہے ایک مدت تک مذہبی رنگ و بو برقرار رہا ہے۔ جنوبی ہند میں "نصرتی" نے ۱۰۶۷ھ تا ۱۰۷۶ھ کے درمیان "علی نامہ" قلم بند کیا۔ نصرتی نے علی نامہ میں مناجات کے بعد آقائے دو جہاں شاہ کون و مکان کی شان میں نعتیہ کلام پیش کیا ہے۔ جو ۴۶ ابیات پر مشتمل ہے۔ نصرتی کا نمونہ کلام اس طرح ہے۔

نہیں ہے شہنشاہ دنیا و دیں
شجاعت کے صف کا ہے کرسی نشیں

---

[1] اردو شاعری میں نعت ایے جلد اول ۱۹۹۲ء مطبع ندائے حق پریس لکھنؤ

آرزوئے چشمۂ کوثر نہیں
تشنہ لب ہوں شربت دیدار کا

شعراء متقدمین میں مبارک شاہ آرزو، شرف الدین مضمون، شاکر ناجی، محمد حسن، شاہ حاتم، سراج الدین آرزو وغیرہ کے یہاں عمدہ کلام موجود ہیں۔ شعرائے متوسطین میں میر تقی میر، مرزا مظہر جان جاناں، مرزا محمد سودا، میر حسن اور خواجہ میر درد کے نام نا قابل فراموش ہیں۔ خصوصیت سے خواجہ میر درد کی نعتیں قابل توجہ ہیں۔ ان کے بعد میر انشاء اور مصحفی کا زمانہ آتا ہے۔ آتش، ناسخ، انیس، دبیر کا نعتیہ کلام ملتا ہے وہ بھی لطف سے خالی نہیں۔ ذوق، غالب، مومن کا عہد نعتیہ شاعری کا عہد زریں ہے کیوں کہ اس دور میں مغل کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی طرف سے نعتیہ مشاعروں کا اہتمام ہونے لگا تھا۔ اس دور میں نعت کی ہمہ جہتی ترقی ہوئی۔ اساتذہ فن نے نعت گوئی کی طرف توجہ ضرور کی ہے لیکن فن کی حیثیت سے نہیں بلکہ وقتی ضرورت سے گاہے بگاہے نعت کہی ہیں اور شاعری کے دونوں دبستانوں میں نعتیہ شاعری کی مثال فن کے اعتبار سے نہیں ملتی۔

۱۸۵۷ء میں آزادی کی لڑائی کے بعد جب حکومت برطانیہ نے عنانِ حکومت ہند اپنے ہاتھ میں لے لی۔ بہادر شاہ ظفر قید ہو گئے، واجد علی شاہ پہلے معزول کئے جا چکے تھے، باشندگان ہند پر خوف اور ہراس طاری ہو گیا۔ یہی وہ ماحول ہے جس سے متاثر ہو کر افق شاعری پر درخشندہ ستاروں نے نعت گوئی کی طرف پوری توجہ صرف فرمادی۔ یہی دور امیر داغ، محسن کا کوروی کا دور کہلاتا ہے۔ اسی دور میں نعتیہ صنف سخن کو باقاعدہ فن کی حیثیت سے استعمال کیا گیا۔ محسن کا کوروی کے بعد اردو کا دوسرا نعت گو شاعر امام احمد رضا کو مانا جاتا ہے۔ محسن کاکوروی، امام احمد رضا، شطار منیری، اختر منیری، کفایت علی کافی، آسی غازی پوری امیر بیدم، محدث سید میاں، استاد دامن، حضرت حسن رضا، جمیل قادری، سید نعیم الدین مراد

آبادی وغیرہم نعتیہ افکار میں کافی اہمیت رکھتے ہیں۔

قرآن حکیم نے حضور آفتاب رسالت ماہتاب نبوت کو سراپا منیر یعنی چمکا دینے والا سورج فرمایا۔ ہروہ شخص جس نے غلامی کا سلسلہ مضبوط کرلیا دامنِ رسول سے وابستہ ہوگیا۔ دائرہ عشقِ رسول میں جا پہنچا ستارہ بن گیا۔ ایمان کی جان محبت رسول ہی ہے۔ حضور کے عشق میں مبتلا ہوکر بعض نے ایسے عشقیہ نغمے چھیڑے جو ہر عاشقِ رسول کے لئے قطب مضطرب کا سامان ہے۔

انہیں عاشقوں کی صف اول میں حضرت سالک بدایونی مفتی احمد یار خان کا شمار ہوتا ہے۔ جنہوں نے نعتوں پر مشتمل ایک دیوان چھوڑا ہے۔ آپ نے عشق رسول کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا۔ آپ کا کلام تصنع سے پاک، سادہ سلیس عام فہم ہے۔ آپ شیخ التفسیر والحدیث، مفتی، محقق، مفکر، مصنف، مورخ ہیں۔ مگران تمام پر طرہ امتیاز یہ کہ ایک عاشق رسول بھی ہیں۔ آپ کا نعتیہ کلام عشق رسول سے لبریز ہے۔

زمانہ بھر میں یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کھانا اسی کا گانا
تو نعتیں جن کی کھا رہے ہیں انہیں کے ہم گیت گا رہے ہیں [1]

کلام میں روانی بھی اور سادگی بھی ہے (تو نعتیں جن کی کھا رہے ہیں) اپنے دامن میں بڑی وسعت رکھتا ہے جس کی تشریح کے لئے دفتر کافی نہیں ہے۔

سرکار کی اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے وَاللّٰہُ مُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ مخلوق کو جو بھی نعتیں مل رہی ہیں اسی بارگاہ سے سرکار مدینہ ﷺ کا اسم گرامی ہی نعمت اللہ ہے جس کو سرکار مدینہ روحی فدا جناب محمد رسول ﷺ سے والہانہ عشق ہوجائے اس راہ میں کسی اور کا گذر کیسے ہو۔

---

[1] دیوان سالک صفحہ ۱۳

فیضان محبت عام سہی عرفان محبت عام نہیں

عہد نبوی کریم ﷺ سے تاعصر حاضر دنیائے شعر وسخن میں باکمال نعت گوشعراء بے شمار گذرے ہیں جنہوں نے اپنے کلام کے ذریعہ سرکار دوجہاں ﷺ کی مدح سرائی فرمائی ہے۔انہیں شعراء نے اپنے کلام میں ذکر حبیب کے وہ نقوش اجاگر کئے ہیں جو تحفظ دین کا وسیلہ، عشق کی روحانی غذا اور قرب حبیب کا ذریعہ بن گئے۔حضرت سالک مفتی احمد یار خان سچے عاشق رسول بھی ہیں۔آپ کے نعتیہ کلام کا ہر شعر عشق رسول کا غماز ہے۔

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

آپ نے اپنے نعتیہ کلام میں عشق رسول کے ذریعہ آخرت سے بے خوفی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

خوف گناہ میں مجرم ہے آب آب کیسا
جب رب ہے مصطفٰے کا پھر اضطراب کیسا
مجرم ہوں روسیاہ ہوں اور لائق سزا ہوں
لیکن حبیب کا ہوں مجھ پر عتاب کیسا [1]

آقا حضور ﷺ گنہگاروں (برائیوں سے) آلودہ ہونے والوں، سخت خطا کاروں، ہلاک ہونے والوں کے لئے شفاعت فرمانے والے ہیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کے کلام میں نہایت سادگی، تازگی، شیفتگی، وارفتگی، لطافت، فصاحت وبلاغت اور بے انتہا گہرائی پائی جاتی ہے۔آپ کے کلام میں عشق کا دعویٰ نہیں ہے۔آپ کا عشق رسول صداقت پر مبنی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی زبان پر الفاظ صرف نکلتے نہیں تھے مچلتے بھی تھے۔نعتیہ کلام کی زمین سنگلاخ بھی، خطرناک بھی۔اس

---

[1] دیوان سالک صفحہ ۵

میدان میں نعتیہ کلام پیش کرنا زمین کی سنگلاخ، پھر پاس شرع کی ذمہ داری، ایسی پر پیچ وادی سے گذرنا عاشق رسول اور عارف شریعت ہی کا کام ہے۔ عشق کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ جذبات کا طوفان اٹھتا ہے۔ ضبط کا یارا نہ رہے تب دل کی ہر دھڑکن، زبان کی ہر جنبش سے نعتیہ کلام کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

• اس فن میں قدم قدم پر خطرات کا سامنا ہے وہ ذاتِ مقدس جس کی سرکار میں دانستہ و نادانستہ ذرا بھی سوءِ ادب و رفع صوت حبط اعمال کا سبب ہے اس کی مدح و نعت بڑے ہوش کا کام ہے۔[1]

حضرت سالک بدایونی مفتی احمد یار خانؒ ثناءِ حبیب میں اس طرح رطب اللسان ہیں۔

تم ہی ہو چین اور قرار ہر دل بے قرار میں
تم ہی تو ایک آس ہو قلبِ گنہگار میں
روح نہ کیوں ہو مضطرب موت کے انتظار میں
سنتا ہوں مجھ کو دیکھنے آئیں گے وہ مزار میں[2]

حکیم الامت مفتی احمد یار خانؒ نے کسی مقام پر بھی دامنِ مصطفےٰ نہیں چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نعتیہ کلام میں شاعرانہ کمال، بصیرت کا جمال، زبان و بیان کی شستگی پورے شباب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ آپ نے والہانہ عشق و محبت کے زیر اثر مدحت شہِ کونین ہی کو توشۂ آخرت اور سرمایۂ حیات بنالیا ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام میں عشق رسول کی سچی تڑپ سوز گداز نمایاں ہے۔ جس سے آپ کے کلام میں فصاحت، رعنائی خیال، حسن معنیٰ۔ سلاست، بیان کی روانی پائی جاتی ہے۔ نیز طریقۂ ادا اور روزمرہ کا تیکھا پن بھی موجود ہے۔ اپنے نعتیہ کلام میں احوال عشق رسول اور درد کرب کا بہترین اظہار مخصوص انداز میں کرتے ہیں۔

---

[1] اردو کی نعتیہ شاعری صفحہ ۵۳؛ ۱۹۷۴ء [2] دیوان سالک صفحہ ۱۶

یہاں حقیقت اور جذبہ خلوص دونوں نمایاں ہیں۔ آپ کے کلام کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نشاط و سرور و کیف کی کیفیت یکسر ختم نہیں ہوتی بلکہ عشق رسول کی حرارت فزوں تر ہو جاتی ہے۔ عشق کی حرارت، تسلسل بیان اور فنی مہارت کی بہترین جلوہ گری ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام میں عشق رسول کی مستی اور سلاست کا امتزاج موجود ہے۔

پیر کا دن تاریخ ہے بارہ فرش پہ چمکا عرشی تارہ
تخت ہے ان کا تاج ہے ان کا دونوں جہاں میں راج ہے ان کا
جن و ملک ہیں ان کے سپاہی رب کی خدائی میں ان کی شاہی
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں دھوم ہے ان کی کون و مکاں میں

دان کرو کچھ جشن ہے بھاری
در پہ کھڑے ہیں سارے بھکاری [1]

آج وہ تشریف لایا جس نے روتوں کو ہنسایا
جس نے جلتوں کو بجھایا جس نے بگڑوں کو بنایا
عرشِ اعظم کا ستارہ فرش والوں کا سہارا
آمنہ بی کا دلارا حق تعالیٰ کا پیارا
دو جہاں کا راج والا تخت والا تاج والا
بے کسوں کی لاج والا ساری دنیا کا اجالا
تم بنائے دوسرا ہو کعبہ والے کی دعا ہو
تم ہی سب سے کے مدعٰی ہو جان نہ کیوں تم پر فدا ہو [2]

---

[1] دیوان سالک صفحہ ۱۰ [2] دیوان سالک صفحہ ۷

آپ کے ہو کر جئیں ہم نام نامی پہ مریں ہم
جب قیامت میں اٹھیں ہم عرض اس طرح کریں ہم

حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کے نعتیہ کلام میں بڑی گہرائی اور وسعت پائی جاتی ہے۔ ایک ایک شعر کی تشریح کے لئے دفتر درکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے ہم عصر نعت گو شعراء پر فوقیت رکھتے ہیں۔

تیری ذات میں جو فنا ہوا وہ فنا سے نو کا عدد بنا
جو اسے مٹائے وہ خود مٹے وہ ہے باقی اس کو فنا نہیں

دو جہاں میں سب پہ ہیں وہ عیاں دو جہاں پھر ان سے ہوں کیوں نہاں
وہ کسی سے جبکہ نہیں چھپے تو کوئی بھی ان سے چھپا نہیں

ہر اک ان سے ہے وہ ہر اک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے
بنے دو جہاں کی وہی بنا وہ نہیں جو ان سے بنا نہیں [1]

مقطع ہے:

یہ تمہارا سالک بے نوا مرضِ گناہ میں ہے مبتلا
تم ہی اس برے کو کرو بھلا کہ کوئی تمہارے سوا نہیں

تیری ذات میں جو فنا ہوا وہ فنا سے نو کو عدد بنا
جو اسے مٹائے وہ خود مٹے وہ ہے باقی اُس کو فنا نہیں

حضرت سالک بدایونی مفتی احمد یار خان نے نو کے عدد کا حساب بتا کر پنہاں رموز و اسرار کا آشکارا کیا ہے۔ لفظ محمد کے اعداد ہیں ۹۲ نو کی عجیب خصوصیات بیان کرتے ہوئے لطیف نکات کے اظہار کیے۔

[1] دیوانِ سالک صفحہ ۱۵

نکتہ نمبر (۱) ایک سے آٹھ تک اکائیاں ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱ ـــ ۸ ۲ ـــ ۷ ۳ ـــ ۶ ۴ ـــ ۵
۹ ۹ ۹ ۹

یہ ایک حضوصیت دیگر خصوصیت کا اظہار پہاڑے کے ذریعہ کرتے ہیں کہ ہر جگہ 9 کے پہاڑے میں نو کی جلوہ گری ہے۔

عرض گدا بوقت وداع

آپ کے نعتیہ کلام میں عشق رسول کے ساتھ ساتھ شرعی عرفان کی جلوہ گری بھی ہے۔ آپ کا یہ کلام تیسرے حج پر مدینہ منورہ سے رخصت کے وقت عرض کیا گیا۔ اس میں آرزو بھی ہے، ارمان بھی، درد بھی ہے، داغ بھی، سوز بھی ہے گداز بھی تڑپ بھی ہے، احترام بھی ہے، اختصاص بھی۔ یہاں عاشق رسول کا عشق شباب پر ہے کہ وہ روتے بلکتے، سسکتے، گنبد خضریٰ پر حسرت بھری نظر ڈالتا ہے تو اس کی آنکھ سے ساون بھادوں کی بارش ہو رہی ہے۔ کبھی گنبد خضریٰ سے دوری کا غم اسے تڑپا رہا ہے تو کبھی مقام مہبط وحی کے فراق کا رنج، کبھی شہر مصطفےٰ کی جدائی کا غم۔ عاشق اپنے زبان حال سے یوں عرض کرتا ہے گویا عاشق نے غم حبیب کو سینے میں پال رکھا ہے۔

غم حبیب کو سینے میں پال رکھا ہے
جنون عشق نے اس کو سنبھال رکھا ہے

الوداع اے سبز گنبد کے مکیں الفراق اے رحمۃ للعالمین
الوداع اے مظہر ذات خدا الفراق اے خلق کے مشکل کشا
الوداع اے شہر پاک مصطفےٰ الفراق اے مہبط وحی خدا
جا رہا ہے اب ہمارا قافلہ اے در و دیوار شہر مصطفےٰ
یاد تیری جس گھڑی بھی آئیگی ہے یقیں دل کو بہت تڑپائے گی
اے دلوں کے چین اے پیارے نبی لو غلاموں کا سلام آخری
دور سے آئے تھے پردیسی غلام عرض کرنے کو غلامانہ سلام

آستانہ سے وداع ہوتے ہیں اب
یہ تو فرماؤ کہ بلواؤ گے کب [1]

عاشق پر جدائی کی گھڑی جس قدر شاق گذرتی ہے۔ رنج والم غم واندوہ کے کوائف بارگاہ شہنشاہ کونین میں عرض کرتا ہوا بے چین دل کا چین بنایا ہے۔ حکیم الامت سالک مفتی احمد یار خان" سالک تخلص کرتے تھے آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ دیوان سالک مشہور ہے۔ ثنائے حبیب کیلئے آپ کی زبان وقف تھی۔ آپ کے نعتیہ کلام میں عشق رسول کا عنصر پورے آب و تاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ حضرت سالک مفتی احمد یار خان" نے ایک سو گیارہ نعتیں کہی ہیں۔ آپ کو دیوان مدون کرنے کا شوق نہ تھا۔ اس لئے کلام بکھر گیا۔ "دیوان سالک" کچھوچھہ شریف اور دھوراجی کے ایام کی یادگار ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام میں بجلی کی تڑپ، بادل کی کڑک، پھولوں کی مہک قمریوں کی چہک، دریا کی سی روانی پائی جاتی ہے۔

دیوان سالک ۴۸ صفحات پر مشتمل مسمّٰی باسم تاریخی "مجاہد پیغمبری" ۱۳۵۷ھ ملقب بہ دیوان سالک ہے۔

نمبر 1 دیوان سالک صفحہ ۴۴

باب پنجم

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمیؒ مورخ

حج و زیارات: سفر نامہ

اول	دوم	سوم
۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء ۲۷ جون تا ۱۸ اکتوبر کل ۳ ماہ ۱۱ دن	۱۳۸۳ھ ۳ رمضان ۱۹۶۴ء ۱۹ جنوری اتوار یا ۱۳۸۴ھ ۲۸ محرم ۱۹۶۴ء بدھ کل ۴ ماہ ۲۴ دن	۱۳۸۹ھ ۲۸ شعبان پیر ۱۹۶۹ء ۱۰ نومبر تا ۱۳۹۰ھ ۱۲ ماہ صفر بدھ ۱۹۷۰ء ۱۸ اپریل کل ۴ ماہ ۲۸ دن

سفر کے معنیٰ ہی مسافرت کے ہیں۔ قرآن حکیم میں سفر کے متعلق حکم پایا جاتا ہے اور زمین میں سفر کرنا مباح ہے۔ سفر میں عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اصلیت و نقلیت کا علم ہوتا ہے۔ سفر سے دیگر اقوام کے نشیب و فراز، عروج و زوال کا پتہ چلتا ہے۔ سفر کا حکم مقصد کے حکم سے وابستہ ہے۔ حرام کام کے لئے سفر حرام۔ حلال کام کے لئے سفر حلال۔ فرض و سنت کے لئے فرض بھی ہے سنت بھی۔ غرضیکہ سفر مذہبی ہو یا ادبی ہر اعتبار سے کار آمد ثابت ہوتا ہے۔ خصوصاً اہل قلم حضرات کی سیر خواہ مذہبی مقصد کیلئے ہو یا تاریخی و ادبی انسان کیلئے بہت سود مند ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ کسی ملک کا جغرافیہ، تاریخی حالات، تہذیب و تمدن، معاشرت، رسم و رواج، سلطنت، تجارت، صنعت و حرفت مقامات مقدسہ کی کیفیت کا علم آسانی کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم میں لفظ سِیْـرُوْا آیا۔ جس کے معنیٰ ہیں زمین میں مطلقاً چلنا۔ سیر و سیاحت کرنا۔

ایک اہل قلم سیاح جب مختلف مقامات و ممالک کا سفر کرتا ہے تو دورانِ سفر۔ سفر کے مشاہدات و تجربات کو سفر نامے کی شکل میں پیش کر کے سیاحی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نے اپنے سفر ناموں میں تاریخی، سوانحی، تمدنی، معاشرتی علمی اور فنی حالات کو کچھ اس خوش اسلوبی سے سپرد قلم فرمایا ہے کہ ان کے سفر نامون میں امتیازی شان پیدا ہو گئی ہے۔ موجودہ اس بیسویں صدی میں جو سفر نامے منظر عام پر آئے ہیں ان میں آپ کا سفر نامہ مذہبی اور ادبی نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے۔

سفر نامہ حج و زیارات میں تین سفر نامے ہیں۔ پہلا سفر نامہ ۱۹۵۴ء مطابق ۱۳۷۴ھ کے حج کے دوران قلمبند کیا گیا ہے جو آپ کا تیسرا حج ہے۔ دوسرا سفر نامہ ۱۹۶۴ء مطابق ۱۳۸۳ھ میں کیے گئے سفر حج کی داستان ۲۷ جون ۱۹۵۴ء سے شروع ہو کر ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو اختتام پذیر ہوتی ہے۔ یعنی کل سوا تین مہینوں کے سفر پر محیط ہے گجرات سے گجرات تک کا سفر نو ہزار دو میل ہے اور تیسرا سفر نامہ ۱۹۶۹ء مطابق ۱۳۸۹ھ کے دوران قلم بند کیا گیا۔

بزرگان دین کی رفاقت، پاکستان، ایران، عراق، کویت، نجد و حجاز کے مشہور مقامات کی سیر حضور غوث پاک، سید الشہداء امام حسین، خواجہ حسن بصری وغیرہ کے آستانوں پر حاضری، گجرات سے مدینہ منورہ تک جذبۂ عشق سے سرشار حجاج کے ساتھ کوہ و بیاباں کی خاک چھاننا اس سفر کی خصوصیات ہیں۔ انہوں نے اپنے سفر نامہ میں بزرگان دین کے آستانوں اور تاریخی یادگاروں کے صحیح پتے اور مشہور مقامات سے ان کی سمت فاصلے اور علاقے کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ یہ سفر نامہ زائرین کیلئے رہبر ثابت ہو۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سفر نامہ نہ صرف ایک مشفق رہنما کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس کے مطالعہ سے قلب میں صرف حرارت ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ مقدس مقامات کی زیارت کا اشتیاق بھی پیدا ہوتا ہے۔ مصنف کا اسلوب دلوں میں عشق اور سرمستی کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

اہم اور کامیاب سفر ناموں سے متعلق ڈاکٹر قدسیہ قریشی لکھتی ہیں۔

اہم اور کامیاب سفر ناموں کے لئے چند بنیادی اصول و قواعد کا ہونا

نہایت ضروری ہے۔ بغیر کسی اصول وقاعدہ کے کوئی بھی فن ترقی نہیں
کرسکتا۔ درحقیقت اصول کی تدوین خود اصول ارتقاء کی پابند ہے۔
لیکن ارتقا پذیر شکل کو سامنے رکھ کر ہم پچھلے کارناموں پر تنقیدی نگاہ
ڈال سکتے ہیں۔ رفتہ رفتہ تفریح ادب کی ترقی اوقاتِ فرصت میں
اضافہ، روزناچوں اور یادداشتوں اور دیگر مستند تحریروں کی دستیابی
نے اردو سفرناموں کو کہیں سے کہیں پہنچادیا۔[۱]

ڈاکٹر قدسیہ قریشی نے کامیاب سفرناموں کے بارے میں قطب النسا ہاشمی کا
اقتباس بھی پیش کیا ہے۔

ایک سیاح کا روزنامچہ جو اپنی یادداشت کیلئے یا اپنی مجلس و بیٹھک میں
اپنا رعب جمانے کی خاطر لکھا جاتا تھا آج اس قابل ہوگیا ہے کہ اس
کی حیثیت صد ہزار پہلو رکھتی ہے۔ آج سفرنامہ مقصد بن گیا ہے۔[۲]
سفرنامے صرف حالات وواقعات اور مشاہدات وتجربات کا مجموعہ ہی
نہیں ہوتے بلکہ ان سے زندگی کے کچھ نئے راستے معلوم ہوتے
ہیں۔ ایک سیاح دورانِ سفر جن ممالک سے گذرتا ہے ان ممالک
میں وہ جن چیزوں کو دیکھتا ہے اور متاثر ہوتا ہے انہیں وہ سفرناموں کی
شکل میں مرتب کرتا ہے۔[۳]

سفرنامہ نگاری کے بارے میں وہاج الدین علوی لکھتے ہیں۔

سفرنامے کا وجود ۳۷۰ قبل مسیح سے پایا جاتا ہے ابتدا میں یہ تحریریں
سمندری سفر کی مشکلات کو سمجھنے میں معاون ہوتی تھیں اور ان تحریروں

۱، ۲: اردو سفرنامے انیسویں صدی صفحہ ۵۳! ۳: اردو سفرنامے انیسویں صدی صفحہ ۴۸

سے نقشہ کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ سفرناموں کے عہد بہ عہد ارتقاء نے
اسے ایک فن کا مرتبہ دیا۔ اب صرف یہ معلومات کا ایک ذریعہ نہیں
بلکہ ایک منظم معلوماتی اور لائق اعتبار دستاویز ہیں جن میں فنکارانہ
چابکدستی اور تخلیقی قوت سے صفحۂ قرطاس پر سفر کے تجربات مشاہدات
اور تاثرات کو پیش کیا جاتا ہے[1]

سفرنامہ قلمبند کرنا ایک مشکل فن ہے بلکہ بہت ہی دشوار فن ہے۔ سیاح کو نہ جانے کس قدر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بادخزاں کے جھونکے، تیز و گرم ہوا کے تھپیڑے، مختلف مکتبۂ فکر کے لوگوں سے تبادلۂ خیال، ساری دشواریوں سے گذرنے کے بعد سفرنامہ منظر عام پر آتا ہے سیاحوں سے متعلق ڈاکٹر قدسیہ قریشی لکھتی ہیں:

اگر دنیا میں اس قسم کے سیاح نہ ہوتے تو آج دنیا جس جگہ پر ہے
شاید اس جگہ کبھی بھی نہ پہنچ سکتی۔ آج کی مہذب دنیا کو ایسے سیاحوں کا
شکرگذار ہونا چاہئے جنھوں نے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر
ایسی ایسی معلومات بہم پہنچاتی ہیں جس سے دنیا کے مختلف ممالک کی
تہذیبی، سماجی، معاشی اور صنعتی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے۔[2]

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ دورانِ سفر مختلف مقامات کا محلِ وقوع، طرزِ معاشیات، اجتماعی زندگی، فنون لطیفہ، لوگوں کے اعمال۔ غرضیکہ مختلف پہلوؤں کا حسین و جمیل تشبیہات کے ساتھ تذکرہ کرتے جاتے ہیں کہ سفر کی صعوبتیں بھی خوشگوار معلوم ہوتی ہیں۔ کوئٹہ کے راستہ سے متعلق اس طرح رقم طراز ہیں:

کوئٹہ کا راستہ زلفِ محبوب کی طرح خمدار پیچیدہ ہے۔ سانپ کی طرح

---

[1] اردو خودنوشت فن و تجربہ دسمبر ۱۹۶۹ صفحہ ۱۲۰؛ [2] اردو سفرنامے انیسویں صدی صفحہ ۴۸

بل کھاتا ہوا گیا ہے پہاڑ کی چڑھائی ہے۔ ڈھاڈر سے پچاس میل
کے فاصلہ پر ایک پہاڑی درے کے بیچ میں ایک جگہ آئی جسے مچھ
کہتے ہیں۔ یہاں نہایت شیریں اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے۔
حکومت نے چشمہ پر سرنگ کی سی عمارت بنائی ہے۔ حجاج اس چشمہ
میں داخل ہو گئے اور خوب غسل کیا۔ جو لطف یہاں آیا ہے وہ زندگی
میں کبھی نہیں آیا۔[1]

ایران کی سرحد تک دشوار گذار راستے کا بیان بڑی عمدگی سے اس طرح کرتے ہیں۔

میر جاوا ایران کا پہلا مقام ہے۔ یہاں سڑک پختہ نہیں کچی اور
ناہموار زمین ہے جس میں لاریاں جھومتی ہوئی چل رہی ہیں جیسے
چشتی صوفیوں کو قوالی میں حال آرہا ہو۔ لاریاں ریت میں پھنس
رہی ہیں اور دھکے دے کر نکال رہے ہیں۔[2]

مصنف علیہ الرحمۃ نے بلوچستان کے باشندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی نادر تشبیہات استعمال کی ہیں۔

چند حجاج کوئٹہ سے سوار ہوئے جن کے گلے میں خشک پھولوں کا ایک
ایک مرجھایا ہوا ہار ہے۔ نہ کوئی ہجوم نہ نعت خوانی، نہ کسی کے دل میں
ولولہ۔ نہ جوشِ ایمانی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ کا نکاح ہو رہا ہے۔[3]

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے دیگر مقامات کے برعکس بلوچستان کے لوگوں میں مذہبی بیداری بہت کم پائی جاتی ہے۔

---

[1] سفرنامۂ حج و زیارات حصہ اول صفحہ ۱۶ [2] سفرنامۂ حج و زیارات حصہ اول صفحہ ۲۳
[3] سفرنامۂ حج و زیارات حصہ اول صفحہ ۲۰

حضرت مصنف نے اس سفرنامے میں ایک جگہ میر جاوا کے کوائف کو رقم فرمایا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کا مشاہدہ کتنا عمیق اور باریک بین ہے۔ مصنف کی نظر ایک کیمرہ کی طرح تمام جزئیات کو محفوظ کر لیتی ہے۔

ہمارا قافلہ کسٹم آفیسر کی عالیشان کوٹھی کے میدان میں ٹھہرا ہے۔ یہاں مختصر سا باغ ہے۔ پانی کی فراوانی ہے۔ دلکش جگہ ہے۔ زبان سب کی فارسی ہے یہاں کے لوگ بہت محبت سے پیش آئے ۲/۱ بجے قافلہ میر جاوا سے زاہدان کی طرف روانہ ہو گیا راستے میں سنگ مرمر کے پہاڑ ہیں جس سے مرمر پتھر بکثرت نکلتا ہے۔ سوا پانچ بجے زاہدان میں داخل ہو گیا۔ زاہدان میر جاوا سے تقریباً ۵۲ میل فاصلے پر مغرب کی جانب ہے۔ ہمارا یہ قافلہ قونصل خانہ پاکستان واقع زاہدان میں مقیم ہوا بعد عصر ہم لوگ شہر کی سیر کرنے گئے۔ شہر خوب صورت بازار بارونق ہیں۔ تجارت خوب چمک رہی ہے۔ جگہ جگہ باغات ہیں۔ قہوہ خانے کثرت سے ہیں۔ لوگ خلیق اور ملنسار ہیں۔ [۱]

مصنف زاہدان کے خصوصی حالات اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

ایرانی عورتیں بالکل امریکی لباس میں ملبوس ہیں۔ بالکل لیڈی معلوم ہوتی ہیں۔ قدیم تہذیب کی عورتوں کا لباس بہت باپردہ ہے۔ سر سے پاؤں تک بڑی چادر اوڑھے رہتی ہیں یہاں سفید زیرہ اعلیٰ درجہ کا پیدا ہوتا ہے روٹی بہت لمبی مچھلی کی طرح ہوتی ہے۔ میں نے ناپی تو ایک ہاتھ ایک بالشت لمبی تھی۔ روٹی کیا تھی پوری جائے نماز تھی پورے شہر

---

۱ سفرنامہ حج و زیارات حصہ اول صفحہ ۴۴

میں غالباً دو مسجدیں ہیں وہ بھی سنیوں کی ہیں۔ شیعوں کے صرف امام باڑے ہیں۔[1]

مشہد کے تعلق سے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا ہے:

آج شب کو ہمارا قافلہ قریباً آٹھ بجے مشہد، قدس میں داخل ہوا۔ اتفاق سے آج حضرت علی ابن موسیٰ ابن جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یوم ولادت تھا۔ تمام شہر میں روشنی ہے سارا شہر دلہن بنا ہوا ہے۔ ایسا مظاہرہ ہماری آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔[2]

مصنف علیہ الرحمۃ نے ایران والوں کی بزرگوں سے عقیدت و محبت، عرس شریف یوم ولادت تزک و احتشام کے ساتھ منانے کا ذکر کر کے ملک ایران کے تہذیبی پہلو کو پیش کیا ہے۔ مصنفؒ کے بیان سے شہر مشہد کے عظمت وہاں کے لوگوں کا بزرگوں سے عقیدت و محبت کا علم ہوتا ہے۔ جن کے کارنامے اس فانی زندگی میں عظیم ہوتے ہیں۔ بعد وصال دنیا میں ان کی عظمت کے ڈنکے بجتے ہیں۔ وہی قوم زندہ رہتی ہے جو دنیا میں اپنے اسلاف کے کارناموں کو قائم رکھتی ہے اور حفاظت کرتی ہے۔

مصنفؒ نے سفرنامے حج و زیارت میں حالات سفر بڑے شوق و ذوق کے ساتھ قلمبند کئے ہیں۔ مختلف تاریخی مقامات۔ شعراء کی متعدد زاویوں سے ایسی تصویر کشی کی ہے کہ تاریخ کو محفوظ کر دیا ہے بلکہ ماضی کو حال میں تبدیل کر دیا ہے۔ کسی بھی شہر کا تذکرہ کیوں نہ ہو۔ تہذیبی، تاریخی اور ادبی ہر اعتبار سے کوئی پہلو تشنہ نہیں رہا۔ صرف شعراء کے مقابر ہی کا تذکرہ نہیں کرتے بلکہ ان مقابر پر کندہ اشعار کو بھی پیش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ نیشاپور کی زرخیز سرزمین وہاں کی فضا کا بھی بیان اسطرح کرتے ہیں:

---

[1] سفرنامہ حج و زیارات حصہ اول صفحہ ۲۴/۲۵؛ [2] سفرنامہ حج و زیارات حصہ اول صفحہ ۲۹

نیشا پور بہت پرانی اور مردم خیز بستی ہے بڑے بڑے علماء صوفیا یہاں
ہی ہوئے۔ حضرت علامہ نیشا پوری جن کی تفسیر نیشا پوری ہے جو
مدرسہ نظامیہ بغداد کے صدر مدرس تھے یہاں کے ہی ہیں۔[1]

سفرنامے حج وزیارت کے مصنف علیہ الرحمۃ نے مختلف شہروں، مقامات کی سیر و سیاحت کر کے اہم معلومات فراہم کی ہیں جس سے تاریخی، سماجی وتہذیبی حالات کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ کوہ شہر بانو میں مقبرہ شہر بانو کے بارے میں لکھتے ہیں:

مقبرہ شہر بانو پورا تصویر خانہ بنا ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ۔ شہدا کربلا، حضرت علی، امام حسین کے بڑے بڑے فوٹو نصب ہیں۔ ایک جگہ شہادت امام حسین کا بیبیوں کا پیٹنا اور امام حسین کی بے سر کی لاش دکھائی گئی ہے۔ جس سے رقت پیدا ہوتی ہے۔ اس مقبرے میں جو تاریخی کتبہ ہے اس میں بزبانِ فارسی لکھا ہے کہ حضرت شہر بانو حضرت عمرؓ کے عہد میں گرفتار ہو کر مدینہ منورہ پہنچیں اور امام حسینؓ کے نکاح میں آئیں۔[2]

تخت طاؤس کی توصیف اس طرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

اولاً تو وہ محل ایسا ہے جس کا نقشہ لفظوں میں نہیں کھنچ سکتا، پانی کے چشمے، فوارے بیچ میں مرمریں محل ہے۔ ہر جگہ فوجی پہرہ ہے جو غالیچے دیوار پر آویزاں ہیں ان میں قیمتی لعل و یاقوت زمرد جڑے ہوئے ہیں جن کی چمک دمک سے حیرت ہوتی ہے۔ بیش قیمت لعل و جواہرات کی فراوانی ہے۔[3]

---

[1] سفرنامہ حج وزیارات حصہ اول صفحہ ۳۴؛ [2] سفرنامہ حج وزیارات حصہ اول صفحہ ۴۲

[3] سفرنامہ حج وزیارات حصہ اول صفحہ ۴۴

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ حکومت ایران کی اول و آخری سرحد اور اس کا مربع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

خسروی ایران کی آخری سرحد ہے اور میر جاوا پہلی سرحد تھی۔ ان دونوں سرحدوں میں سترہ سو پندرہ میل کا فاصلہ ہے۔[1]

مصنف نے ۱۳ دن کے قلیل عرصہ میں ایران کے مختلف مذہبی و تاریخی مقامات کی زیارت فرمائی۔ علی ابن موسیٰ ابن جعفر صادق۔ حضرت امام رضا۔ حضرت محمد محروق ابن زید امام زین العابدین۔ حضرت ابراہیم ابن موسیٰ۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطار۔ حضرت یحیٰ ابن موسیٰ۔ حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی۔ حضرت شاہزادہ محمد ابن جعفر صادق۔ حضرت عبدالعظیم ابن امام جعفر صادق۔ حضرت حمزہ ابن امام زین العابدین۔ حضرت طاہر ابن امام حسن۔ کوہِ شہر بانو۔ تخت طاؤس۔ قصر شیریں کے علاوہ اور بھی مقامات کی زیارات و مشاہدات بیان کر ملک ایران کی تفصیل حسین پیرائے میں درج فرمائی ہے۔

حضرت مصنف ملک ایران کے بعد سرحدِ عراق میں ۲۲ جولائی ۱۹۵۴ء مطابق ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۷۳ھ بروز پنجشنبہ داخل ہوتے ہیں اور سرکار بغداد شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضری کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں۔

نہ معلوم کیا وقت تھا کہ چیخنے پکارنے کا شور مچ گیا ہر شخص کی زبان پر جاری تھا کہ چوروں کو قطب بنانے والے ہم بھی چور ہیں۔ آپ کے دروازے پر آئے ہیں ہم پر بھی نگاہ کرم فرمائیں۔ اگرچہ قافلہ میں مختلف خیال کے لوگ تھے مگر جناب غوث نے اس وقت سب کو ہی تڑپا دیا۔ عجیب سماں تھا جو آج تک کبھی دیکھنے میں نہ آیا۔[2]

---

[1] سفرنامہ حج وزیارات حصہ اول صفحہ ۵۱ [2] سفرنامہ حج وزیارات حصہ اول صفحہ ۵۳

مصنف" نے سرکار بغداد کے فیضان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کرتے ہوئے دیگر مقدس مقامات کے سجادگان وخدام کو دعوتِ فکر دی ہے۔ لکھتے ہیں۔

لوگوں نے جالی شریف میں سیکڑوں روپے ڈالے قریبا بارہ تیرہ سو روپے کی رقم حجاج نے پیش کی۔ مگر وہاں اس کا کوئی لینے والا نہ تھا۔ ایسا استغنا کہیں نہیں دیکھا گیا۔ فیضان کا یہ عالم ہے کہ وہاں کے جھاڑو والے اور جوتے والے بھی ولی معلوم ہوتے ہیں۔[1]

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت مولائے کائنات فاتحِ خیبر علی حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائے شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے مجاور حضرات کی اصلیت کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس مزار کا گنبد بڑا ہے ایک بڑا مینارہ ہے روضے پر اندرونی حصے میں چمکدار شیشہ لگا ہے۔ جس کا حسن بیان میں نہیں آسکتا۔ کربلا کے کنارے پر سمندر کی جھیل واقع ہے جو ۴۵ میل لمبی ہے۔ بالکل سمندر کی طرح ہے۔ ان مزارات پر مجاور بڑے لالچی ہیں۔ کپڑے اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ بھی فاتحہ وغیرہ کا لطف نہ آیا۔ کپڑے سلامت آگئے غنیمت ہے۔[2]

اس اقتباس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ غوث اعظم کی بارگاہ کے خدام کے برعکس یہاں کے خدام زائرین کو جبراً لوٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے ہی خدام کی وجہ سے مذہب عقیدت مندوں کی عقیدت مجروح ہوتی ہے۔ یہ خدام نہیں بلکہ رہبر کے لبادہ میں رہزن ہیں۔

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ بصرہ کی آبادی، دریا، سمندر، دشوار کن راستے، تیل کے چشمے، بزرگوں کے مزارات سے متعلق لکھتے ہیں۔

---

[1] سفرنامہ حج وزیارات حصہ اول صفحہ ۵۴ [2] سفرنامہ حج وزیارات حصہ اول صفحہ ۵۶

بصرہ پرانا شہر ہے۔ عشرہ نئی آبادی ہے اور مارگل بندرگاہ ہے شطُّ العرب دجلہ اور فرات کے مجموعہ کا نام ہے۔ بصرہ کے راستے میں خطرناک ریگستان ہے جو قافلہ یا بس راستہ بھول جائے یا تیل ختم ہو جائے اس کی موت یقینی ہے۔ یہاں تیل کثرت سے نکلتا ہے بصرہ میں حسب ذیل زیارات ہیں ۱ حضرت طلحہؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲ حضرت زبیرؓ ابن عوام رضی اللہ عنہ حضور کے رشتہ میں بھائی اور صحابی اور ساڑھو ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن آپ کے نکاح میں تھیں۔ حضرت طلحہ و حضرت زبیر دونوں بزرگ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عتبہ ابن عزوان۔ خواجہ خواجگان حسن بصریؒ آپ تابعین میں سے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ اور سلسلۂ قادریہ چشتیہ سہروردیہ کے شیخ المشائخ ہیں۔ حضرت محمد ابن سیرین محدث یہ امام بخاری و مسلم وغیرہم محدثین کے استاد ہیں۔[1]

مندرجہ بالا اقتباسات سے بخوبی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سفرنامہ حج و زیارات حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کے عشق و محبت کا ثبوت ہے۔ جہاں ان کی نگاہ دنیوی زیبائش و آرائش پر پڑی ہے وہیں پر دینی عظمت و جلال کے حسن و خوبی کا احاطہ بھی کرتی ہے۔ انہوں نے سفرنامے میں عام فہم اور سادہ زبان کا استعمال کیا ہے۔

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کا سفرنامہ ملک عراق کی حقیقت کا آئینہ ہے۔ جہاں پر انہوں نے مجاور و سجادگان خدام کی تعریف کی ہے۔ وہیں پر ان سجادگان پر تنقید کرنے سے دریغ نہیں کیا

---

[1] سفرنامہ حج و زیارات حصہ اول صفحہ ۵۹ تا ۶۱

بلکہ حقیقت کو پیش کر دیا۔ غوث اعظمؓ کے مزار پر حاضری اور وہاں کی خوبیاں کربلا معلّٰی کا فاصلہ، وہاں کے باغات، بازار، امام حسینؓ کے مزار شریف کا حلیہ اور ان کی جائے شہادت، حضرت حبیب ابن مظاہر علمدار کا مزار، مجاوروں اور خدام کے اخلاق شیعہ وسنی اتحاد، سنیوں کے مکانات اور کربلا سے نجف اشرف کی سمت ومیل اور قبرستان، صالح علیہ السلام ہود علیہ السلام کے مزارات، امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سنہری گنبد۔ سیر عراق کے بعد حکومتِ کویت کے بیرونی واندرونی کوائف کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> کویت میں شرعی احکام جاری ہیں۔ شہر میں سنیما کوئی نہیں، چوری مطلقاً بند ہے، زنا، شراب خوری پر سخت سزا ہے۔ زانی کو درے مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ چوری کی سزا بھی درے ہیں۔ مگر اندرونی بدمعاشیاں بہت زیادہ ہیں، فلسطینی مہاجر حسن اور ساتھ میں بے غیرتی لائے۔ یہاں پھیلا دی۔ کویت حکومت حجاز کے ماتحت ہے۔ مگر انگریزوں کا پورا تسلط ہے۔[1]

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ ۱۳ اگست ۱۹۵۴ء مطابق ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ یوم جمعہ حرم شریف کے خطیب کے خطبہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حجاج کا ہجوم بے اندازہ تھا سارا حرم شریف بھرا ہوا تھا۔ ٹھیک سوا دو بجے خطبہ ہوا۔ امام حرم نے خطبہ نہایت فصیح وبلیغ پڑھا۔ جس میں اخلاق محمدی بیان کیا اور حجاج کو نصیحت کی کہ اللہ سے ڈرو، قیامت قریب ہے اس کا خیال رکھو۔ اس مقام پر آنے کا فائدہ یہ ہے کہ نبی

[1] سفرنامہ حج وزیارات حصہ اول صفحہ ۵۴

کریم ﷺ کے اخلاق حاصل کر کے جاؤ۔ غرضیکہ عجیب وغریب نصیحت آمیز خطبہ تھا۔

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جہاں حکومت کے انتظامات کو دل سے سراہا ہے۔ وہیں خطیب سعودیہ کے عقائد وخطبہ پر کاری ضرب لگائی۔ وہی خطیب دوسرے جمعہ ۲۰ اگست ۱۹۵۴ء مطابق ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ کو جو خطبہ پڑھا اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

ڈیڑھ بجے دوپہر خطبہ شروع ہوا۔ آج خطبہ بالکل وہابیانہ تھا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کی تعریف بالکل نہ کرو۔ صرف عبداللہ و رسولہ کہدیا کرو۔ قبروں پر عمارات نہ بناؤ۔ آج کل سارے مسلمان بالکل ویسے ہی مشرک ہیں جیسے پہلے یہود ونصاریٰ مشرک تھے۔[1]

فاضل مصنف علیہ الرحمۃ نے مکہ معظمہ کے معبد ومقدس مقامات، حضرت علیؓ خاتم الاولیا کی جائے پیدائش، بیت ام ہانی، دارالشوریٰ، بیت ارقم، مولد حضرت فاطمہ، مولد حضرت علی مولد النبی ﷺ، مسجد النبی علیہ السلام، بیت ابوبکر صدیقؓ وغیرہم مقامات کا بخوبی تذکرہ کیا ہے۔ حضرت مصنفؒ نے جبل غزالہ کے بارے میں اس ہرن کا ذکر کیا ہے جو ایک یہودی نے بذریعہ جال قید کر لیا تھا اور حضور نبی کریم ﷺ کی ضمانت پر رہا کر دیا حسب وعدہ ہرن مع اپنے بچوں کے اسی مقام پر حاضر خدمت ہوئی تھی۔ لکھتے ہیں۔

مشہور یہ ہے کہ اس ہرن کا دودھ اس پہاڑ پر ٹپکتا گیا ایک قدرتی بوٹی پیدا ہوئی جو اب تک اس جگہ کسی کسی کو ملتی ہے۔ یہ بوٹی ممیرہ کا کام دیتی ہے آنکھوں کو بہت مفید ہے۔ لمبی ڈنڈی سرخ رنگ کی ہوتی ہے۔[2]

---

[1] سفرنامہ حج وزیارات حصہ اول صفحہ ۹۰ [2] سفرنامہ حج وزیارات حصہ اول صفحہ ۸۸

حضرت مصنف ؒ نے آج سے چودہ سو سال پیشتر معجزۂ نبی ﷺ سے پیدا ہونے والی بوٹی اور اس کی تاثیر قلم بند کر دی ہے۔ ایک سفرنامے میں جتنی خوبیاں ہونی چاہئے وہ تمام خوبیاں اس سفرنامے میں پائی جاتی ہے۔ اس میں تسلسل ہے تخیل کی کارفرمائی ہے۔ مشاہدہ کی گہرائی ہے۔ تاریخی و مذہبی شعور ہے۔ تہذیب و معاشرت پر گہری نظر ہے۔ خوبصورت تشبیہات ہیں۔ جذبہ عشق کی گرمی و دلسوزی ہے، منظر کشی ہے۔

حضرت مصنف کا بڑا کمال یہ ہے کہ گنبد خضریٰ کی منظر کشی، تشبیہ و تمثیل سے گریز کیا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں پر اہل قلم کی قوت متخیلہ منظر کشی کیلئے بیتاب ہوتی ہے، مگر سفرنامہ حج و زیارات کے مصنف علیہ الرحمۃ ایک ایسے سیاح ہیں جن کے پاس خرد بھی ہے۔ دانشمندی بھی، تفہیم بھی ہے، قوت قلم بھی، سب کچھ ہونے کے باوجود اس مقام پر عقل و دانشمندی خاموش تفہیم و قوتِ قلم قربان۔ یہ وہ مرحلہ ہے جو مصنف علیہ الرحمۃ کے سالک ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ سالک وہ ہے جس کو دیدار یار بھی ہو عقل و دانش بھی۔ مجذوب وہ ہے جس کو دیدار یار تو ہو عقل و دانش نہ ہو۔ اس مقام پر مصنف علیہ الرحمۃ نے منظر کشی، تشبیہ، تمثیل بیان کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اس لئے کہ جو باعثِ تخلیق کائنات، حاصل آدم و عالم ہو ان کے مزار خضریٰ کی کس طرح منظر کشی کی جائے۔ مناظر عالم انہیں کے پرتو کی جھلک ہیں۔

کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثنا خوان کی خاموشی
چپ ہو رہا ہوں کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے پہلے حصہ میں صفحہ ۱۰۸ سے تا ۱۵۹ مدینہ منورہ سے واپسی کے حالات قلم بند کئے ہیں۔

حضرت مصنف ؒ ایک اچھے نعت گو شاعر بھی ہیں۔ آپ کی نعت گوئی کا تذکرہ شاعری کے باب میں کیا گیا ہے۔ مدینۃ الرسول سے واپسی پر آپ کے جذبۂ عشق نے آپ سے یہ شعر

کہلوائے۔

بدن سے جان نکلتی ہے آہ سینہ سے
ترے فدائی نکلتے ہیں جب مدینہ سے
روضہ اچھا زائر اچھے اچھی راتیں اچھے دن
سب کچھ اچھا ایک رخصت کی گھڑی اچھی نہیں

حضرت مصنفؒ کا کلام سفرنامے کی دلکشی میں اضافہ کردیتی ہے۔آپ نے اکثر مقامات پر اشعار کا برمحل استعمال کیا ہے۔

اس سفر کے درمیان مصنفؒ نے جس عجیب چیز کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:

۱۔ اس سفر میں ہم نے دو چیزیں عجیب دیکھیں۔ایک یہ کہ دراز سفر میں یہاں گجرات سے مدینہ منورہ تک ایک انچ زمین کسی غیر مسلم کی نہ آئی۔تمام سلطنتیں مسلمانوں ہی کی آئیں

۲۔ دوسرے یہ کہ ان تمام اسلامی ممالک میں ہندو سکھ آباد ہیں۔ خوب کاروبار کرتے ہیں چنانچہ مشہد مقدس میں سب سے بڑی فرم رام جی مول چند کی ہے مگر ان غیر مسلموں کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ ہم اپنے دیس میں ہیں یا کہ اسلامی ملک میں بڑے امن و عافیت آزادی سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔مگر افسوس ہے کہ بھارت کے مسلمان بالکل غیر محفوظ ہیں۔[1]

آپ کے تحریری سرمایہ کی کمان حق وصداقت کا نشان ہے۔آپکے سفرنامے (حج وزیارات) کو ہر اعتبار سے ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ سفرنامے میں حرم مدینہ

[1] سفرنامہ حج وزیارات حصہ اول صفحہ ۱۵۸

شریف کی عظمت وجلال، معجزہ نبی کریم ﷺ کا انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یہاں کھجور کے موسم میں قطعاً بارش نہیں ہوتی جس سے کھجوروں کو نقصان نہیں ہوتا۔ یہاں طوطے، کوے اور موذی جانور کھجوروں پر نہیں پڑتے، کبھی کیڑہ وغیرہ نہیں لگتا۔ غرضیکہ یہاں کے پھل ہر آفت سے محفوظ ہیں۔ یہ حضور ﷺ کا معجزہ ہے۔

ایک بدوی نے شکایت کی تھی کہ بے وقت بارش نے کھجوریں برباد کر دیں۔ تو فرمایا کھجوروں کا موسم کب ہوتا ہے۔ اس نے بتایا تو ارشاد ہوا کہ انشاء اللہ قیامت تک اس موسم میں یہاں بارش نہ ہوا کرے گی۔ اب تک وہی ہو رہا ہے۔[1]

یہ ایسا مشاہدہ ہے جو کسی بھی سفرنامے میں پایا نہیں جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا سفرنامہ حج وزیارات تمام سفرناموں میں منفرد رکھتا ہے۔

موجودہ خطیب مسجد نبوی شریف عبدالعزیز عالم بھی ہے حافظ بھی ہے۔ قاری بھی ہے اور رئیس الادارۃ العدلیہ بھی۔ قاضی القضاۃ یعنی سیشن جج بھی اسی کے حکم سے قتل کی سزا دی جاتی ہے۔ اس کی تنخواہ پانچ ہزار ریال ماہوار ہے۔ سنیوں کے سوا ہر مذہب میں امام کی بڑی حیثیت ہے۔[2]

حضرت مصنفؒ ایک حق پسند حق گو عالم ہیں۔ جو کسی سے مرعوب نہیں ہوتے ہمیشہ حق گوئی و بے باکی کو اپنا اشعار بنائے ہوئے ہیں۔ حضرت مصنفؒ نماز تہجد کا تذکرہ کرتے ہوئے حکومتِ سعودیہ کے نظم ونسق کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[1] سفرنامہ حج وزیارات حصہ دوم صفحہ ۲۸

ہم روزانہ نماز تہجد صفہ کے سامنے والی جگہ جہاں چھوٹی محراب ہے اور حضور ﷺ کا مقام تہجد ہے۔ وہاں پڑھا کرتے تھے۔ لوگ بہت شوق سے وہاں جمع ہو جاتے تھے۔ مگر آج وہاں نجدی سپاہی کا پہرہ تھا۔ کسی کو وہاں نفل نہ پڑھنے دیئے۔ سپاہی نے اس جگہ نماز پڑھنے کو ممنوع و حرام کہہ کر ہم لوگوں کو روک دیا۔

۱۵ شوال ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۶۴ء پنجشنبہ آج اس جگہ نماز تہجد جائز ہو گئی۔ آج وہاں پولیس کا پہرہ نہیں۔ ہم لوگوں نے بحمدہٖ تعالیٰ وہیں پر تہجد ادا کی۔ حکومت کا کوئی قاعدہ مقرر نہیں۔ آج ایک چیز حرام و ممنوع ہے۔ کل وہی چیز حلال و مباح۔[1]

حضرت مصنف ؒ نے سعودی حکومت کے بارے میں جو نشان دہی کی ہے وہ صداقت پر مبنی اور آفتاب کی شعاع سے زیادہ روشن ہے۔ تابعین کے دور سے گردِ کعبہ چار مصلے بچھتے چلے آرہے تھے۔ ہر گروہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اپنے اپنے امام کے پیچھے اقتداء کرتا تھا۔ حکومت سعودی نے وہ تینوں مصلے ختم کر دیئے ہیں۔ اب فقط وہابی مصلّی برقرار ہے ور امام احمد حنبل ؒ کے عقیدے سے بھی مختلف ہے۔ حکومت سعودیہ نے عبادت الٰہیہ کو اپنی سیاست کی زنجیر میں جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ جس کی نشان دہی فاضل مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے سفرنامے میں کی ہے۔ مختلف جگہوں پر سعودی سپاہیوں کا متبرک مقامات پر متعین ہونا اور زائرین کو زیارت سے کفر و شرک، حرام کہہ کر روکنا۔ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ حکومت میں مذہبیات سے زیادہ سیاسیات دخیل ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے خیبر کے حالات و زیارت گاہ کے کوائف بیان کرتے ہوئے عظیم تاریخی و مذہبی حقائق کا انکشاف کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

---

[1] سفرنامہ حج و زیارات حصہ دوم صفحہ ۳۴

اس جگہ جناب شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مرحب پہلوان کو
اس طرح مارا کہ آپ کی تلوار اس کی کھوپڑی پر پڑی جسم کی دو قاشیں
کر گئی۔ گھوڑے کے دو ٹکڑے کرتی ہوئی زمین کو چیر گئی۔ اس سے
چشمہ ابل آیا جو اب تک جاری ہے۔ قلعہ کا دروازہ جو حضرت علیؓ نے
اکھیڑا تھا اس کی جگہ اب تک موجود ہے۔ دروازہ صاف محسوس ہوتا
ہے۔ اس قلعہ کو دیکھ کر حضرت علیؓ کی شجاعت کا پتہ لگتا ہے قلعہ کیا
ہے پورا پہاڑ ہے۔ اب بھی مضبوط ہے[1]

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مصنفؒ کی نظریں سیر و سیاحت، تلاش و جستجو میں مصروف رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے سفر نامہ کو درجۂ اعتبار حاصل ہے۔ عمان سے ۶۳ کلومیٹر فاصلہ پر قائم موسیٰ علیہ السلام کے مزار شریف سے متعلق بیان فرماتے ہیں۔

یہ مزار ساڑھے پانچ ہاتھ لمبا اور آٹھ فٹ اونچا ہے۔ قبر شریف کے
آس پاس لکڑی کی خوب صورت جالی ہے اور تمام قبر شریف پر سبز
ساٹن کا غلاف چڑھا ہے غلاف کے نیچے کوئی روئی والا گدہ بھی ہے
حجرۂ مبارک کے دروازہ پر یہ آیت لکھی ہوئی ہے وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی
تَکْلِیْمًا۔ حجرہ شریف مقفل رہتا ہے۔ یہاں مسلمانوں کا قبضہ ہے[2]

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزار شریف کی زیارت کر کے ایک نزاعی مسئلہ حل کر دیا ہے۔ عہد حاضر میں بعض طبقہ کا یہ خیال و قیاس تھا کہ بزرگوں کے مزارات پر غلاف چڑھانا، قبہ بنانا خلاف دین ہے۔ بیت اللحم میں حضرت راحیل زوجہ یعقوب علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش، شہر خلیل الرحمٰن کی وجہ تسمیہ غار

---

[1] سفر نامہ حج و زیارات حصہ دوم صفحہ ۵۸ [2] سفر نامہ حج و زیارات حصہ دوم صفحہ ۹۰

میں ۸۷ ہزار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مزارات، حضرت بی بی رفقہ زوجہ اسحٰق علیہ السلام ان قبور کی اونچی تعمیر ہونا، قبروں پر شاندار قبوں کا بنانا۔ گویا کہ ایک ایک بات کا معائنہ و مشاہدہ کیا ہے۔ حضرت مصنفؒ نے اپنے مشاہدہ اور تحقیق کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ موسیٰ کلیم اللہ جیسے اولوالعزم پیغمبر کی قبر شریف پر غلاف کا ہونا دیگر بزرگوں کے مزارات پر قبوں کا بننا یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو اسلام میں زمانہ قدیم سے ہوتا آیا ہے۔ نہ یہ سلسلہ غلط ہے نہ ناجائز و حرام بلکہ بزرگوں کی عظمت کی نشانی ہے۔ انہوں نے اپنی دیگر تصنیفات و تالیفات کیطرح سفرنامے کو بھی تحقیق کی روشنی میں پیش کر کے اس کی اہمیت کو دوبالا کر دیا ہے۔ آپ نے اپنے سفرنامے میں عام فہم زبان استعمال کر کے اس کے ارتقاء کو خوب تیز تر بنا دیا ہے۔

حضرت مصنفؒ نے اپنے سفرنا میں بیت المقدس کا قدیم وجدید نام جو وہاں کے لوگوں کی زبان میں رائج ہے اس اسم کو بیان فرما کر ایک تاریخی ہیئت کو محفوظ کر دیا ہے نیز بہت ساری زیارت گاہوں کا تفصیلی تذکرہ بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ اصل مسجد اقصیٰ جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات سے تعمیر کروائی ہے اس کے بارے میں بھی تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمائی کہ کون سی محراب کن کن بزرگوں سے منسوب ہے۔ محراب النبی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> یہاں حضرت نبی کریم ﷺ نے معراج کی شب حضرات انبیاء کرام کی امامت فرمائی [1]

بیت المقدس کے متبرک مقامات کے تذکرہ میں قید خانہ جنات، حضرت مریم کی قبر شریف اور وہاں تک رسائی کی صورت، مسجد سیدنا عمرؓ، عیسائی عقیدے کے مطابق بعد سولی عیسیٰ علیہ

---

[1] سفرنامہ حج و زیارات حصہ دوم صفحہ ۱۰۰

السلام کو جس پتھر پر غسل دیا گیا، نیز مولوی محمد علی جوہر مرحوم کی قبر اور اس کی ہیئت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> مسجد اقصیٰ کی غربی جانب صخرہ شریف سے قریب ایک طویل برآمدہ ہے جس کے پیچھے دراز کمرہ ہے اس میں کئی قبریں ہیں۔ مگر محمد علی جوہر کی قبر ممتاز ہے جس کے اوپر لکھا ہے ہندی مجاہد اعظم محمد علی جوہر توفی لندن نصف شعبان دفن فی القدس۔[1]

مصنفؒ نے بیت المقدس کے موجودہ حالات کو بڑی جامعیت کے ساتھ قلم بند کرتے ہوئے ثقافتی و معاشرتی، لوگوں کی زبان، اخلاق، خوب صورتی، زیارت گاہ اس متبرک پتھر اور پیتل کا کڑا جس سے حضور ﷺ کا براق باندھا گیا تھا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> یہ جگہ صخرہ شریف سے جانب مغرب ہے کئی سیڑھیاں اتر کر اندر پہنچے جہاں کچھ اندھیرا تھا۔ مزدور نے لیمپ جلا کر وہاں روشنی کی۔ زمین سے قریباً دو فٹ اوپر یہ پتھر دیوار میں نصب ہے جس میں سوراخ ہے۔ اس میں پیتل کا کڑا ہے۔ جو بہت گھسا ہوا ہے۔ مزدور نے ہم کو بتایا کہ یہی کڑا ہے جس سے براق باندھا گیا اور پتھر کا یہ سوراخ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اشارہ سے ہوا۔[2]

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا مشاہدہ نہایت ہی عمیق ہے۔ انہوں نے سفرنامے میں بڑی صداقت پیش کی ہے۔

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے ان مقامات کے علاوہ متعدد مقامات کی سیر و سفر کرتے ہوئے معروف زیارت گاہ کا تذکرہ تحقیق و مشاہدہ کی روشنی میں تحریر فرمائی۔ مثلاً دمشق میں جبل

---

[1] سفرنامہ حج و زیارات حصہ دوم صفحہ ۱۰۰ [2] سفرنامہ حج و زیارات حصہ دوم صفحہ ۹۸

ابدال کا پہاڑ، دمشق کے قبرستان میں بی بی سکینہؓ، زینبؓ، ام کلثومؓ، یہ حضرات حضرت امام حسینؓ کی شاہزادیاں ہیں۔ حضرت بلال حبشی، حضرت عبداللہؓ ابن جعفرؓ، حضرت زینب بنت علیؓ، حضرت مقدادؓ، ابن مسعود، حضرت ابیؓ ابن کعب، صحابہ کے مزارات، حضرت خولہؓ بنت ازور، حضرت رقیہؓ بنت امام حسینؓ، حضرت یحیٰ علیہ السلام کی قبر شریف، سلطان صلاح الدین ایوبی کا مزار، سلطان نورالدینؒ، یزید مردود کی قبر، حضرت امیر معاویہؓ کا مزار، قتل ہابیلؑ کی جگہ اسی پہاڑ پر چالیس ابدال کے مصلے بھی ہیں۔ دمشق کے موجودہ حالات نیز دمشق ملکِ شام کا پایہ تخت ہے۔ ملکِ شام کی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

یہاں تاریخ و ماہ فرنچ کا چلتا ہے۔ چنانچہ آج ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء ہے مگر
جب ہم نے ہوٹل کا بل دیا تو ہوٹل والوں نے ۱۶ رجب ۱۳۷۶ء
کی تاریخ ڈالی ہے[1]

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ سفر ۱۹ جنوری ۱۹۶۴ء یکشنبہ کو شروع ہو کو ۱۰ جون ۱۹۶۴ء بروز چہارشنبہ جملہ چار ماہ ۲۷ دن میں طے ہوا۔

حضرت مصنفؒ کا اسلوب تحریر نہایت سلجھا ہوا دلکش دلآویز ہے۔ جو قاری کے ذہن کو مسحور کر کے قلب میں گہرے نقوش نقش کرتا ہے۔ قلم میں روانی، فکر میں جولانی پائی جاتی ہے۔ آپ کا سفر نامہ فکر و شعور، نظریات و خیالات کی قندیلیں روشن کرتا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت مصنف علیہ الرحمۃ محض مورخ یا فقیہہ نہیں ہیں بلکہ ایک عظیم رہبر بھی ہیں۔ جو انہی تصنیفات و تالیفات، عمل و کردار کے ذریعہ لاکھوں گم شدہ مسافروں کو صحیح منزل کا پتہ بتاتا اور دکھاتا ہے۔ آپ کا جذبہ شوق، عقل و خرد کی گتھیوں کو سلجھاتا ہوا بجلی کی کوندی کی طرح آنِ واحد میں ہمہ جہت منور و مجلی کر دیتا ہے۔ یوں تو انیسویں صدی سے لے کر عہد حاضر تک بہت سے

[1] سفرنامہ حج و زیارات حصہ دوم صفحہ ۱۰۶

سفرنامے لکھے گئے۔ خواہ وہ مذہبی ہوں یا تاریخی، ادبی ہوں یا مقامی، کسی بھی سفرنامے میں اس قدر تفصیل نہیں آپ کے سفرنامے میں نہ صرف تفصیل ہے بلکہ پندونصیحت، مقامات کی عظمت بھی بیان فرمادی گئی ہے یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ سفرنامے حج و زیارات مختلف زاویوں سے اہمیت کا حامل ہے۔ مصنف از خود مایہ ناز عالم، مفسر، محقق، مفکر، مدبر مورخ ومفتی ہیں۔ اس سفرنامے میں تفسیر کی جھلک، محققانہ رنگ، فکروتدبر کے گوشے مسائل کے دلائل اور تاریخی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔ مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ سفرنامہ سیرو سیاحت کا خزانہ ہے۔ جو یقیناً مصنف" کی کدوکاوش کا ثمرہ، سفرنامے کی اہمیت کی ضمانت ہے۔ جہاں یہ سفرنامہ مذہبی مقامات کو اجاگر کرتا ہے وہیں پر تاریخی مقامات کے اہم گوشے منظر عام پر لاتا ہے نیز یہ سفرنامہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس میں حضرت مفتی صاحب کا شگفتہ اسلوب محفوظ ہے۔

باب ششم
حرف آخر

حکیم الامت مفتی احمد یار خان ؒ کی تصانیف و تالیفات کا بہ نظر تحقیقی مطالعہ کرنے اور تجزیہ کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع تھا۔ انہوں نے نہ صرف اپنے عہد کے تقاضوں کو سمجھا بلکہ انہیں پورا کیا۔ انہوں نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا جن مسائل سے بحث کی ان میں ان کی مجتہدانہ شان پائی جاتی ہے۔ انہوں نے متنازع فیہ مسائل کا اس طرح حل پیش کیا ہے کہ وہ عصری زندگی کے مسائل سے ہم آہنگ ہو گئے ہیں۔ ایسے موضوعات جن کے تعلق سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان میں اب کسی مزید اضافہ کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ ان پر جب قلم اٹھایا ہے تو نئے امکانات پیدا کر دیے ہیں اور ایک جہانِ معنیٰ آباد کر دیا ہے۔

انہوں نے تفسیر اس خوش اسلوبی سے بیان کی ہے کہ اس میں وسعت و ہمہ گیری، بلندی و رفعت، افادیت و مقصدیت، وقعت و عظمت پیدا ہو گئی ہے۔ ایسے مسائل جن پر عرصہ دراز سے تاریکی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی نور بصیرت سے دیکھا۔ ان کا تجزیہ کیا اور اپنے ذہنی استدلال اور اجتہاد سے ان کو حل کیا۔

ان کی تحریروں میں سادگی زبان، حقیقت نگاری اور وحدتِ فکر ملتی ہے۔ انہوں نے جو بات کہی ہے بڑی سادا اور عام فہم زبان میں کہی ہے جو سلفِ صالحین کے اسلوب سے مطابقت رکھتی ہے۔ ان کی ریاضت، خلوص، ہمہ دانی و ہمہ گیری کا بین ثبوت ان کی تصنیفات و تالیفات ہیں۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب ؒ سے اختلافِ رائے کی گنجائش مشکل ہے۔ انہوں

نے سخت سے سخت حالات کا بڑی پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ انہیں ہمیشہ امت کا غم ستاتا رہا لیکن انہوں نے کہیں بھی امید کا دامن نہیں چھوڑا۔ ان کے قول وفعل میں بڑی ہم آہنگی تھی۔ انہوں نے جو سرمایہ یادگار چھوڑا ہے وہ امت کیلئے چراغِ راہ اور آخرت کیلئے زاد سفر ہے۔

انہوں نے مذہبی تصانیف کا جائزہ لے کر ان کی اصلاح وترقی کیلئے اپنی خدمات پیش کیں نہ صرف درس وتدریس کے ذریعہ بلکہ تحریر وتقریر کے ذریعہ صدائے حق عوام تک پہنچائی۔ جن کے دور رس نتائج بر آمد ہوئے وہ مذہب وملت کے بڑے محسن تھے۔ ان کی اولیت وانفرادیت مُسلّم ہے۔ موضوع کیسا ہی دقیق کیوں نہ ہو۔ وہ نئے نئے نکات ایسی عمدگی کے ساتھ رقم کر جاتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو موضوع کے دقیق ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ جہاں وہ نہایت ہی آسان زبان میں متعلقہ مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ وہیں معترضین کی کتابوں سے ایسے ایسے دلائل پیش کرتے ہیں کہ ان کے اعتراضات تارِ عنکبوت کی طرح کمزور نظر آتے ہیں۔ نتائج اِستخراج کرنے کا طریقہ، دلائل پیش کرنے کا سلیقہ، نکات حاصل کرنے کی ڈھنگ اور موضوع سے متعلق آیات کریمہ واحادیث مبارکہ جمع کرنے کا اسلوب، مصنف" کوشانِ امتیاز عطا کرتا ہے۔ اس سے ان کے تبحّر علمی ان کی نکتہ سنجی، نکتہ رسی، نکتہ فہمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ وہ اوصاف ہیں جو بہت ہی کم مصنفین کے حصہ میں آئے ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر ہر لمحہ دین کی تبلیغ کیلئے وقف تھا۔ جہاں ان کی تفسیر وشرح اہم ہیں وہیں ان کی تحقیق بھی قدر اول کی چیز ہے۔ جہاں ان میں عمدہ ذوق شعری ہے وہیں مختلف مقامات کی سیر وسیاحت اور ان سے اخذ کردہ تاثرات کو سپرد قلم کرنے کا کمال بھی ہے۔ جہاں ان کے شعر بڑے ستھرے اور دلکش ہیں وہیں ان کے سفرنامے بھی معلومات کا سرمایہ ہیں۔

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خانؒ
ایک مفسر و محدث کی حیثیت سے

تفسیر شرح کی بہت سی کتابیں لکھی گئیں ہیں لیکن جس معیار و پایہ کی تفسیر و شرح حضرت صاحب نے کی اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ انہوں نے ترجمہ کرتے وقت ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ جو بھی لفظ استعمال کیا جائے کہ وہ آیات مبارکہ اور احادیث مقدسہ کے سیاق وسباق میں اصل مفہوم کو ادا کرے ورنہ ایسے اسرار رموز حقائق و معارف پیش کرتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم، تفاسیر و شرحوں میں نہیں ملتے۔ ان تراجم و تفاسیر میں قرآن و احادیث کی حقیقی روح موجود ہے۔

آپ کی تراجم، تفاسیر و شرح کی ایک اور خوبی یہ کہ آپ نے ہر جگہ آداب اور مقتضیات سے سر مو انحراف نہیں کیا۔ آپ کا اسلوبِ بیان بھی دیگر مفسرین سے خاصہ مختلف ہے۔ آپ کی تفسیر عالمانہ بھی ہیں صوفیانہ و عارفانہ بھی۔ فن حدیث کے شارح ہونے کی حیثیت سے ان کا پایہ سب سے بلند اور منفرد ہے۔ ان کی شرح بہت ہی جامع اور معنویت سے بھرپور ہے وہ فن حدیث کے رمز شناس ہیں۔ انہوں نے اپنی شرح میں تشریح، تفہیم، نقد و تبصرہ کا حق ادا کر دیا ہے۔

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ نے نامساعد حالت میں سنت کے تحفظ کا بیڑا اٹھا کر عقائدِ حقہ کا اظہار کیا اور اپنی تحریروں کے ذریعہ ان تمام مفروضات وکوتاہیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ جو بعض مکتبہ فکر کے مصنفین کی سہل انگاری کی وجہ سے در آئیں تھیں۔ انہوں نے بڑی اخلاقی جرأت کے ساتھ اختلاف رائے کیا ہے۔ وہ نہ صرف علوم

اسلامیہ پر گہری نظر رکھتے تھے بلکہ عصر جدید کے بڑے مبصر تھے۔ احکام شرعیہ، تعلیم قرآنیہ اُور دورِ حاضر کے مابین مطابقت کی راہیں ہموار کرتے ہوئے تشکیک وتذبذب کے شکار عوام کو راہِ ہدایت دکھاتے رہے۔ عصری تقاضوں کے پیش نظر ان کی مجتہدانہ کوشش بڑی وقیع اور گراں قدر ہو جاتی ہیں۔ سنت کی وضاحت اور بدعت کے حقائق کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے باریک سے باریک مسائل کا حل کتاب وسنت اجماع امت قیاس مجتہد کی روشنی میں کیا ہے۔ ایک کامیاب محقق وہی ہے جو موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں جانچتا اور پرکھتا ہے اور حقیقتِ پنہاں یا حقیقت مبہم کو باضابطہ طور پر افشا کرتا ہے تاکہ غلط بیانی کی تصحیح ہو صحیح تصویر سامنے آسکے اور صحیح فیصلہ صادر ہو۔ یہ کام حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی تحریروں میں بڑی کامیابی کے ساتھ کر دکھایا ہے۔

دیگر اصنافِ سخن کے مقابلے میں نعت گوئی ایک مشکل صنف سخن رہی ہے۔ اس لئے بھی کہ وہی نعت معیاری سمجھی جاتی ہے جو شعری اور شرعی تقاضوں کو پورا کرے اور جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی روح میں بالیدگی پیدا ہو۔

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ ایک اچھے مفسر، محدث، محقق، مورخ اور ایک اچھے شاعر تھے، مفتی صاحب قبلہ کی نعتیں والہانہ عقیدت جذبات کی شدت کے ساتھ ستاھ تزکیہ نفس، تطہیر جذبات سکون قلب کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ ان کی نعتیں سیرت طیبہ کے مختلف اور متنوع پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان کا قلب عشق اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ وَرَسُوْلِ کریم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ سے سرشار تھا۔ انہوں نے اپنی نعتوں کے لئے مواد قرآن و حدیث سے فراہم کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیں افراط تفریط اور تخیل کی بے راہ روی سے پاک ہیں ان کی نعتیں آسان عام فہم، سوز وگداز قلب جذب وکیف اور والہانہ جذبات سے عبارت ہیں انہوں نے جہاں نعتیہ کلام لکھا وہیں قومی موضوعات کو بھی اپنی شاعری کا

موضوع بنایا۔ انہوں نے دردوغم کا اظہار بڑے ہی سلاست روانی اور سادگی کے ساتھ کیا ہے۔ ان کے کلام میں اظہار کی بے ساختگی اور خیالات کی برجستگی پائی جاتی ہے، ہر جگہ آمد ہی آمد ہے۔ انہوں نے دلی جذبات کو شعر کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ اپنے حقیقی جذبات کو جب وہ شعر کا جامہ پہناتے ہیں تو اس میں بڑی تاثیر پائی جاتی ہے۔ یہی تاثیر انہیں دوسروں سے ممیز کرتی ہے۔ وہ جذبات کی مصوری میں اپنا جواب نہیں رکھتے وہ اپنے مخصوص رنگ وآہنگ سے پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی نعتوں کو اپنی دلگدازی سے مزین کیا ہے۔ ان کی نظموں میں بھی ایک سلیقہ اور تعمیری مقصد نظر آتا ہے۔

ان کا کلام سر بسر عارفانہ ہے۔ خدا ترسی، انسان دوستی، عشق وعرفان، سلوک ومعرفت کے نکات سے بھرپور وروشن ہے۔ ان کی قادر کلامی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ وہ مختلف صنعتوں کا استعمال بڑے سلیقہ سے کرتے ہیں۔ انہوں نے سماجی موضوعات کو بھی موضوع شعر قومی اصلاح کے پیش نظر بنایا۔ شاعری ان کا مقصد حیات نہیں تھا لیکن جہاں کہیں مختلف سماجی تقاضوں سے مجبور ہو کر شعر کہے ہیں وہاں معلم اخلاق نظر آتے ہیں۔

ان کے سفرنامے حج وزیارات، ان کے مشاہدہ ومطالعہ نیز ان کے ذوق تجسس کا پتہ دیتے ہیں۔ انہوں نے جس باریک بینی سے دوران سفر چیزوں کو دیکھا، محسوس کیا اور ان کو جس دل نشین پیرایہ میں قلمبند کیا اس کا جواب مشکل ہے، یوں تو سیکڑوں سفرنامے لکھتے ہیں لیکن ان کے سفرنامے کی بات ہی انوکھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک رہبر بن کر پڑھنے والوں کو بھی ان مقامات کی سیاحت سے لطف اندوز ہونے کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں اور بیش قیمت تحقیقی وتاریخی مواد فراہم کر رہیں ہے۔

اس سفرنامے میں مصنف علیہ الرحمۃ شامل بھی ہیں نہیں بھی ہیں...... انہوں نے حقائق کو بغیر کسی رنگ آمیزی کے پیش کیا۔ مختلف مقامات اور وہاں کے سماجی حالات کی ترجمانی کا

حق ادا کر دیا ہے۔ مصنف" خود ایک مخصوص زاویہ نظر بھی رکھتے ہیں ان کے سفر نامے میں فرضی۔ بے بنیاد نا قابل یقین واقعات کی گنجائش نہیں۔

ان کے سفر نامے کا مطالعہ بڑی حد تک تاریخی مطالعہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات مختلف تاریخی مقامات کی تہذیبی اور سماجی زندگی کا دلکش اظہار ان کے سفر نامے کی خوبی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ

حکیم الامت سے عقیدت کیسے پیدا ہوئی

میرے دادا جو نشانیاں حکیم الامت کیلئے بیان فرماتے جس کو میں بارہا اپنے والد کی زبانی آج تک سنتا آرہا ہوں وہ غالباً حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ والرضوان کی شان ہے۔ دوسری بات سب سے زیادہ مجھ کو مفتی احمد یار خان کی تصنیفات وتالیفات نے اس قدر متاثر کردیا کہ جس کی وجہ سے روحانی کشش پیدا ہوگئی۔ جس میں دنیا کو دنیا میں کھویا۔ عقائد باطلہ رکھنے والوں کو توہین نبوت کے مجرم ہونے کی بنیاد پر ہمیشہ نفرت اور گھن محسوس کی۔ اہل باطل کے علماء کی دھجی اڑادی اوران کے عقائد باطلہ کو اپنی تصنیفات کا موضوع بنا کر لوگوں کو بیدار وہوشیار کرکے دوزخ کی دھکتی آگ سے بچالیا یہ ہی وہ ادا ہے جس نے بندہ کو حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ والرضوان کی عقیدت میں دیوانہ بنا دیا۔

ڈاکٹر ایس، کے، بلال احمد صدیقی حبیبی
(ایم اے، پی ایچ ڈی)
1193، عقب جامع مسجد، میلسور